www.KitaboSunnat.com

القصاص في الفقه الإسلامي

تألیف

ڈاکٹر احمد فتحی بہنسی

ترجمہ

مولانا سیّد عبدالرحمٰن بخاری
ریسرچ آفیسر قائدِ اعظم لائبریری، لاہور

مرکزِ تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری
نسبت روڈ ○ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب...عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

سلسلۂ مطبوعاتِ مرکزِ تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری ۲۴

القصاص فی الفقہ الاسلامی

تألیف

ڈاکٹر احمد فتحی بہنسی

ترجمہ

مولانا سیّد عبدالرحمٰن بخاری

مرکزِ تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری
نسبت روڈ ○ لاہور

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

پہلا ایڈیشن ——— گیارہ صد
دوسرا ایڈیشن ——— گیارہ صد
مطبع ——— پرنٹ ایکسپرٹ لاہور
قیمت : ——— -/۱۰۰ روپے

11940

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

فہرست

عنوانات	صفحہ
پیش لفظ	۸
دیباچہ از مترجم	۱۲
مقدمۃ الکتاب	۴۵
فصل اوّل	۵۲
قصاص اور اس کی حکمت	〃
قصاص کا معنی	〃
کتب فقہ میں قصاص	۵۳
شریعت میں قصاص کی حکمت	۵۴
قصاص کی صورت	۵۷
آیا قصاص قاتل کے گناہ کا کفارہ ہے	۷۱
قاتل کی توبہ کا بیان	〃
فصل دوم	۸۰
وجوب قصاص کی شرائط	〃
بحث اوّل:	〃
قاتل سے متعلق شرائط	〃
بحث دوم:	۸۵
مقتول سے متعلق شرائط	〃
غلام کے قصاص میں آزاد کا قتل	۸۶
غلام کے بدلے آقا کا قتل	۹۲
ذمی کے بدلے مسلمان کا قتل	۹۷
حربی مستأمن اور ذمی	〃
دارالاسلام میں اسلام قبول کرنے والے مستأمن کا قتل	۹۹
بلاد حرب میں اسلام قبول کرنے والے حربی کا قتل	۱۰۱
اہل الذمہ پر شریعت اسلامیہ کی خصوصی عنایت	۱۰۲
ذمی کے بدلے مسلمان کے قتل میں فقہاء کا اختلاف	۱۰۴
قرآنی دلائل	۱۰۵

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

عنوانات	صفحہ
سنت سے دلائل	۱۰۶
فرد کے لیے جماعت سے قصاص	۱۲۵
چند افراد کا مل کر کسی کو مہلک زخم لگانا	۱۳۱
متعدد اشخاص کا قتل	۱۳۴
بیٹے کے قصاص میں باپ کا قتل	〃
عورت اور مرد کے درمیان قصاص	۱۳۹
مبحث سوم:	۱۴۴
جرم سے متعلق شرائط	〃
قتل عمد کے ارکان	۱۴۵
فصل سوم	۱۴۶
حالات وجوب قصاص	〃
مبحث اول	〃
قتل عمد	〃
قتل واجب	۱۴۷
قتل مباح	۱۵۰
قتل حرام	۱۵۱
قتل عمد کے ارکان	۱۵۶
رکن اول: مجنی علیہ کا قتل سے پہلے بقید حیات ہونا۔	〃
رکن دوم: قاتل سے ایسے فعل کا صدور جس کے نتیجے میں موت واقع ہو جائے	۱۵۸

عنوانات	صفحہ
فعل عمد	۱۵۸
فعل اور موت کے درمیان رابطہ سببیت	۱۶۶
سلبی طریقے سے جرم قتل کا ارتکاب۔ جدید قانون میں	۱۶۹
〃	
فقہ اسلامی میں	۱۷۰
رکن سوم: ارتکاب جرم کا ارادہ	۱۷۳
قتل عمد کی سزائیں	۱۷۵
اولاً: گناہ	۱۷۶
ثانیاً: قصاص	۱۷۹
ثالثاً: میراث مقتول سے محرومی	۱۹۳
نابالغ اور مجنون کو سزائے حرمان	۱۹۴
جائز فعل کے نتیجے میں وقوع پذیر ہونے والے قتل پر سزائے حرمان	۱۹۵
رابعاً: کفارہ	۱۹۶
کفارۂ یمین	〃
کفارۂ ظہار	۱۹۷
کفارہ قتل عمد	۱۹۸
خامساً: سقوط قصاص کی صورت میں مالی تاوان	۱۹۹
قتل جنین کے احکام	۲۰۰

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

عنوانات	صفحہ
مقدار غرہ	۲۰۹
غرہ کا ادائیگی کس پر واجب ہے	۲۰۲
غرہ کا وارث کون ہوگا	۲۱۳
اتلاف جنین پر کفارہ کا حکم	۲۱۴
عورت کا خود اپنا حمل ضائع کرنا	۲۱۷
مبحث دوم:	〃
جان سے کم پر عمداً زیادتی	〃
قتل سے کم درجے کے جرائم میں اشتراک	۲۲۲
ایک شخص کا متعدد افراد پر زیادتی کرنا	۲۲۴
جائز فعل کا ارتکاب	۲۳۱
اتلاف اعضاء و قائم مقام اعضاء	۲۳۳
اتلاف عضو	۲۳۴
عمومی قاعدہ	۲۲۷
آنکھ	۲۳۸
بھینگی آنکھ	۲۳۹
یک چشم کی آنکھ	〃
ناک	۲۴۲
کان	۲۴۳
ہونٹ	۲۴۴
ہڈی	〃

عنوانات	صفحہ
زبان	۲۴۷
گونگے کی زبان	۲۴۹
بچے کی زبان کا تاوان	۲۴۹
عضو تناسل	۲۵۰
عورت کے پستان	۲۵۲
بال	۲۵۳
اتلاف صلاحیت عضو مع بقائے صورت	۲۵۴
اتلاف صلاحیت کا ثبوت	۲۵۷
شجاج	۲۵۸
حارصہ	۲۵۸
دامعہ	〃
دامیہ	۲۵۹
باضعہ	〃
متلاحمہ	〃
سمحاق	۲۶۰
موضحہ	〃
ہاشمہ	۲۶۲
منقلہ	〃
آمہ (مامومہ)	〃
دامغہ	۲۶۳

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

عنوانات	صفحہ
حکومت عدل کیا ہے۔	۲۶۴
جراحات	۲۶۵
غیر جائفہ	۲۶۸
عورت پر جان سے کم زیادتی	۲۶۹
جان سے کم کے تاوان میں عاقلہ کی ذمہ داری	۲۷۲
مبحث سوم:	۲۷۳
قتل شبہ عمد	〃
متفق علیہ	۲۷۴
مختلف فیہ	۲۷۵
صاحبین کے دلائل	〃
امام ابوحنیفہ کے دلائل	۲۷۶
قتل شبہ عمد کا حکم	۲۸۲
مبحث چہارم:	۲۸۴
قتل خطاء اور قائم مقام خطاء	〃
قتل خطاء کی اقسام	۲۸۹
قتل قائم مقام خطاء	۲۹۲
قتل خطاء اور قائم مقام خطاء کا حکم	۲۹۳
کفارہ دیت	۲۹۴
میراث مقتول سے محرومی	۲۹۴
قتل بسبب	۲۹۵

عنوانات	صفحہ
فصل چہارم	۲۹۶
استیفاء قصاص	〃
مبحث اوّل	〃
قصاص لینے کا حقدار	〃
قصاص کا وارث	〃
قصاص کی عدم تقسیم پذیری	۳۰۰
کیا عورت قصاص کی وارث ہے۔	۳۰۱
قصاص کون نافذ کرے گا۔	۳۰۴
حاکم سے قصاص	۳۰۵
قاتل کو قتل کرنا۔	۳۰۶
مبحث دوم:	۳۰۸
کیفیت استیفاء قصاص	〃
جان سے کم تر جرائم میں قصاص کا فیصلہ کب کیا جائے۔	۳۲۱
فصل پنجم	۳۲۴
اسباب سقوط قصاص	〃
اولاً: محل قصاص کا فقدان	〃
ثانیاً: معافی	۳۲۶
قصاص معاف کرنے کی شرائط	۳۲۷
عفو کے بارے میں فقہاء کی تصریحات	۳۲۸
عفو کے احکام	۳۳۷

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

عنوانات	صفحہ
ولی الدم کی طرف سے معافی	۳۳۷
مجنی علیہ کی موت کے بعد معافی	〃
ضرب کے بعد اور موت سے پہلے معافی	۳۳۸
مجنی علیہ کی جانب سے معافی	۳۳۹
تعدد اولیائے مقتول	۳۴۱
معافی سے رجوع	۳۴۲
ثالثاً: صلح	۳۴۴
تعدد ورثاء کی صورت میں مصالحت	۳۴۸
وصی کی طرف سے مصالحت	〃
مال صلح	۳۴۹
عمداً اور خطاء	۳۵۱
فصل ششم	۳۵۳
اثبات جرم	〃
اقرار جرم	۳۵۲
قتل خطاء کا اقرار	۳۵۳
قرائن احوال	۳۵۴
شہادت	۳۵۵
قسامت	۳۶۲
قسامت کا معنی	۳۶۳
وجوب قسامت کے دلائل	۳۶۴
وجوب قسامت کے شرائط	
قسامت میں کون لوگ داخل ہونگے	۳۶۸
عورتوں پر قسامت	۳۷۶
قسامت سے برارت	〃
قسامت کے احکام	۳۷۷
خاتمہ	۳۸۶

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

اسلام نے انسانی جان کو جو احترام دیا ہے۔ سورۃ مائدہ کی آیت "مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا"[1] ہی سے واضح ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کا یہ فرما دینا کہ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ[2] قصاص کی اہمیت کو بلیغ ترین انداز میں واضح کرنے کی صورت ہے۔ اس آیت کریمہ کے بارے میں امام بیضاوی نے لکھا ہے۔

کلام فی غایۃ الفصاحۃ والبلاغۃ حیث جعل الشئ محل ضدہ۔

یہ کلام انتہائی فصیح و بلیغ ہے کیونکہ اس میں ایک شے کو اس کی ضد کی جگہ پر رکھا گیا ہے۔

---

[1] المائدہ: ۳۲۔

[2] البقرۃ: ۱۷۹۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

یعنی قصاص میں تو در اصل موت ہے لیکن اس آیۃ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک عجیب بات بیان فرمائی ہے کہ قصاص ازالۂ حیات کا باعث ہونے ہی کی وجہ سے مفضی الی الحیاۃ ہے مثلاً جو شخص کسی کو قتل کرنے کا ارادہ کرے اسے یہ بھی سوچنا پڑے گا کہ وہ بھی قصاص میں قتل ہو گا یہ سوچ کر وہ قتل سے باز آجائے گا تو گویا قاتل (باعتبار ارادۂ قتل) قصاص میں قتل ہونے سے بچ گیا اور وہ شخص جو آگے چل کر قتل ہونے والا تھا قاتل کے باز آجانے کی وجہ سے قتل ہونے سے بچا رہا۔ اب بات کو ذرا آگے بڑھائیے تو معلوم ہو گا کہ لاکھوں انسانوں کی زندگی **قصاص** کی وجہ سے بچ گئی کیونکہ وہ تمام لوگ جن کے بارے میں امکان تھا کہ وہ قتل کرتے جب انہیں پتا چلا کہ قصاص میں وہ بھی قتل کیے جائیں گے تو وہ اپنے ارادہ سے باز رہے اور جو لوگ مستقبل میں مقتول ہوتے قاتلوں کے باز آجانے کی وجہ سے وہ محفوظ ہو گئے۔ جان ہی نہیں بلکہ قصاص کی وجہ سے انسان کے اعضاء اور جوارح بھی محفوظ رہتے ہیں۔

إِنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ۔ [1]

اسلام کا عطا کردہ نظام **قصاص و دیت** دیگر قوانینِ عالم کے مقابلے میں نہایت سیدھا سادہ ہے مثلاً:

۱۔ قصاص لینا امام یا حاکم کا فرض ہے بشرطیکہ اولیائے مقتول قصاص کے طالب ہوں۔

۲۔ قاتل کو بھی بلا عذر تسلیمِ نفس کر دینا چاہیے کیونکہ یہ حق العبد ہے۔

۳۔ اور تیسری بات یہ کہ مقدمے کا فیصلہ کرتے وقت از روئے **قرآن** حاکم پر یہ

---

[1] المائدہ ۴۵۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

واجب ہے کہ وہ فریقین کے مابین کامل تسویہ برتے۔ بلکہ امام شافعی کا تو یہاں تک خیال ہے کہ نہ صرف یہ کہ حقوق کی ادائیگی میں تسویہ برتا جائے بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ صفتِ قصاص میں بھی تسویہ برتا جائے یعنی اگر قاتل نے تلوار سے مارا ہو تو قصاص میں اسے تلوار سے قتل کیا جائے اور اگر آگ میں جلا کر مارا ہے تو اسے بھی قصاص میں آگ میں جلا کر مارا جائے وغیرہ

اسلام سے پہلے قصاص کے معاملے میں بہت زیادتی کی جاتی تھی یعنی بعض معاملات میں قصاص میں قتل کر کے اور بعض میں دیت لے کر چھوڑ دیا جاتا تھا اور اس کا کوئی ضابطہ نہ تھا۔ کبھی ایک آدمی کے عوض قبیلے کے سینکڑوں معصوم افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیتے ایسا بھی ہوتا کہ کسی شریف نے کسی قبیلے کے ایک فرد کو قتل کر دیا تو اس قاتل سے کہا جاتا کہ ہم تجھے اس وقت چھوڑ سکتے ہیں جب تو اجازت دے کہ ہم تیرے سو غلاموں کو قتل کر دیں اگر وہ اجازت دیدیتا تو ہم اس کے سو غلاموں کو بے دریغ تہہ تیغ کر دیا جاتا۔

قصاص میں قتل کرتے وقت وہ تعدی کا راستہ بھی اختیار کرتے مثلاً ناک کان کاٹ کر تڑپنے کے لیے چھوڑ دیتے پھر ہاتھ کاٹ دیتے اور تڑپنے کے لیے چھوڑ دیتے پھر پاؤں کاٹ لیتے اور وہ تڑپتا رہتا اس طرح وہ اپنے جذبۂ انتقام کی تسکین کا سامان بہم پہنچاتے اسلام نے ان تمام بے ہودگیوں کو ختم کیا اور نہایت متوازن مبنی پر انصاف نظام قیامت تک کے لئے عالم انسانیت کو بخش دیا۔

علامہ بہنسی کا نام برصغیر کے علماء کے درمیان کوئی اجنبی نام نہیں۔ علامہ کو اسلام کے قانون جنائی کے سلسلے میں مہارت تامہ حاصل تھی اور انہوں نے اس موضوع پر متعدد مؤقر کتابیں تصنیف فرمائیں۔ زیرِ نظر کتاب "القصاص فی الفقہ الاسلامی" اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی میری نگاہ میں یہ ہے کہ یہ جامع اور مختصر ہے اور اپنے موضوع کو متعارف کرانے کے سلسلے میں یہ نہایت ہی

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

مفید کوشش ہے۔ چونکہ مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری عرصے سے اسلامائزیشن کے عمل میں حکومت کے ساتھ مخلصانہ تعاون کرتا چلا آرہا ہے اور قصاص و دیت کا بل بھی سینٹ میں زیر غور ہے اس لیے ہم نے مذکورہ بالا کتاب سے اردو دان طبقہ کو متعارف کرانے کے لیے فاضل مترجم عزیزم سید عبدالرحمٰن بخاری ریسرچ آفیسر قائداعظم لائبریری لاہور کی خدمات حاصل کیں اور ہم مولانا موصوف کے بیحد شکر گزار ہیں کہ باوجود بے پناہ مصروفیات کے مولانا نے ہماری درخواست پر لبیک کہا اور اس مفید کتاب کو اردو کا جامہ پہنا دیا۔

قارئین کی مزید واقفیت کے لیے ابتداء میں مولانا نے ایک نہایت ہی فاضلانہ مقدمہ تحریر فرمایا ہے اور انگریزی داں طبقہ کی آسانی کے لیے کتاب کے آخر میں فرہنگ اصطلاحات فقہیہ کو شامل کیا ہے تاکہ غیر عربی داں حضرات کتاب سے استفادہ کر سکیں۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ فاضل مترجم کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور عرصہ دراز تک پاکستانی قوم اس کتاب سے فائدے حاصل کرتی رہے۔ آمین

دعاگو

سید محمد متین ہاشمی

یکم جون ۱۹۸۶ء

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

قصاص میں حیات ہے

شریعت اسلامیہ کی مقصدیت اور مصلحیت ایک ایسی قطعی اور اٹل حقیقت ہے جو بے شمار ادلۂ عقلیہ و نقلیہ کے استقراء تام سے تواتر معنوی کے ذریعہ یقین کی آخری حد تک ثابت ہو چکی ہے۔ امام شاطبی کی یہ تصریح اجماع امت کی آئینہ دار ہے کہ:

ان الشریعۃ وضعت لمصالح الخلق باطلاق۔ [1]

یعنی شریعت اسلامیہ مطلقاً مصالح مخلوق کے لیے وضع کی گئی ہے۔

اور مصلحت بقول امام غزالیؒ مقاصد شارع کی حفاظت سے عبارت ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

نعنی بالمصلحۃ المحافظۃ علی مقصود الشرع ومقصود الشارع من الخلق خمسۃ، وھو ان یحفظ علیھم دینھم ونفسھم وعقلھم ونسلھم ومالھم، فکل ما یتضمن حفظ ھذہ الاصول

---

[1] الشاطبی: الموافقات، ج ۱، ص ۲۹، تاکید کے لیے دیکھیے۔ الآمدی: الاحکام، ج ۳، ص ۱۳۴ القرافی شرح تنقیح الفصول، ص ۱۲۹ ابن تیمیہ: ج ۱۲، ص ۱۳ عزالدین: قواعد الاحکام ج ۱، ص ۹ ابن قیم: اعلام الموقعین ج ۳، ص ۳۱

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

الخمسة فهو مصلحة وكل ما يفوت هذه الاصول فهو مفسدة ودفعها مصلحة۔[1]

یعنی مصلحت سے ہماری مراد مقاصد شریعت کی رعایت ہے اور شارع کو مخلوق کے پانچ امور کی حفاظت مقصود ہے۔ دین، نفس، نسل، عقل اور مال تو ہر وہ چیز جو ان امور کی حفاظت کرے مصلحت ہے اور جو چیز ان مصالح کے ضیاع و تفویت کو متضمن ہو وہ مفسدہ ہے اور اس کو دفع کرنا مصلحت ہے۔

اس سے واضح ہے کہ مصلحت کلیات خمسہ اساسیہ (دین، نفس، نسل، عقل اور مال) کی حفاظت و تقویت سے عبارت ہے اور ان کلیات خمسہ کی حفاظت، جو کہ تمام شرائع و ملل کا اجتماعی نصب العین رہی ہے[2] بنیادی طور پر تین مراتب رکھتی ہے، ضروری، حاجی اور تحسینی۔ اور یہ تینوں مراتب اپنے سلبی و ایجابی ہر دو زاویوں سے باہم اس طرح مربوط و متلازم ہیں کہ ایک طرف مصالح ضروریہ باقی دونوں مراتب کے لیے اصل و محور کی حیثیت رکھتے ہوئے بھی اپنی کلی تحصیل و تکمیل میں ان دونوں کی محتاج ہیں کہ حاجیات و تحسینیات کے کلی اختلال سے مصالح ضروریہ کی جزوی اختلال پذیری یقینی ہے[3] تو دوسری جانب ان مراتب سہ گانہ کی سلبی رُخ سے حفاظت و رعایت بھی اتنی ہی ناگزیر ہے جتنی کہ ایجابی جہت سے[4] کیونکہ کسی چیز کی بقاء و استحکام کے لیے مثبت اقدامات کے ساتھ ساتھ عوامل اضمحلال کا سد باب بھی یکساں ضروری ہوتا ہے۔

---

[1] الغزالی: المستصفی، ج ۱، ص ۲۸۷۔

[2] الغزالی: المستصفی، ص ۲۸۸، الرازی: المحصول، ج ۲ ق ۲ ص ۲۴۷، القرافی: شرح تنقیح الفصول ص ۱۶۹،۷۴

[3] الشاطبی: الموافقات، ج ۲، ص ۱۶

[4] ایضاً، ج ۲ ص ۸

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

الغرض اسلامی شریعت بھی دیگر الہامی شرائع کی طرح انسان کے مصالح خمسہ (دین، نفس، نسل، عقل اور مال) کی ضروری، حاجی اور تحسینی تینوں مراتب میں سلبی اور ایجابی ہر دو رخ سے کلی حفاظت و رعایت کی علمبردار ہے اور اس کے تمام اعتقادی، تعبدی، اخلاقی، تعاملی اور تعزیری احکام درحقیقت انہی مصالح خمسہ کی حفاظت و تقویت کے لیے وضع کیے گیے ہیں اور اسی حفاظت و رعایت کی نسبت سے ان احکام کی شرعی حیثیت متعین ہوتی ہے کیونکہ بقول علامہ آمدی:

ان شرع الاحکام لم یکن مطلوبا لذاتہ' بل لما یفضی الیہ من مقاصد العباد۔ [1]

یعنی اسلام میں احکام و اعمال کی مشروعیت بالذات مقصود نہیں بلکہ بندوں سے متعلق مقاصد شارع کی رعایت پر مبنی ہے۔

ان مصالح خمسہ کی حفاظت و رعایت میں شریعت اسلامیہ نے فطری ترجیحی ترتیب ملحوظ رکھی ہے جو صعودی اعتبار سے مال، عقل اور نسل کی حد تک تو متفق علیہ ہے کہ اہمیت حفاظت میں مال سب سے آخری درجے پر ہے، اس سے اوپر عقل اور پھر نسل کا درجہ ہے۔ لیکن نفس اور دین کے مابین ترجیح و تقدم میں قدرے اختلاف پایا جاتا ہے جو دقت نظر سے جائزہ لینے پر حقیقی کم اور اعتباری زیادہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ دین اگر نفس انسانی کو زندگی کے حقیقی شرف و تقدس اور وقار و عظمت سے آشنا کرتا ہے اور اس لیے بنیادی اہمیت کا حامل ہے تو نفس وجود ( ) کے لحاظ سے بہرحال ذات انسانی ہی کو تقدم اور اولیت حاصل ہے۔ اور اس اعتبار سے دین کی حفاظت و رعایت کا درجہ نفس انسانی کے وجود و بقاء کے بعد آتا

---

[1] آلآمدی: الاحکام، ج ۳ ص ۳۶۰۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ ذیل میں اس حقیقت کا قدرے تفصیل سے جائزہ لیا جاتا ہے۔

حفظ نفس، تمام مصالح پر مقدم ہے: علمائے فقہ و اصول کے درمیان حفظ نفس اور حفظ دین کی ترتیب میں قدرے اختلاف پایا جاتا ہے چنانچہ ایک طبقہ حفاظت دین کو مقدم قرار دیتا ہے جبکہ دوسرا گروہ اسے حفاظت نفس کے مقابلے میں وجودی اعتبار سے فرع اور تابع کی حیثیت دیتا ہے کہ اگر سرے سے انسانی وجود ہی باقی نہ رہے تو حفاظت دین کا کیا معنی؟ ہمارے خیال میں مسئلے کی شرعی نوعیت کا تعین اس حقیقت کے ادراک پر مبنی ہے کہ اسلام زندگی کو ایک وحدت قرار دیتے ہوئے دو اعتباری زاویوں سے دیکھتا اور ان کے حوالے سے دو معیار مقرر کرتا ہے: ایک عمرانی زاویۂ نگاہ جو زندگی کی واقعی دنیاوی حیثیت پر ارتکاز کرتا ہے جبکہ دوسرا روحانی نقطۂ نظر جو زندگی کے مآل و غایت یعنی اخروی پہلو پر زور دیتا ہے اور اسلام دین فطرت ہونے کے ناطے چونکہ زندگی کے دونوں دائروں کو باہم مربوط و متلازم اور اس اعتبار سے یکساں اہم سمجھتا ہے اس لیے وہ اپنی تمام تشریعی ہدایات و تکلیفات میں زندگی کے عمرانی اور روحانی دونوں زاویوں اور ان سے متعلق مصالح و منافع کو متوازن مقام دیتا ہے۔ اب حفاظت دین چونکہ بنیادی طور پر انسان کی روحانی مصلحت ہے اس لیے تشریع اسلامی کے روحانی دائرے[1] میں اس کی اہمیت یقیناً فائق ہے۔ اور

---

[1] شریعت اسلامیہ کی روحانی اور عمرانی دائرے میں تقسیم کوئی اچنبھے کی بات نہیں بلکہ فقہائے اسلام نے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی جو اعتباری تقسیم کی ہے اور احکام شرعیہ کو اعتقادی، تعبدی، اخلاقی، تعاملی اور تعزیری دائروں میں بانٹا ہے اور جس کی بنیاد پر کلام، تصوف و اخلاق، اور فقہ کے مستقل علوم و فنون وجود میں آئے ہیں یہ سب درحقیقت بنیادی طور پر احکام شرعیہ کی روحانی اور عمرانی درجہ بندی ہی سے تعبیر ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

نفس انسان کی حفاظت چونکہ اصلاً زندگی کا عمرانی تقاضا ہے لہٰذا شریعتِ اسلامیہ کے عمرانی دائرے میں اس کا تقدم اور اولیت بہر طور مسلم ہے۔

اس حقیقت کی مزید وضاحت حسب ذیل ہے:

عمرانی اعتبار سے شریعت اسلامیہ کا بنیادی مقصد نجوائے۔

هو انشاكم من الارض واستعمركم فيها۔ [1]

(یعنی خدا تعالیٰ نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور اسے بسانے کا مکلف ٹھہرایا ہے)

عمارت ارض قرار پاتا ہے جو صرف حسی اور مادی لحاظ سے زمین کو آباد کرنے اور اس میں پنہاں کنوز و معادن کو اپنے مصرف میں لانے تک محدود نہیں بلکہ وسیع تر حضاری معنوں میں حیات ارضی کے تمام مادی اور معنوی شعبوں کی تعمیر و تنظیم تمدن کے قیام و استحکام اور نظام معاشرہ کی حفاظت و اصلاح سے عبارت ہے۔

بقول علال الفاسی:

والمقصد العام للشريعة الاسلامية هو عمارة الارض و حفظ نظام التعايش فيها واستمرار صلاحها۔ [2]

یعنی شریعت اسلامیہ کا عمومی مقصد عمارت ارض، حفظ نظام معاشرت اور استمرار صالحیت زیست ہے۔

---

[1] ہود: ۶۱۔ علامہ قرطبی اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں: قال بعض الشافعية: الاستعمار طلبه العمارة، والطلب المطلق من الله تعالىٰ على الوجوب (ج ۹: ص ۵۶) یعنی بعض شافعیہ کا قول ہے کہ استعمار کے معنی ہیں طلب عمارت اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے مطلق طلب وجوب پر دلالت کرتی ہے۔ اور علامہ جصاص لکھتے ہیں: وفيه الدلالة على وجوب عمارة الارض (احکام القرآن ج ۳ ص ۲۳) یعنی یہ آیت زمین کو آباد کرنے کے وجوب پر دلالت کرتی ہے [2] علال الفاسی: مقاصد الشریعۃ ومکارمہا، ص ۴۱

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اور ظاہر ہے کہ اس مقصد کی تکمیل نوع انسانی کے وجود و بقا سے وابستہ ہے جیسا کہ مجلۃ الاحکام العدلیہ میں تصریح کی گئی ہے کہ :

ان الباری تعالیٰ اراد بقاء نظام ھذا العالم الی وقت قدرہ وھو انما یکون ببقاء النوع الانسانی ۔ [1]

یعنی اللہ تعالیٰ کو ایک معین مدت تک نظام عالم کی بقاء مقصود ہے جو کہ نوع انسانی کی بقاء پر منحصر ہے۔

بنا بریں یہ حقیقت ناقابلِ تردید ہے کہ انسان ہی اس کائنات کا وہ گل سرسبد ہے جسے اشرف المخلوقات کا تاج رفعت پہنا کر خلافت الٰہیہ کے منصب جلیلہ پر فائز کیا گیا اور تمام کائناتی قوتوں کو بفحوائے "خلق لکم ما فی الارض جمیعا ۔" [2] حیات انسانی کی رفاہ و بہبود کے لیے اس کے زیر تصرف و تابع فرمان کر دیا گیا ہے اور اس کا اولیں تقاضا یہ ہے کہ انسان کی جان تمام موجودات عالم سے زیادہ عظمت و اہمیت اور شرف و حرمت کی حامل ہے بقول اقبال ؎

؎ برتر از گردوں مقام آدم است ۔ اصل تہذیب احترام آدم است

اسلام نے نفس انسانی کی حرمت کا اتنی شدت سے پاس کیا ہے کہ ایک طرف اسے جملہ مقاصد و تکلیفات شرعیہ میں محوری حیثیت دی ہے اور دوسری جانب تمام دنیا و مافیہا سے فزوں تر گردانا ہے ۔ چنانچہ شارع اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد حقیقت بنیاد ہے کہ ،

لزوال الدنیا اھون علی اللہ من قتل مؤمن بغیر حق ۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ساری دنیا کا تباہ و برباد ہو جانا ایک مسلمان کی جان ناحق ضائع ہونے سے فروتر ہے ۔

---

[1] مجلۃ احکام العدلیہ مقالہ اولیٰ ۔

[2] بقرہ : ۲۹ ۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اس پس منظر میں اگر ہم حفاظت نفس کے سلسلہ میں اسلام کے موقف پر غور کریں تو واضح ہو جاتا ہے کہ شریعت اسلامیہ میں عمرانی اعتبار سے نفس کی حفاظت تمام دیگر مصالح کی طرح حفظ دین کی مصلحت پر بھی مقدم اور فائق ہے۔ جیسا کہ امور ذیل سے عیاں ہے۔

۱۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نفس وجود (EXISTENCE) کے لحاظ سے انسانی ذات جوہر و موصوف اور دین یعنی ایمان اس کے لیے ایک وصف عارضی کی حیثیت رکھتا ہے کہ ایمان ایک شرعی تکلیفی حکم ہے جس کا مخاطب انسان ہے اور ظاہر ہے کہ اگر انسانی نفس ہی باقی نہ رہے تو ایمان کا تحقق کیونکر ممکن ہو گا؟

بقول امام شاطبی:

لو عدم المکلف لعدم من یتدین۔ [1]

یعنی اگر انسان معدوم ہو جائے تو سرے سے دین کو اپنانے والا ہی کوئی باقی نہ رہے گا۔

لہٰذا نفس وجود کے لحاظ سے دین، نفس انسانی سے مؤخر اور اس کی حفاظت بقائے نفس کے تابع ہے۔ یہ ترجیحی ترتیب بعینہ ویسی ہے جیسی کہ ضروریات اور حاجیات و تحسینیات کے مابین ہے کہ ان کا باہمی تعلق اصل و فرع اور موصوف و صفت کا سا ہے اس لیے اگر مصالح ضروریہ اور مصالح حاجیہ و تحسینیہ میں باہم تعارض پیدا ہو جائے تو ثانی الذکر کو چھوڑ دیا جائے گا اور مصالح ضروریہ کی ترجیح و حفاظت لازمی ٹھہریں گی کیونکہ اگر موصوف باقی نہ رہے تو صفت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

---

[1] الشاطبی: الموافقات، ج ۲: ۱۷۰

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

بتصریح امام شاطبی:

اذا ثبت ان الضروری هو الاصل المقصود، وان ما سواه مبنی علیه کوصف من اوصافه او کفرع من فروعه لزم من اختلاله اختلال الباقین لان الاصل اذا اختل اختل الفرع من باب اولی۔[1]

یعنی جب یہ ثابت ہوگیا کہ مصلحت ضروریہ ہی مقصود اصلی ہے اور باقی جملہ مراتب مصلحت، ایک صفت یا فرع کی طرح اسی پر مبنی و استوار ہیں تو ظاہر ہے کہ مصلحت اصلیہ کے اختلال سے باقی مصالح کا اختلال بھی لازم آئے گا کہ جب اصل اختلال پذیر ہو جائے تو فرع میں بدرجۂ اولی اختلال پیدا ہو جائے گا۔ بالکل یہی حال نفس انسانی اور دین کا ہے کہ اگر انسانی جان ہی معدوم ہو جائے تو دین کی حفاظت کیونکر ممکن ہوگی اور کون کرے گا۔

۲- پھر یہ بھی ہے کہ انسان تو دین کا مکلف ہی اس وقت ٹھہرتا ہے جب کہ اس میں اہلیت وجوب اور مناط تکلیف یعنی عقل پائی جائے چنانچہ بچہ اور پاگل سرے سے ایمان کے مکلف ہی نہیں جبکہ جان ان دونوں کی بھی اتنی ہی معصوم اور واجب التحفظ ہے جتنی کہ ایک عاقل و بالغ مکلف کی۔ لہٰذا تکلیفی اعتبار سے بھی حفظ نفس کی مصلحت، حفاظت دین کی مصلحت پر مقدم اور فائق ٹھہرتی ہے۔ باقی رہا کافر حربی کا مباح الدم ہونا تو بتصریح حنفیہ اس کے اہدار کا سبب کفر نہیں بلکہ مسلمانوں کے ساتھ اس کا برسرپیکار ہونا ہے اور یہی وجہ ہے کہ احناف کے نزدیک ایک ذمی کا خون بھی اتنا ہی محترم ہے جتنا کہ ایک مسلمان کا چنانچہ ذمی کے قتل کی پاداش میں مسلمان

---

[1] الشاطبی، الموافقات، ج ۲، ص ۱۸۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

قاتل پر سزائے قصاص لاگو ہوگی۔

۳۔ مزید براں یہ کہ نفس انسانی کی حفاظت و بقاء کے لیے اضطرار کی حالت میں جس طرح محرمات کا استعمال کرنا جائز بلکہ واجب ہوجاتا ہے اسی طرح اکراہ ملجئ کے زیر اثر حالت اضطرار میں کلمۂ کفر کا ادا کرنا بھی حفاظت نفس کے لیے روا ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔

من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان الایۃ[1]

(جو کوئی اللہ سے اپنے ایمان لانے کے بعد کفر کرے بجز اس صورت کے کہ اس پر زبردستی کی جائے درآنحالیکہ اسکا دل ایمان پر مطمئن ہو۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ قرطبی فرماتے ہیں۔

اجمع اھل العلم علی ان من اکرہ علی الکفر حتی خشی علی نفسہ القتل انہ لا اثم علیہ ان کفر و قلبہ مطمئن بالایمان ولا تبین منہ زوجتہ ولا یحکم علیہ بحکم الکفر..... والاکراہ فی الفعل والقول سواء اذا اسر الایمان روی ذلک عن عمر بن الخطاب ومکحول وھو قول مالک وطائفۃ من اھل العراق وروی ابن القاسم عن مالک ان من اکرہ علی شرب الخمر وترک الصلاۃ او الافطار فی رمضان، ان الاثم عنہ مرفوع۔[2]

یعنی اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس شخص کو قتل کا خوف دلا کر کفر پر مجبور کیا جائے تو اس کے لیے کفر کرنا جائز ہے بشرطیکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو، ایسے شخص پر شرعاً کوئی گناہ نہیں ہے نہ اس پر کافر کے احکام جاری ہوں گے... اور اکراہ کے زیر اثر کفر قولی و کفر فعلی کے جواز میں کوئی فرق نہیں (یعنی کفریہ

---

[1] النحل: ۱۰۶

[2] القرطبی: الجامع لاحکام القرآن، ج ۱۰ ص ۱۸۲، ۱۸۳۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اعمال کا ارتکاب بھی کر سکتا ہے) یہ حضرت عمرؓ، مکحولؒ، امام مالکؒ اور اہل عراق کے ایک گروہ سے مروی ہے اور ابن القاسم نے امام مالکؒ سے روایت کیا ہے کہ جس شخص کو شراب نوشی، اور نماز یا روزہ چھوڑنے پر مجبور کیا جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔

علامہ قرطبی کے اس بیان سے عیاں ہے کہ حفاظت نفس کی خاطر، قول و فعل کے ذریعہ ظاہری ارتکاب کفر، شراب نوشی، زنا، اور صوم وصلوٰۃ کا ترک کرنا بھی جائز ہے۔ جس کا مقتضی بجز اس کے کچھ نہیں کہ حفاظت نفس تمام دیگر مصالح بشمول حفاظت دین وایمان پر بھی مقدم ہے۔ اس حقیقت کی مزید تاکید امام غزالی کے اس قول سے ہوتی ہے کہ۔

"الخلاف عند تعارض مصلحتين ومقصودين، وعند ذلك يجب ترجيح الاقوى، ولذلك قطعنا بكون الاكراه مبيحا لكلمة الردة وشرب الخمر واكل مال الغير وترك الصلوٰة لان الحذر من سفك الدم اشد من هذه الامور"[1]

اور یہی وجہ ہے کہ ہم نے اکراہ کو کلمہ ارتداد، شرب خمر، دوسرے کا مال ناحق کھانے اور ترک صوم وصلوٰۃ کے جواز کا قطعی سبب قرار دیا ہے (یعنی یہ حکم یقینی و اجماعی ہے) کیونکہ ان چیزوں کے مقابلے میں انسانی جان کے ضیاع کا خوف شدید تر ہے۔

امام غزالی کی مذکورہ تصریح کے بعد اس سلسلہ میں مزید کسی شہادت اور دلیل کی ضرورت نہیں رہتی کہ اسلام میں انسانی جان کی حفاظت باقی تمام مصالح پر مقدم و فائق ہے۔ البتہ اس سلسلہ میں اگر کسی کو یہ اشتباہ لاحق ہو کہ اسلام میں ارتداد کی سزائے قتل سے مترشح ہوتا ہے کہ حفاظت دین، حفاظت نفس پر مقدم ہے تو اس کی وضاحت کر دی جاتی ہے۔

---

[1] الغزالی: المستصفیٰ، ج ۱، ص ۳۱۲

[2] دو مصلحتوں اور دو مقصودوں کے درمیان تعارض کے وقت اقویٰ مصلحت و مقصود کو ترجیح دی جائے گی۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اوپر حفاظت نفس کے دیگر تمام مصالح پر مقدم ہونے کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ دراصل مصالح خاصہ کے باہمی تعارض و تصادم سے متعلق ہے یعنی اگر ایک ہی فرد کے ایمان کی حفاظت اس کی جان کی حفاظت سے متصادم ہو جائے تو پھر اس کے لیے اپنی جان بچانے کی خاطر ظاہری طور پر ارتکاب کفر جائز ہو گا اسی طرح اگر کسی شخص کی مصلحت نفس اور عقل، نسل یا مال کی مصلحت میں باہم ٹکراؤ پیدا ہو جائے تو اسے اپنے ان اضافی مصالح کو حفاظت جان پر قربان کرنا ہو گا لیکن اگر کبھی مصلحت خاصہ کا مصلحت عامہ کلیہ سے تصادم ہو جائے بایں طور کہ کسی ایک فرد کی جان سے معاشرہ کی مجموعی دینی کیفیت یا عقل یا نسل یا مال کو حقیقی خطرہ لاحق ہو جائے تو اس صورت میں لازماً معاشرہ کی عمومی و کلی مصلحت ایک فرد کی مصلحت خاصہ پر مقدم اور راجح ہو گی کیونکہ شریعت اسلامیہ کا قاعدہ کلیہ ہے۔

الضرر العام یزال بالضرر الخاص۔

یعنی معاشرہ کے عام نقصان سے بچنے کی خاطر فرد کا نقصان برداشت کیا جائے گا۔

یا بقول غزالی۔

نحن نعلم ان الشرع یوثر الکلی علی الجزئی۔ [1]

یعنی ہم جانتے ہیں کہ شریعت مصلحت کلیہ کو مصلحت جزیہ پر ترجیح دیتی ہے۔

مرتد کی سزائے قتل دراصل اسی ضابطہ اور اصول پر مبنی ہے یہاں ایک فرد کی جان سے پورے معاشرہ کی مجموعی دینی کیفیت کو خطرہ لاحق ہے لہٰذا معاشرہ کی عمومی دینی مصلحت کو فرد کی خصوصی مصلحت نفس پر ترجیح دیتے ہوئے اسے سزائے قتل دی جائیگی کیونکہ اگر مرتد کو زندہ رہنے دیا جائے تو وہ بلاواسطہ یا بالواسطہ بہت سے لوگوں کے ایمان کو سلب کرنے کا ذریعہ بنے گا۔ اور یہ نقصان تنہا اس کی جان ضائع ہونے سے کہیں بڑھ کر ہے اسی طرح اگر کوئی بدعتی یا زندیق معاشرہ میں بدعت و زندقہ پھیلائے اور اس کے عمومی نقصانات یقینی طور پر واضح ہوں تو از روئے شرع اسکو بھی قتل کر دیا جائیگا کیونکہ یہاں ایک جان کی حفاظت سے پورے معاشرہ کے ایمان پر زد پڑتی ہے اس بارے

---

[1] الغزالی: المستصفی، ۱: ۳۰۳

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

میں امام غزالی رقمطراز ہیں۔

وھذہ الاصول الخمسۃ حفظھا واقع فی مرتبۃ الضروریات فھی اقوی المراتب فی المصالح ومثالہ قضاء الشرع بقتل الکافر المضل وعقوبۃ المبتدع الداعی الی بدعتہ فان ھذا یفوت علی الخلق دینھم۔[1]

یعنی کلیات خمسہ کی حفاظت مصلحت کے اعلیٰ ترین مرتبۂ ضروریات میں واقع ہے اور اس کی مثال گمراہ کن کافر کے قتل اور بدعت پھیلانے والے شخص کی سزا کے بارے میں شریعت کا فیصلہ ہے کیونکہ ایسا شخص لوگوں کا دین وایمان ضائع کرا دے گا۔

بنا بریں یہ واضح ہے کہ اسلام میں حفاظت دین کی خاطر انسانی جان کو قربان کر دینے کے تمام احکام جیسے جہاد اور مرتد کی سزائے قتل وغیرہ دراصل معاشرہ کی عمومی اور کلی مصلحت کی ایک فرد یا چند افراد کے خصوصی مصالح پر تقدیم وترجیح سے عبارت ہیں ورنہ یہ حقیقت اپنی جگہ واضح، اٹل اور مسلم ہے کہ عمرانی اعتبار سے شریعت اسلامیہ کے تمام مقاصد اور مصالح کا محوری نقطہ نفس انسانی کی بقاء وحفاظت ہے اور تکالیف شرعیہ کے دائرے میں اس بنیادی مصلحت کی حفاظت دیگر تمام مصالح پر مقدم اور فائق۔ اس سلسلہ میں مزید تصریحات آگے نفس انسانی کے خلاف زیادتی کی مختلف صورتوں اور ان کے تدارک کی شرعی تدابیر پر گفتگو کے دوران ضمناً آئیں گی۔

نفس انسانی کے خلاف زیادتی

اوپر یہ بیان ہوا کہ شریعت اسلامیہ کا بنیادی مقصد پانچ مصالح کی حفاظت ہے، دین، نفس، نسل عقل اور مال اور تمام مصالح میں حفظ نفس سب سے اہم اور مقدم ہے لیکن اگر مزید دقت نظر سے جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت کھلتی ہے کہ حفاظت نفس نہ صرف ان تمام مصالح پر مقدم ورائج ہے بلکہ ان سب کو محیط وشامل بھی ہے بایں طور کہ دین، نسل وآبرو وعقل

---

[1] الغزالی: المستصفیٰ، ج ۱، ص ۲۸۷، ص ۲۹۸

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اور مال کی حفاظت بھی درحقیقت حفظ نفس میں داخل اور اسکے تابع ہے اور ان میں سے کسی ایک چیز کے خلاف بھی زیادتی فی الواقع انسانی جان کے خلاف زیادتی قرار پاتی ہے۔ کیونکہ یہ چاروں مصالح دراصل نفس کے اجزاء اور منافع کی حیثیت رکھتے ہیں کہ ایک طرف ان کا وجود کلیۃً نفس انسانی کے تابع ہے اور دوسری جانب نفس کی بقاء اور افادیت کا اظہار انہی مصالح کے ذریعہ ہوتا ہے۔ چنانچہ امام شاطبی اس ضمن رقمطراز ہیں۔

ان مصالح الدین والدنیا مبنیۃ علی المحافظۃ علی الامور الخمسۃ المذکورۃ، فاذا اعتبر قیام ھذا الوجود الدنیوی مبنیا علیھا حتی اذا انخرمت لم یبق للدنیا وجود... فلو عدم الدین عدم ترتب الجزاء المرتجی ولو عدم المکلف لعدم من یتدین، ولو عدم العقل لارتفع التدین ولو عدم النسل لم یکن فی العادۃ بقاء ولو عدم المال لم یبق عیش.... وھذا کلہ معلوم لا یرتاب فیہ من عرف ترتیب احوال الدنیا وانھا زاد للاخرۃ [1]

یعنی دنیا اور آخرت کے تمام مصالح کا انحصار امور خمسہ کی حفاظت پر ہے اگر انمیں اختلال آجائے تو دنیا کا نظام ہی باقی نہ رہے۔ چنانچہ اگر دین نہ ہو تو اخروی جزاء کا تصور ہی ختم ہو جائے اور اگر انسان معدوم ہو جائے تو دین کی تکلیف ہی اٹھ جائے اسی طرح نسل انسانی کی حفاظت پر خود نوع انسان کی بقاء کا انحصار ہے۔ یونہی اگر مال نہ ہو تو انسان کی زندگی ہی باقی نہ رہے۔ یہ سب حقیقت ثابتہ ہے جس کے بارے میں دنیا کے نظام اور آخرت کے مقابلے میں اس کی حیثیت کو جاننے والا کوئی شخص شبہ نہیں کر سکتا۔

---

[1] الشاطبی: الموافقات، ج ۲، ص ۱۷

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

علامہ شاطبی کے اس قول سے عیاں ہے کہ مصالح خمسہ یعنی دین، نسل، عقل مال اور نفس باہم لازم و ملزوم ہیں بایں طور کہ مصالح اربعہ کی حفاظت بدرجۂ آخر نفس انسانی کی حفاظت پر منتج ہوتی ہے اور ان کا ضیاع نفس انسانی کے خاتمے کو مستلزم ہے۔ اس تلازم وارتباط اور نفس انسانی کے باقی مصالح پر محیط و شامل ہونے کی مزید وضاحت علامہ شاطبی کے اس بیان سے ہوتی ہے کہ۔

اما العقل ... فهو داخل فی حرمة حفظ النفس کسائر الاعضاء من السمع والبصر وغیرهما وکذلك منافعها .... واما العرض فداخل تحت النهی عن اذایات النفوس [1]

یعنی عقل کی حفاظت، نفس انسانی کی حفاظت میں داخل ہے جس طرح کہ انسانی جسم کے باقی اعضاء و جوارح مثلاً سمع و بصر وغیرہ اور اس کے منافع کی حفاظت نفس انسانی کی حفاظت میں شامل ہے۔ اسی طرح نسل و آبرو کے خلاف زیادتی کی حرمت بھی نفس انسانی کے خلاف زیادتی کی ممانعت میں داخل ہیں علامہ شاطبی کے اس قول پر استاذ عبداللہ دراز تعلیقاً رقمطراز ہیں۔

ان حفظ العقل ومنفعته داخل ضمنا فی حفظ النفس کسائر الاعضاء ومنافعها، فما یزیل العقل راسا یعد مزیلا لجزء من الانسان وما یزیل منفعة دواما او زمنا ما یعد مزیلا لمنفعته فحرمة حفظ النفس کلی یندرج فیه اجمالا حفظ العقل نفسه [2] (وکذا حفظ العرض وغیرها)

یعنی عقل اور اس کی منفعت کی حفاظت دیگر تمام اعضاء و منافع کی طرح نفس انسانی کی حفاظت میں داخل ہے پس جو چیز عقل کو کلیۃً زائل کر دے وہ نفس انسانی کے ایک جزء کو ضائع کرنے کا سبب بنے گی۔ اور جو چیز اسکی منفعت دائمی یا عارضی طور پر تلف کر دے وہ نفس انسانی کی منفعت تلف کرنے کا ذریعہ بنے گی کیونکہ حفظ نفس ایک کلی مصلحت ہے جس میں عقل (اور بتصریح شاطبی دیگر مصالح) کی حفاظت شامل ہے۔

---

[1] الشاطبی: الموافقات، ج ۳، ص ۴۷، ۴۸ [2] دراز حاشیہ موافقات، ج ۳ ص ۴۷

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

علامہ شاطبی کے اس بیان کی توجیہ یہ ہے کہ اسلام نے زندگی کا ایک جامع اور کلی تصور پیش کیا ہے جس کی نمایاں ترین خصوصیت وحدت وارتباط اور تناسق وانسجام ہے کہ اس کی رو سے زندگی کے تمام عناصر اور اجزاء باہم مربوط ومنسلک ہو کر ایک ناقابل تقسیم وحدت کی تشکیل کرتے اور پھر اسی مربوط کل کے حوالے سے اپنا جداگانہ تعین اور تشخص ابھارتے ہیں اس وحدت حیات کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ زندگی کی تعمیر وتنظیم اور بقاء وحفاظت کے تمام ذرائع اور مصالح بھی باہم مربوط ومتناسق بلکہ متحد ویک جان ہو کر ایک ہی مرکزی نقطے سے وابستہ ٹھہریں۔ چنانچہ جیسا کہ شروع میں بیان ہوا، عمرانی اعتبار سے شریعت اسلامیہ کا بنیادی مقصد عمارت ارض، حفظ نظام معاشرت اور استمرار صالحیت زیست ہے اور اس مقصد کی تکمیل نوع انسانی کے وجود وبقاء سے وابستہ ہے لہٰذا اسلام نے نفس انسانی کو تمام موجودات عالم سے زیادہ شرف وحرمت بخشتے ہوئے اس کی حفاظت کو جملہ مقاصد وتکلیفات شرعیہ میں محوری حیثیت دی ہے اور باقی تمام مصالح کو اس میں شامل ٹھہرایا ہے اور یوں کلیات خمسہ اساسیہ، جن کی حفاظت میں دین ودنیا کے تمام بنیادی اور اضافی مصالح سمٹ آتے ہیں، کو ایک وحدت ومربوط کل قرار دے کر نفس انسانی کی حرمت وحفاظت کو ان کا مرکزی اور محوری نقطہ بنا دیا ہے۔

ان تصریحات کی روشنی میں یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو گئی کہ نفس انسانی کی حفاظت ایک بنیادی کلی اور عمومی مصلحت ہے جس میں باقی تمام مصالح (دین، نسل، عقل، اور مال) کی حفاظت شامل ہے اور یہ تمام مصالح نفس انسانی کے اجزاء اور منافع کی حیثیت رکھتے ہیں لہٰذا ان میں سے کسی ایک مصلحت کے خلاف بھی زیادتی بدرجہ آخر نفس کے خلاف زیادتی متصور ہوگی۔ بنا بریں نفس انسانی کے خلاف زیادتی بنیادی طور پر دو مراتب رکھتی ہے۔ ایک براہ راست جو قتل سے عبارت ہے اور دوسری بالواسطہ جو مصالح اربعہ کے خلاف تعدی اور اتلاف اعضاء ومنافع کی متنوع صورتوں پر مشتمل ہے۔ ذیل میں ان دونوں مراتب کا بالاختصار جائزہ لیا جاتا ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

۱۔ نفس انسانی پر بالواسطہ تعدی:۔ اوپر کی بحث سے یہ ظاہر ہے کہ نفس انسانی کی حفاظت وہ بنیادی اور کلی مصلحت ہے جس میں دیگر تمام اساسی اور اضافی مصالح بایں طور داخل ہیں کہ نفس انسانی کے خلاف ہر زیادتی ان تمام مصالح کے خلاف زیادتی متصور ہوتی ہے کہ انسانی جان کے اتلاف سے ان تمام اجزاء و اوصاف نفس کا کلی یا جزوی اتلاف لازم آتا ہے اسی طرح ان مصالح اساسیہ میں سے ہر مصلحت کے خلاف زیادتی درحقیقت نفس انسانی کے خلاف زیادتی کی حیثیت رکھتی ہے کہ کسی چیز کے اجزاء و اوصاف کا اختلال خود اس شئے موصوف کی اختلال پذیری پر منتج ہوتا ہے۔ بنا بریں نفس انسانی کے خلاف بالواسطہ زیادتی حسب ذیل بنیادی صورتیں رکھتی ہیں۔

۱۔ مصالح اربعہ پر زیادتی دین، عقل، نسل اور مال نفس انسانی کے اجزاء اور اوصاف کی حیثیت رکھتے ہیں لہٰذا ان میں سے کسی بھی مصلحت پر تعدی بدرجۂ آخر نفس انسانی کے خلاف زیادتی متصور ہوگی۔ چنانچہ دین کے خلاف جرائم، جنہیں وضعی قانون جرائم تصور ہی نہیں کرتا، خواہ بدعت و زندقہ کے فروغ کی صورت میں ہوں یا الحاد و ارتداد کی صورت میں اسلام انہیں عمرانی اعتبار سے حیات انسانی کے لیے فتنہ قرار دیتا ہے اور ان کے استیصال کے لیے انفرادی اور اجتماعی نوعیت کے احکام دیتا ہے: اسی طرح عقل، نسل اور مال کے خلاف زیادتی کی ہر صورت کو وقار انسانی کی توہین اور نفس انسانی پر تعدی قرار دیتے ہوئے اس کے لیے سخت قسم کی مادی اور معنوی سزائیں تجویز کرتا ہے۔ یہ امر قابل غور ہے کہ اگر مصالح اربعہ پر تعدی کو خود نفس انسانی کے خلاف زیادتی تصور نہ کیا جائے تو محض عمرانی اعتبار سے ان مصالح کا ضیاع بالذات کوئی ایسا زیاں معلوم نہیں ہوتا جس پر اس دنیا میں ۸۰ کروڑوں سے لے کر قطع ید اور

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

قتل تک کی انتہائی سزائیں دینا ناگزیر قانونی تقاضا ٹھہرے اور غالباً یہی وجہ ہے کہ مغرب اور مغرب زدہ طبقہ ان مصالح کے اتلاف سے متعلق اسلامی سزاؤں کو مجرد عمرانی اعتبار سے دیکھتے ہوئے نامناسب قرار دیتا ہے لیکن اگر اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے کہ دین، نسل، عقل اور مال انسانی زندگی کے بنیادی اجزاء و عناصر ہیں اور ان کے خلاف زیادتی خود نفس انسانی کے خلاف زیادتی کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ دین، نسل، عقل اور مال کے بغیر انسانی جان اور زندگی کوئی معنی و مصرف نہیں رکھتی تو پھر ان مصالح اربعہ کے خلاف زیادتی سے متعلق اسلامی سزائیں، عین انسانی فطری اور تہذیبی تقاضا محسوس ہوتی ہیں۔ اب ان میں سے جو چیز نفس انسانی سے جتنا گہرا تعلق اور زندگی کے لیے جس قدر زیادہ اہمیت رکھتی ہے اس کے خلاف زیادتی اتنا ہی بڑا جرم اور اس کی سزا بھی اتنی ہی سنگین ہے۔ تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔

ب۔ اتلاف اعضائے جسم

انسانی جسم کے اعضاء چونکہ نفس کے لیے آلات تصرف کی حیثیت رکھتے ہیں اور اس اعتبار سے ہر عضو بدن اپنی منفعت اور جمال میں بظاہر مستقل ہوتے ہوئے بھی ایک وجود کلی کا جزو قرار پاتا ہے، لہٰذا اعضائے جسم کے خلاف ہر زیادتی بالواسطہ طور پر خود نفس انسانی کے خلاف زیادتی شمار ہوتی ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اتلاف نفس کی طرح اضاعت اعضائے انسانی کی اولین اور بنیادی سزا بھی قصاص یعنی برابر کا بدلہ ہے اور جہاں اس سزا کا نفاذ ممکن نہ ہو وہاں مالی تاوان اور بعض صورتوں میں تعزیر کی بدلی سزا لاگو ہوتی ہے جس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اتلاف اعضاء میں قصاص کی سزا دراصل قصاص نفس ہی کا تعدیہ اور توسیع (EXTENTION) ہے کہ جن صورتوں میں اس کا نفاذ ممکن ہو وہاں تو یہ عائد ہوگا ورنہ دوسری سزاؤں کا نفاذ عمل میں آئے گا جو خود بھی درحقیقت قصاص نفس کی متبادل سزاؤں (دیت و تعزیر) کو

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

آئینہ ہیں۔ الغرض یہ حقیقت واضح ہے کہ اعضائے بدن پر تعدی خود نفس انسانی کے خلاف زیادتی کی حیثیت رکھتی ہے۔

ج۔ اتلاف صلاحیت اعضاء

نفس انسانی کے خلاف بالواسطہ زیادتی کی ایک اور بڑی صورت یہ ہے کہ اعضائے جسم کی ظاہری ہیئت برقرار رہے مگر ان کے منافع مقصودہ تلف ہو جائیں جیسے کان کی سماعت، آنکھ کی بصارت، زبان کی قوت گویائی، ہاتھ کی گرفت اور پاؤں کی قوت رفتار وغیرہ۔ شریعت اسلامیہ نے اعضاء کی جنس منفعت زائل کر دینے پر مکمل مالی تاوان عائد کیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ جنس منفعت کا اتلاف ایک اعتبار سے خود نفس ہی کو تلف کر دینا ہے۔

یہ تو تھیں نفس انسانی کے خلاف بالواسطہ زیادتی کی صورتیں، اب نفس انسانی پر براہ راست تعدی یعنی قتل کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

۲۔ قتل سب سے بڑا انسانی جرم

نفس انسانی پر براہ راست زیادتی کی سب سے بھیانک صورت قتل و خونریزی ہے۔ یہ ایک ایسا سنگین جرم ہے جسے کسی بھی انبیائی اور غیر انبیائی معاشرے نے کبھی گوارا نہیں کیا بلکہ ہمیشہ اس کے سدباب کے لیے مختلف قانونی، انتظامی اور اخلاقی اقدامات کیے جاتے رہے۔

چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رقمطراز ہیں۔

ان من اعظم المقاصد التی قصدت ببعثۃ الانبیاء علیہم السلام دفع المظالم من بین الناس..... والمظالم علی ثلاثۃ اقسام، تعد علی النفس تعد علی اعضاء النفس تعد علی اموال النفس.... فاعظم المظالم القتل وھو اکبر الکبائر اجمع علیہ اھل الملل قاطبتھم وذلک لانہ طاعۃ النفس فی داعیۃ الغضب، وھو

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اعظم وجوہ الفساد فیما بین الناس، وھو تغییر خلق اللہ و ھدم بنیان اللہ ومناقضۃ ما اراد الحق فی عبادہ من انتشار نوع الانسان۔ [1]

یعنی بعثت انبیاء کے مقاصد میں سے ایک عظیم ترین مقصد انسان کے مابین ہونے والے مظالم کا تدارک ہے مظالم کی بڑی بڑی تین قسمیں ہیں: قتل کرنا۔ اعضاء نفس پر زیادتی کرنا۔ مال پر دست درازی کرنا۔

مظالم میں سب سے بڑا جرم کسی بے گناہ کو قتل کرنا ہے سب ادیان و ملل کا اس پر اتفاق ہے کہ قتل عمد اکبر الکبائر ہے کیونکہ یہ انسان کے داعیۂ غضب کی انتہائی اطاعت اور لوگوں کے درمیان فساد و انتشار کا سرچشمہ ہے یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو بگاڑنے اس کی بنائی ہوئی عمارت کو ڈھانے اور نوع انسانی کی بقاء و فروغ سے متعلق مشیت الٰہیہ کے ساتھ تصادم و تناقض سے عبارت ہے۔

علامہ رشید رضا تفسیر "المنار" میں اس حقیقت کو یوں بیان کرتے ہیں۔

سفك الدم بغیر حق یسخط اللہ سبحانہ وتعالیٰ ویکون سبب عقابہ لانہ رب العالمین الذی یغذیھم بنعمہ و یربیھم بفضلہ واحسانہ، فالاعتداء علی ارواحھم اعظم مفسد لھذہ التربیۃ و معارض لھا فی بلوغ غایۃ استعدادھا۔ [2]

یعنی ناحق کسی کا خون بہانا اللہ تعالیٰ کے شدید غضب و عقاب کا مستوجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام جہانوں کا پروردگار ہے وہی سب کو اپنی نعمتوں سے رزق

---

[1] شاہ ولی اللہ: حجۃ اللہ البالغۃ، ج ۲، ص ۱۵۱

[2] رشید رضا، تفسیر المنار، ج ۶، ص ۳۴۲

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

دیتا اور اپنے احسان سے پرورش فرماتا ہے۔ لہٰذا انسانی جان پر زیادتی خدا کے اس نظام تربیت کے خلاف سب سے بڑا فساد اور مقاصد خداوندی کے خلاف سب سے بڑی بغاوت ہے۔

جرم قتل کا ارتکاب تو ایک طرف، علامہ ابوبکر الجصاص کی تصریح کے مطابق کسی کو ناحق قتل کرنے کا صرف "قصد و ارادہ" بھی فساد کی جڑ اور سب سے بڑا جرم ہے اور اسی لیے جمہور فقہاء کے نزدیک ارشاد خداوندی:

من اجل ذلك كتبنا على بني اسرائيل انه من قتل نفسا بغير نفس او فساد في الارض فكانما قتل الناس جميعا۔

کی رو سے ایسے شخص کو قتل کر دینا مباح ہے جو کسی کو ہلاک کرنے کا ارادہ رکھتا ہو اور ہنوز اس جرم کا ارتکاب نہ کر سکا ہو وہ لکھتے ہیں۔

من اعظم الفساد قصد قتل النفس المحرمة فثبت بذلك ان القاصد لقتل غيره ظلما مستحق للقتل مبيح لدمه۔ [1]

یعنی سب سے بڑا فساد یہ ہے کہ کسی محترم انسانی جان کو ناحق قتل کرنے کا ارادہ کیا جائے۔ اور یہیں سے ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص کسی دوسرے کو ظلماً ہلاک کرنا چاہے شرعاً وہ سزائے قتل کا مستحق ہے اور اس کا خون حلال ہے۔

الغرض تمام ادیان و ملل کا اس امر پر اتفاق ہے کہ کسی معصوم انسانی جان کو تلف کرنا یا اس کے اتلاف کا ارادہ کرنا سب سے بڑا انسانی جرم اور فتنہ و فساد کی جڑ ہے لہٰذا اس کا استیصال ناگزیر ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ شریعت اسلامیہ میں قتل عمد کو ایک طرف بعض اعتبارات سے شرک و کفر کے متوازی اور مساوی گناہ ٹھہرایا گیا ہے

---

[1] الجصاص: احکام القرآن ج ۲، ص ۴۰۳

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اور دوسری جانب ایک انسانی جان کا ضیاع تمام نوع انسانی کی ہلاکت کے مترادف بلکہ ساری دنیا کی تباہی سے فزوں تر گردانا گیا ہے۔

چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔

ومن قتل مؤمنا متعمدا فجزاءہ جہنم خالدا فیہا وغضب اللہ علیہ ولعنہ واعد لہ عذابا عظیما۔

اور فرمایا۔

من اجل ذلک کتبنا علی بنی اسرائیل انہ من قتل نفسا بغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا ومن احیاھا فکانما احیا الناس جمیعا۔

اس آیت کی تفسیر میں امام رازی رقمطراز ہیں۔

المقصود من تشبیہ قتل النفس الواحدۃ بقتل النفوس المبالغۃ فی تعظیم امر القتل العمد العدوان وتفخیم شانہ' یعنی کما ان قتل کل الخلق امر مستعظم عند کل احد فکذلک یجب ان یکون قتل الانسان الواحد مستعظما مھیبا۔ [1]

یعنی ایک انسانی جان کے قتل کو تمام انسانوں کے قتل سے تشبیہ دینے کا مقصود یہ ہے کہ جرم قتل کی سنگینی اور شدت کو واضح کیا جائے بایں طور کہ پوری انسانی مخلوق کو قتل کر دینا جتنا بڑا اور ہولناک جرم متصور ہوتا ہے ایک انسان کو ناحق مار ڈالنا بھی اسی قدر سنگین اور بڑا جرم سمجھا جانا چاہیئے۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام کے نزدیک عمرانی اعتبار سے قتل ہی سب سے بڑا انسانی جرم ہے کیونکہ یہ خدا کے منشائے تخلیق انبیاء کے مقاصد بعثت، اور دین کی غایت اولیں یعنی عمارت ارض اور بقائے نوع انسانی کے خلاف بغاوت اور سرچشمہ فساد کی حیثیت رکھتا ہے

[1] الرازی: تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۳۱۳ اس ضمن میں تفصیلی مباحث زیر ترجمہ کتاب کی فصل اول میں آگئے ہیں۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

حفاظت نفس کا شرعی نظام خالق کائنات نے عمارت ارض اور بقائے نوع انسانی کے عمومی مقاصد کا ایک لازمی تقاضا ہونے کے ناطے نفس انسانی کی حفاظت وتقویت کے لیے متنوع تکوینی انتظامات کے علاوہ ایک جامع اور مکمل تشریعی نظام بھی عطا فرمایا ہے جو بنیادی طور پر سہ ابعادی (THREDIMENTIONAL) ہے۔

۱۔ ضروریات نفس کی تکمیل سے متعلق مثبت تکلیفی احکام۔
۲۔ محرکات جرم کی بیخ کنی سے متعلق اخلاقی ہدایات۔
۳۔ نفس کے خلاف جرائم کی مادی اور معنوی سزائیں۔

ذیل میں ان تینوں امور کا بالاختصار جائزہ لیا جاتا ہے۔

۱۔ ضروریات نفس کی تکمیل سے متعلق مثبت احکام

جیسا کہ شروع میں اشارہ کیا گیا، کلیات خمسہ (دین، نفس، نسل، عقل اور مال) کی حفاظت وتقویت اپنے تینوں مراتب (ضروری حاجی اور تحسینی) میں بنیادی طور پر دو رخ رکھتی ہے۔ ایجابی اور سلبی۔ ایجابی رخ ان مصالح کی جہت وجود سے حفاظت وتقویت پر مشتمل ہے جب کہ سلبی پہلو ان کی جانب عدم سے حفاظت وصیانت سے عبارت ہے۔

چنانچہ امام شاطبی فرماتے ہیں۔

والحفظ لها يكون بامرين: احدهما ما يقيم اركانها ويثبت قواعدها وذلك عبارة عن مراعاتها من جانب الوجود، والثاني ما يدرأ عنها الاختلال الواقع او المتوقع فيها، وذلك عبارة عن مراعاتها من جانب العدم[1]

---

[1] الشاطبی: الموافقات، ج ۲ ص ۸

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

یعنی مصالح ضروریہ خمسہ کی حفاظت دو چیزوں سے ہوگی۔ ایک تو ان امور کی انجام دہی جن سے یہ مصالح قائم و ثابت ہوں اور یہ ان کی جانب وجود سے حفاظت ہے اور دوسرے ان امور سے اجتناب جو ان مصالح کی اختلال پذیری کا سبب بنیں اور یہ ان کی جہت عدم سے حفاظت کا پہلو ہے۔

اب اگر اس حقیقت کو پیش نظر رکھیں جو اوپر نفس انسانی کے خلاف زیادتی کے ضمن میں بیان ہوئی کہ کلیات خمسہ میں عمرانی اعتبار سے نفس ہی اصل المصالح ہے اور باقی تمام مصالح (دین، نسل، عقل اور مال) نفس انسانی کے اجزاء اور منافع کی حیثیت رکھتے ہیں لہٰذا ان مصالح کی حفاظت بھی درحقیقت، حفظ نفس میں داخل اور اس کے تابع ہے اور ان میں سے کسی ایک چیز کے خلاف بھی زیادتی فی الواقع نفس انسانی کے خلاف زیادتی ہے تو یہ امر پوری طرح واضح ہو جاتا ہے کہ شریعت اسلامیہ نے کلیات خمسہ کے ضروری، حاجی اور تحسینی تینوں مراتب کی حفاظت و تقویت کے سلسلہ میں عبادات، عادات اور معاملات کے دائروں پر محیط جتنے بھی اساسی اور استثنائی احکام عطا فرمائے ہیں وہ سب کے سب بلا واسطہ طور پر نفس انسانی کی جانب وجود سے حفاظت و تقویت ہی سے متعلق ہیں۔ ان تمام احکام کا اجمالی جائزہ لیتے ہوئے امام شاطبی رقمطراز ہیں۔

فاصول العبادات راجع الی حفظ الدین من جانب الوجود کالایمان والنطق بالشهادتین والصلوٰة والزکاة والصیام والحج وما اشبه ذلك والعادات راجعة الی حفظ النفس والعقل من جانب الوجود ایضا کتناول الماکولات والمشروبات والملبوسات والمسکونات وما اشبه ذلك والمعاملات راجعة الی حفظ النسل والمال من جانب الوجود والی حفظ النفس والعقل ایضا لکن بواسطة العادات .... وهی ما کان راجعا الی مصلحة الانسان مع غیره کانتقال الاملاك بعوض او بغیر عوض بالعقد علی الرقاب

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

او المنافع او لا مضاع ۔ [1]

یعنی عبادات کے اصولی احکام جیسے ایمان، کلمۂ شہادت ارکان اربعہ وغیرہ حفاظت دین کی خاطر ہیں اور عادات۔ جیسے طعام و شراب اور لباس و مسکن سے متعلق امور، مصلحت نفس و عقل کی حفاظت کو متضمن ہیں اسی طرح معاملات جو انسانوں کے باہمی مصالح پر مشتمل ہیں حفظ نسل و مال اور بالواسطہ طور پر نفس و عقل کی حفاظت سے بھی متعلق ہیں۔

مصالح ضروریہ کی طرح مصالح حاجیہ اور تحسینیہ بھی حفاظت نفس کے سلسلہ میں عبادات عادات اور معاملات سے متعلق احکام پر مشتمل ہیں۔

یوں نفس کے ضروری، حاجی اور تحسینی مصالح کی تکمیل سے متعلق شریعت اسلامیہ کے تمام تعبدی، اخلاقی اور تعاملی احکام درحقیقت حفاظت نفس کی مثبت شرعی تدابیر کی حیثیت رکھتے ہیں کہ ان احکام کے نفاذ و تطبیق سے نفس انسانی کا وجود اور بقاء متحقق ہوتی ہے اور ان کے بغیر نظام زندگی کا قیام اور نفس انسانی کے لیے دنیاوی اور اخروی سعادت کا حصول ناممکن ہے۔

۲۔ محرکات جرم کی بیخ کنی سے متعلق اخلاقی ہدایات

قطع نظر اس سے کہ مغرب کے قدیم و جدید مفکرین محرکات جرم کے تعین میں اختلاف رائے کا شکار ہیں [2] یہ امر اپنی جگہ مسلم

---

[1] الشاطبی: الموافقات، ج ۲، ص ۹، ۱۰

[2] محرکات جرم کے بارے میں تین بنیادی نظریات پائے جاتے ہیں: قدیم نظریہ جس کے علمبردار لافاٹر (LAVATER) گال (GALL) اور متعدد فرانسیسی اطباء جیسے (MOREL, DESPINE, NARCUDETORRS) وغیرہ رہے، یہ تھا کہ جرم دراصل مجرم کے دماغ کی ترکیب میں خلل کے باعث ظہور میں آتا ہے۔ دوسرا نظریہ جو (ENNCOFERN) نے

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ کوئی بھی جرم خواہ چھوٹے سے چھوٹا ہو یا بڑے سے بڑا، بغیر اسباب و ذرائع اور عوامل و محرکات کے وجود میں نہیں آتا۔

اسلام دین فطرت ہونے کے ناطے حفاظت نفس کی خاطر مثبت تکلیفی احکام کے پہلو بہ پہلو سلبی اعتبار سے جو اولین اور بنیادی اہتمام کرتا ہے وہ محرکات جرم کے قلع قمع سے متعلق ہے اور فرد کے حقیقی شعور کی اصلاح اور ماحول کی تعمیر و تطہیر کے سلسلہ میں حسب ذیل اساسی تدابیر پر مشتمل ہے۔

۱۔ شعور دینی کی ترسیخ:۔ نفس انسانی کے خلاف بالواسطہ اور بلاواسطہ تمام جرائم کا ارتکاب بنیادی طور پر دینی احساس اور ایمانی تقاضوں کے شعور سے بے بہرہ افراد ہی کر سکتے ہیں کیونکہ اگر مذہبی عقائد ایک بار کسی انسان کے دل میں راسخ ہو جائیں تو یہ ممکن ہی نہیں رہتا کہ وہ شعوری طور پر دیدہ و دانستہ ان عقائد کے دینی تقاضوں کی خلاف ورزی کا مرتکب ہو سکے۔ بنا بریں اسلام جو پاکیزہ اور عادلانہ معاشرہ تعمیر کرنا چاہتا ہے اس میں افراد کو مجرمانہ ذہنیت سے پاک کرنے کیلئے سب سے زیادہ زور "صحت عقیدہ" پر دیتا ہے اور اس سلسلے میں کائنات کے خالق و مالک اور معبود برحق کا ایک ایسا جامع و انقلاب انگیز تصور دیتا ہے جس کے نتیجے میں نیکیاں از خود پیدا ہوتی

(بقیہ گذشتہ حاشیہ) پیش کیا اور جسے متعدد ماہرین نے اجاگر کیا یہ ہے کہ جرم دراصل انسان کے شخصی، طبیعی اور اجتماعی عوامل کے امتزاج سے وجود میں آتا ہے۔ اور تفسیر انظریہ جو اب مغرب میں مقبول ہے، جرم کے اسباب و محرکات زیادہ تر معاشرتی کے اقتصادی، اجتماعی اور ثقافتی عوامل میں تلاش کرتا ہے اور مجرم کے شخصی، فطری رجحان سے صرف نظر کر لیتا ہے اگرچہ بعض مسلم محققین ان نظریات کے حق میں قرآن و سنت سے دلائل مہیا کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ تینوں نظریات اپنی جگہ انتہا پسندانہ، ناقص اور محض ظن و تخمین پر استوار ہیں لہٰذا ان میں سے کسی پر بھی کلیۃً اعتماد و انحصار نہیں کیا جا سکتا۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اور برائیاں دور بھاگتی چلی جاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو سمیع وبصیر، شہید وخبیر اور مالک یوم الدین مانتے ہوئے اور اس امر پر یقین رکھتے ہوئے کہ:

فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ۔

یعنی انسان اپنے ہر عمل نیک و بد کی جزا یا سزا پائے گا، کسی مؤمن کیلئے ہلکے سے ہلکے جرم کا ارتکاب بھی ممکن نہیں رہتا چہ جائیکہ وہ کسی انسانی جان کے ناحق اتلاف کی جرأت کر سکے۔

عقیدۂ توحید و مکافات آخرت کے ساتھ ساتھ اسلام اپنے پیروکاروں کی تعمیر سیرت اور تہذیب اخلاق کے لیے ایک زبردست اور مستقل باطنی احتسابی قوت ابھارتا ہے جو ضمیر، وجدان اور نفس لوامہ کی صورت میں ایک حاسۂ اخلاقی کے طور پر انسان کے نفسی داعیات، خواہشات اور ارادوں کی نگرانی کرتی اور برائیوں کے ارتکاب سے باز رکھنے میں بھرپور کردار ادا کرتی ہے۔

ب۔ جذبۂ ایثار کی پرورش

نفس انسانی کے خلاف زیادتی کا ایک بنیادی سبب احترام آدمیت کا فقدان ہے۔ اور احترام آدمی ایک ایسا فریضہ ہے جسے افراد اپنے اوپر لازم نہ کریں تو وہ انسانی معاشرہ کے بجائے بہائم کا مجموعہ بن کر رہ جاتے ہیں کہ جب حیات عمرانی میں عمل کا محرک فرائض کی بجا آوری پر اصرار کی بجائے مطالبۂ حقوق پر اصرار بن جائے تو تمدنی نظام درہم برہم ہو جاتا ہے اور جرائم پروری کا ماحول پیدا ہو جاتا ہے۔ قتل وغارت استحصال، فحاشی، چوری، اور ڈکیتی کی بڑھتی ہوئی واردات یہ سب خرابیاں دراصل احترام آدمیت ملحوظ نہ رکھنے کا نتیجہ ہیں۔ شریعت اسلامیہ نے تعمیر سیرت اور تہذیب نفس کی خاطر حقوق کی تحصیل و تکمیل اور فرائض و واجبات کی ادائیگی کو ایثار و قربانی کے لیے تیاری کے تربیتی مراحل کے طور پر اپنایا ہے اور اصل غایتی حیثیت جذبۂ ایثار و قربانی کو دی ہے۔ اور اس سلسلہ میں محبت و اخوت کو معاشرہ کی بنیاد قرار دیتے

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ہوئے اس سے جملہ اجتماعی فضائل کے حصول اور نفس کی تمام صفات رذیلہ کے خاتمے کے لیے اکسیر کا کام لیا ہے۔ چنانچہ "انما المومنون اخوۃ" کی مساواتی اساس سے آگے بڑھ کر "یوثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ" (یعنی وہ مؤمنین دوسروں کو اپنی جانوں پر بھی ترجیح دیتے ہیں) کی ایثار شعارانہ بنیادوں پر جو معاشرہ پروان چڑھے اس میں احترام آدمیت اور اور حفاظت نفس کی یقینی ضمانت مہیا کیوں نہ ہوگی۔

ج۔ خواہش پرستی کی بیخ کنی

نفس انسانی کے خلاف جرائم بلکہ ہر برائی اور گناہ کی جڑ انسان کی خواہش نفس" ہے عام طور سے انسان اپنے جرائم اور گناہوں کی ذمہ داری شیطان پر ڈال دیتا ہے لیکن خود شیطان کی تحریک و ترغیب کی طرف متوجہ ہونا اور اس کی پیروی کرنا بھی تو اپنی خواہش نفس ہی پر منحصر ہے۔ دراصل حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی میں ہر مثبت اور منفی قدم دو بنیادی عوامل کے زیر اثر اٹھاتا ہے۔ ایک خارجی اور دوسرا داخلی خارجی عامل تو ابلیسی قوت ہے جس کا کردار اور اثر زیادہ سے زیادہ تحریص و ترغیب اور تزیین و آرائش تک محدود ہے جب کہ ان شیطانی ترغیبات پر عمل پیرائی کا اصل مرحلہ انسان اپنے داخلی عامل یعنی خواہش نفس کے زیر اثر طے کرتا ہے۔ بنا بریں یہ انسان کی نفسانی خواہش ہی ہے جو اسے ارتکاب جرم پر جرأت دلاتی ہے[1] اور اگر انسان چاہے تو اپنے فطری داعیات خیر یا نفس لوامہ کے زیر اثر نفسانی خواہشات کو دبا دے اور ارتکاب جرم سے باز رہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں اتباع ہوئی کو تمام فتنوں اور زیادتیوں کا سرچشمہ ٹھہرایا گیا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

ولا تتبع الھوی فیضلك عن سبیل اللہ اور واتبع ھواہ وکان امرہ فرطا۔

---

[1] الشاطبی: الموافقات، ج ۲، ص ۱۷۰

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

نیز فرمایا۔

ولو اتبع الحق اھواء ھم لفسدت السماوات والارض ومن فیھن۔

ارشاد باری تعالیٰ۔ وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی۔

کے ضمن میں امام شاطبی لکھتے ہیں

فقد حصر الامر فی شیئین الوحی وھو الشریعۃ والھوی، فلا ثالث لھما، واذا کان کذلک فھما متضادان، وحین تعین الحق فی الوحی توجہ للھوی ضدہ، فاتباع الھوی مضار للحق[1]

یعنی اس آیت میں دو چیزوں کو باہم متضاد بیان کیا گیا ہے۔ ایک وحی جو شریعت سے عبارت ہے اور دوسری الھوی یعنی خواہش نفس۔ اس سے ظاہر ہے کہ حق تو وحی میں منحصر ہے اور اس کی ضد خواہش نفس سراسر باطل ہے۔

بناء بریں نفس انسانی کے خلاف بالواسطہ اور بلاواسطہ تمام جرائم کی بنیاد چونکہ خواہش نفس کی پیروی ہے کہ انسان یا تو تکمیل خواہش میں جان دے دیتا ہے یا اپنی خواہش کی راہ میں مزاحمت کرنے والے کو قتل کر دیتا ہے۔ اس لیے شریعت اسلامیہ نے حفاظت نفس کے سلسلہ میں نظری اور عملی طور پر سب سے زیادہ زور "ترک ہوی" پر دیا ہے حتیٰ کہ امام شاطبی کی تصریح کے مطابق شریعت اسلامیہ کا اولیں مقصد امتثال ہی یہ ہے کہ وہ اپنی خواہش نفس کے چنگل سے نکل کر اللہ تعالیٰ کی اختیاری عبدیت کے دائرے میں آجائے وہ فرماتے ہیں۔

المقصد الشرعی من وضع الشریعۃ اخراج المکلف عن داعیۃ ھواہ

---

[1] الشاطبی: الموافقات، ج ۲، ص ۱۷۰

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

حتی یکون عبداللہ اختیاراً کما ھو عبداللہ اضطراراً[1]

یعنی وضع شریعت کا مقصد اساسی یہ ہے کہ انسان کو خواہش نفس کے دائرے سے نکالا جائے کہ وہ اختیاری طور پر اسی طرح اللہ کا بندہ بن جائے جس طرح کہ وہ اضطراری طور پر اس کا بندہ ہے۔

چنانچہ اس مقصد کے حصول کی خاطر شریعت اسلامیہ نے جہاں نظری طور پر کلیۃً اتباع ہوی کی ہر صورت کو مذموم اور باطل ٹھہرایا ہے وہاں عملی اعتبار سے مؤمنین کی اخلاقی تربیت کے اولیں مرحلہ بلکہ نقطۂ آغاز کے طور پر بھی اسی ترک ہوی کو اپنایا ہے اور بلاشبہ یہ نفس انسانی کی حفاظت اور اس کے خلاف زیادتیوں کے سدباب کا مؤثر ترین ذریعہ ہے۔

۳۔ نفس انسانی کے خلاف جرائم کی مادی اور معنوی سزائیں

نفس انسانی کی حفاظت کے سلسلہ میں شریعت اسلامیہ نے آخری درجہ میں جو سلبی انتظام کیا ہے وہ ان متنوع مادی اور معنوی سزاؤں پر[2]

---

[1] الشاطبی، الموافقات، ج ۲، ص ۶۸

[2] اسلام کے نظام جرم و سزا کے بارے میں عام تصور یہی ہے کہ یہ متعین جرائم کے لیے چند طے شدہ مادی سزاؤں (حدود و قصاص) اور نئے ممکن الوقوع جرائم کے لیے قاضی کے تعزیری اختیارات پر مشتمل، محض ایک مادی قانونی نظام ہے جو دیگر نظامہائے تعزیرات کی طرح دنیوی زندگی تک محدود ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام کا نظام عقوبات دو جہتی ہے جس میں ایک طرف ہر متعین و غیر متعین سزا معاشرتی مقاصد کی تکمیل کے ساتھ ساتھ بفرمائے حدیث نبوی: الحدود کفارات لاھلھا مجرم کی اخروی تطہیر کا پہلو بھی رکھتی ہے جو درحقیقت معاشرتی مقاصد سے کہیں زیادہ اہم اور فائق ہے اور دوسری جانب اس میں جرائم کی صرف مادی دنیوی سزاؤں پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ ان کے لیے معنوی سزائیں بھی تجویز کی گئی ہیں جن میں سے بعض تو سراسر اخروی زندگی سے تعلق رکھتی ہیں جبکہ بعض سزاؤں کی تاثیر حیات دنیوی میں ہی ظاہر ہوتی ہے اور میرے نزدیک زندگی کے اخلاقی اور دینی نقطۂ نظر سے یہ معنوی سزائیں مادی سزاؤں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ شدید ہیں۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

مشتمل ہے جو نفس انسانی کے خلاف بلاواسطہ یا بالواسطہ زیادتیوں کے لیے مقرر کی گئی ہیں۔

بالواسطہ جرائم کے لیے تو حدود و تعزیرات کی متعین سزائیں ہیں جب کہ براہ راست زیادتیوں کے لیے قصاص و دیت اور تعزیرات کی مادی سزائیں مقرر کی گئی ہیں اور ان کے پہلو بہ پہلو شدید گناہ اور عذاب جہنم کی خالص اخروی اور خدا تعالیٰ کے غضب و لعنت کی معنوی سزائیں رکھی گئی ہیں جن کا اثر زندگی کے دنیوی اور اخروی دونوں دائروں کو محیط ہے۔

چنانچہ قتل عمد کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے۔

ومن یقتل مومنا متعمدا فجزاءہ جہنم خالدا فیہا وغضب اللہ علیہ ولعنہ واعد لہ عذابا عظیما۔

یعنی جو شخص کسی مؤمن کو عمداً قتل کر دے تو اس کی سزا جہنم کا عذاب ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب اور لعنت ہے اور اس کے لیے بڑا دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اس آیت میں قاتل عمد کے لیے اللہ تعالیٰ کے غضب اور لعنت کی جو سزا بیان

(بقیہ حاشیہ) مؤثر اور اہم ہیں۔ مثلاً کسی معصوم انسان پر بے جا تہمت (قذف) اخلاقی اعتبار سے جتنا سنگین جرم ہے اس کے پیش نظر اسلام نے مادی سزا اسی کوڑوں کے ساتھ ساتھ ایک معنوی سزا بھی تجویز کی ہے جو قرآن کریم نے "ولا تقبلوا لہم شہادۃ ابدا۔" (یعنی پھر ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرنا) کے الفاظ میں بیان کی ہے۔ بظاہر تو یہ شاید اتنی شدید سزا معلوم نہ ہو مگر حقیقت یہ ہے کہ دنیاوی زندگی کا سارا کاروبار صرف باہمی وثوق و اعتماد" ہی کی بنا پر استوار ہے سب رشتے ناطے، معاملات زیست اور جملہ روابط و علائق کی اساس اعتماد باہمی ہی تو ہے۔ اب اگر کوئی شخص ہمیشہ کے لیے ناقابل اعتماد ٹھہرا دیا جائے، تو ایک صالح معاشرہ میں اس کے لیے زندگی گزارنا ہی ناممکن ہو جائے گا لہٰذا میری نظر میں جرم قذف کی یہ معنوی سزا اسکی مادی سزا سے کہیں زیادہ سنگین اور مؤثر ہے۔ اس سلسلہ میں تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں لہٰذا آئندہ کسی فرصت پر اٹھا رکھتے ہیں

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کی گئی ہے حقیقت یہ ہے کہ مخلوق کے لیے اس سے زیادہ ہولناک سزا کا تصور بھی ممکن نہیں اس سزا کی سنگینی کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ ابلیس کو نافرمانی پر جو فوری سزا دی گئی وہ دائمی غضب و لعنت کی یہی معنوی سزا تھی۔ فرمایا:

فاخرج وان علیك لعنتی الی یوم الدین،

اسی طرح قوم یہود کی پیہم سرکشی، مسلسل نافرمانی اور باغیانہ روش پر مختلف مادی سزاؤں کے بعد جو آخری سزا سنائی گئی وہ بھی قرآن کے الفاظ میں یہی تھی کہ:

وضربت علیهم الذلة والمسكنة وباءوا بغضب من الله۔

یعنی ان پر ذلت و مسکنت مسلط کر دی گئی اور وہ غضب الٰہی کے مستحق ٹھہرے۔

اس حقیقت کی مزید تاکید ایک حدیث پاک کے ذریعہ ہوتی ہے جو یہ ہے کہ۔

ان الله عز وجل يقول لاهل الجنة۔ يا اهل الجنة، فيقولون لبيك ربنا وسعديك والخير في يديك۔ فيقول هل رضيتم فيقولون وما لنا لا نرضى۔ يا ربنا۔ وقد اعطيتنا ما لم تعط احدا من خلقك فيقول الا اعطيكم افضل من ذلك۔ فيقولون۔ واى شئ افضل من ذلك۔ فيقول: احل عليكم رضوانى فلا اسخط عليكم بعده ابدا۔

اس حدیث کی رو سے جنت و آخرت کی تمام نعمتوں سے زیادہ بڑی نعمت اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی جس کے مفہوم مخالف سے ظاہر ہے کہ دنیا و آخرت کے تمام انواع عذاب سے بڑھ کر شدید عذاب اللہ کی لعنت، غضب اور ناراضگی ہے جس کا مستحق قاتل ہے۔

یہ تو تھی نفس انسانی کے خلاف براہ راست زیادتی پر غضب و لعنت خداوندی

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کی معنوی سزا، باقی رہیں اس کی مادی سزائیں یعنی قصاص و دیت اور تعزیر وغیرہ تو ان سے متعلق بنیادی فقہی مباحث زیر ترجمہ کتاب "القصاص فی الفقہ الاسلامی" میں بڑی عمدگی اور جامعیت کے ساتھ سمیٹ لیے گئے ہیں [1]

کتاب کے مصنف ڈاکٹر احمد فتحی بہنسی مصر کے ایک صائب الفکر عالم اور محقق ہیں۔ انہوں نے اسلام کے قانون جرم و سزا پر متعدد کتابیں لکھی ہیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔

۱۔ نظریات فی الفقہ الجنائی الاسلامی

۲۔ الجرائم فی الفقہ الاسلامی

۳۔ العقوبۃ فی الفقہ الاسلامی

۴۔ المسئولیۃ الجنائیۃ فی الفقہ الاسلامی

۵۔ نظریۃ الاثبات فی الفقہ الجنائی الاسلامی

۶۔ القصاص فی الفقہ الاسلامی

مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری حضرت مولانا سید **محمد متین ہاشمی** صاحب کی زیر نگرانی سہ ماہی مجلہ منہاج، مختلف عصری موضوعات پر کتابچوں اور مستقل تصانیف اور تراجم کے ذریعہ پاکستان میں نفاذ شریعہ کے عمل میں عملی و فکری سطح پر قابل تعریف خدمات انجام دے رہا ہے۔

چنانچہ اب جبکہ حدود آرڈیننس کے بعد ملک میں قانون قصاص کا نفاذ زیر غور ہے حضرت مولانا نے ڈاکٹر احمد فتحی بہنسی کی کتاب "القصاص فی الفقہ الاسلامی" ترجمہ کیلئے منتخب فرمائی اور یہ ذمہ داری راقم الحروف کو سونپی مجھے اپنی علمی بے بضاعتی اور

---

[1] قصاص کے اصولی، غایتی اور عمرانی پہلوؤں پر تفصیلی گفتگو ایک مستقل کتاب کی متقاضی ہے لہٰذا یہاں ان سے تعرض نہیں کیا جاتا۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ترجمہ کے اسلوب سے ناآگہی کا پورا پورا احساس تھا۔ مگر وطن عزیز میں نفاذ شریعہ کے حوالے سے اس کام کی علمی اہمیت اور حصول سعادت کے پیش نظر آمادہ ہوگیا۔ ترجمہ کے سلسلہ میں یہ میری پہلی کاوش ہے۔ اور میں اس سے کہاں تک عہدہ برآ ہو سکا ہوں یہ فیصلہ ارباب علم وفن پر چھوڑتا ہوں۔ آخر میں رب کریم سے استدعا ہے کہ میری اس کوشش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نوازے اور اسے میرے لئے ذخیرہ حسنات بنائے آمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا و مولانا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

والسلام

عرض پرداز

سید عبدالرحمٰن بخاری

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مقدمہ

اور تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے۔ (القرآن)

امابعد! یہ کتاب "القصاص فی الفقہ الاسلامی" بحمد للہ اسلامی فوجداری قانون کے تقابلی مطالعہ کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس کے ذریعہ مصنف اس عظیم فقہی ورثہ میں ایک مفید خشت کا اضافہ (کرنے کی سعادت حاصل) کر رہا ہے جس کے اوامر و نواہی (پر مشتمل احکام) کو چھوڑ کر ہم ایک ایسا قانون اپنائے ہوئے ہیں جس کے اکثر احکام مختلف (وضعی) نظامہائے قانون سے ماخوذ ہیں (اس کے نتیجے میں) ہم ان معاشرتی امراض و مشاکل کے علاج سے دور ہو گئے ہیں جو ہمارے معاشرے میں جڑ پکڑ چکی ہیں۔ رہزن نڈر اور قاتل بے خوف ہو گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ[1]۔ یعنی اے ارباب دانش! تمہارے لئے قصاص میں زندگانی ہے۔ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "کتاب اللہ القصاص" یعنی اللہ کی کتاب کا حکم قصاص ہے ان نصوص پر غور کرنے سے شریعت اسلامیہ کا وہ بنیادی حکم عیاں ہو جاتا ہے جو قتل و خونریزی کے جرائم کا خاتمہ کر دیتا ہے۔

---

[1] البقرۃ: ۱۷۹

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

جدید ماہرین قانون کے مابین اس امر میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ آیا وضعی قانون کی رو سے قصاص کی سزا دی جا سکتی ہے یا نہیں؟ بعض ماہرین کے بقول قصاص اب تک مصری قانون کا حصہ چلا آتا ہے اور فوجداری عدالتوں کے لئے لازم ہے کہ جب بھی ان سے نفاذ قصاص کا مطالبہ کیا جائے تو وہ ان کے مطابق فیصلہ کریں اور اگر یہ عدالتیں (نفاذ قصاص سے) انکار کریں تو ان کا فیصلہ قانون کے خلاف ہوگا۔ یہ ماہرین اس سلسلہ میں درج ذیل دلائل دیتے ہیں:

۱۔ جدید قانون عقوبات کی دفعہ سات میں ہے: "اس قانون کے احکام کسی حالت میں بھی شریعت اسلامیہ کے مقرر کردہ شخصی حقوق میں خلل انداز نہ ہوں گے۔" اس دفعہ سے واضح ہے کہ قانون ساز نے یہ قرار دیا ہے کہ موجودہ قانون شریعت اسلامیہ کے مقرر کردہ کسی شخصی حق کو ختم نہیں کر سکتا۔[1]

۲۔ ۱۹۸۳ء میں موجودہ قانون کے نفاذ سے پیشتر فوجداری معاملات میں حدود و تعزیرات اور دیات و قصاص کے شرعی احکام کی پیروی کی جاتی تھی۔

۳۔ موجودہ مصری قانون کا ضابطۂ قصاص کے اجراء یا الغاء (تنسیخ) کے بارے میں سکوت اختیار کرنا اور دیات کے بارے میں تصریح کرنا اس بات کا غماز ہے کہ موجودہ قانون اس معاملہ میں پہلے والی شرعی حالت پر قائم ہے۔[2]

دیگر ماہرین قانون کی رائے یہ ہے کہ قصاص کا حق موجودہ قانون میں نظری اور عملی دونوں اعتبار سے زائل ہو چکا ہے، ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

---

[1] دیکھئے ڈاکٹر احمد محمد ابراہیم کا مقالہ بعنوان "القصاص فی الشریعۃ الاسلامیۃ فی قانون العقوبات المصری: ص ۷۸

[2] دیکھئے دیت سے متعلق ڈاکٹر علی ابو حنیف کا مقالہ: ص ۲۲۵ بعد۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

۱۔ جدید قانون سازی کی روح جو افراد کی بجائے ریاست کو قانونی سزاؤں (کے نفاذ) کا حق دینے، جرائم سے متعلق مقدمات کے تصفیئے کے لئے مخصوص فوجداری عدالتیں قائم کرنے اور فوجداری قانون سازی کے لئے بنیادی جوہری اصولوں مثلاً یہ کہ بغیر صریح نص (قانونی دفعہ) کے قانون میں کوئی سزا نہیں دی جا سکتی۔ سے عبارت ہے (یہ روح قانون) اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ موجودہ قانون میں نظری اور عملی دونوں اعتبار سے شخصی انتقام اور قصاص کا حق ساقط ہو گیا ہے۔

۲۔ قانون ساز ادارے نے ۱۸۸۳ء میں ملکی قانون کو اس انداز سے وضع کیا کہ اس کی دفعات میں قصاص کا کوئی تصور باقی نہیں چنانچہ قانون عثمانی ۱۸۵۸ء اور قانون مختلط ۱۸۷۵ء کی یہ دفعہ اختیار نہ کی گئی جس کی رو سے قتل کی صورت میں موت کی سزا اولیاء الدم کے ارادے پر موقوف تھی بلکہ یہ دفعہ عصر حاضر کے تقاضوں (بزعم خویش) کے پیش نظر ترک کر دی گئی۔

ان دلائل کی بناء پر یہ واضح ہے کہ حق قصاص موجودہ قانون کی دفعہ سات کے دائرۂ حکم میں شامل نہیں [1]

یہ امر واضح ہے کہ مصر میں قانون قصاص کے نفاذ کا کوئی اثر ظاہر نہیں (یعنی فی الواقع یہ قانون نافذ ہی نہیں) اس لئے مختلف اسباب کی بناء پر جرائم قتل کی بہتات ہے اور بعض لوگوں نے وضعی قوانین کو ورثائے مقتول کی تشفی کرنے اور قاتل کو کیفر کردار تک پہنچانے میں ناکام سمجھتے ہوئے اپنے مقتولین کا خود انتقام لینے کا طریقہ اختیار کر لیا۔

---

[1] علی بدوی: الاحکام العامۃ فی القانون الجنائی: ۱: ۱۹۵۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

یہی وجہ ہے کہ بہت سے علمائے عمرانیات اور ماہرین قانون اس مشکل کا حل تلاش کرنے کی طرف متوجہ ہوگئے ہیں۔ اور اسی بناء پر متحدہ عرب جمہوریہ (مصر) کے قومی مرکز برائے تحقیقات عمرانی وتعزیراتی نے "انسداد جرائم" کے موضوع پر قاہرہ میں ۲ تا ۵ جنوری ۱۹۶۱ء منعقد ہونے والے سمپوزیم کی پہلی نشست کو "انتقامی جرائم اور ان کا سدباب" پر بحث کے لیے مختص کر دیا۔

اس نشست کی کاروائی میں بیان کیا گیا کہ: "شخصی انتقام ایک ایسا مسئلہ ہے جس کا ہمارے معاشرے، بالخصوص عرب سوسائٹی پر باوجود ان کوششوں کے جو اس کے انسداد کی خاطر کی جا رہی ہیں، بہت گہرا اثر پڑ رہا ہے کیونکہ ہمارے (وضعی) قانونی نظام تمام ممالک عرب میں مختلف حالات کے اندر اپنی افادیت اور فعالیت ثابت نہیں کر سکے جس کی وجہ سے یہ مسئلہ آج تک برقرار ہے۔

'ثار' یعنی شخصی بدلہ سے مراد قتل کے بدلے انتقامی قتل ہے یہ مسئلہ تاریخ کے ان ادوار میں زیادہ ابھرا ہے جب کہ حکومت ضابطۂ قصاص کو پورے طور پر نافذ کرنے سے قاصر رہی۔

شخصی بدلہ بایں معنی کہ یہ گذشتہ جرم قتل کا انتقام ہے تقاضا کرتا ہے کہ جرم قتل کا عمومی طور پر اور شخصی بدلہ کا خصوصی طور پر سدباب کیا جائے۔ اور ان دونوں کے عوامل کا گہرا جائزہ لے کر ان پر غلبہ پانے کے لیے ضروری وسائل دریافت کیے جائیں

مذکورہ بالا اجتماع نے اس مسئلہ کے حل کے لئے تجاویز و سفارشات پیش کیں، ان میں سے چند یہ ہیں۔

۱۔ عدالتی طریق کار قتل کے مقدمات میں جلد فیصلہ کی ضمانت دے اور شخصی بدلہ کی بناء پر قتل کی سزا اس قدر عبرت انگیز ہو جس سے ورثائے مقتول کے انتقامی جذبات ٹھنڈے پڑ جائیں تاکہ وہ خود قصاص لینے کی کوشش

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

سے باز رہیں اور رائے عامہ بھی مطمئن ہو جائے۔

۲۔ جرائم قتل کے فیصلے کے لیے بالخصوص ایسے ماہر، تجربہ کار اور متخصص قاضیوں کا تقرر کیا جائے جو بطور خاص نظام ہائے قانون کے عمرانی پہلوؤں میں گہری بصیرت رکھتے ہوں تاکہ ان مشکلات کے قانونی اور معاشرتی حل پر قادر ہوں۔

۳۔ دینی دعوت کا خصوصی تجربہ رکھنے والے مبلغین کے وفود ان علاقوں میں بھیجنے کا خصوصی اہتمام کیا جائے جہاں جرائم ثار کثرت سے وقوع پذیر ہوتے ہیں[1]

ہم اس سے پہلے اپنی ایک کتاب میں بیان کر آئے ہیں کہ شریعت اسلامیہ نے اس طرف خاص طور سے توجہ مبذول کرائی ہے کہ جرم قتل بہت ہی گھناؤنا جرم ہے جو صرف مقتول اور اس کے خاندان پر ہی اثر انداز نہیں ہوتا بلکہ پورے معاشرے کے امن اور نظام کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ إِسْرَآءِيْلَ أَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَآ أَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا[2] یعنی اس وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل کے لیے یہ حکم لکھ دیا کہ جس نے کسی انسان کو قتل کیا، سوائے اس کے کہ قصاص لینا ہو یا ملک میں فساد پھیلانے والوں کو سزا دینی ہو، تو گویا اس نے تمام انسانوں کو تہ تیغ کر دیا اور جس نے کسی جان کو (قتل یا ہلاکت سے) بچا لیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو زندگی بخشدی۔

---

[1] دیکھیے، رپورٹ سمپوزیم انسداد جرائم: شائع کردہ: قومی مرکز برائے تحقیقات عمرانی و فوجداری۔

[2] المائدۃ: ۳۲

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

بنا بریں یہ کہنا کہ اسلام میں قصاص کا تصور قتل کو ایک خاص جرم (جس کا ارتکاب فرد کے خلاف کیا جائے) قرار دیتا ہے، دو وجوہ کی بنا پر صحیح نہیں [1]

۱۔ قصاص ولی الامر یا اس کا مقرر کردہ شخص نافذ کرتا ہے نہ کہ خود مضرت رسیدہ یا اس کا ولی الدم، کیونکہ اگر ایسا ہو تو فساد و انتشار کی کیفیت پیدا ہو جائے۔ البتہ (یہ ظاہر ہے کہ) ولی الامر قصاص، عفو اور دیت میں سے وہی چیز نافذ کرے گا جو مضرت رسیدہ یا اس کا ولی اختیار کرے۔

قرطبی کی تفسیر الجامع لاحکام القرآن میں ہے: اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ قتل (عمد) کی صورت میں قصاص صرف حکمران ہی نافذ کر سکتے ہیں کہ قصاص اور حدود وغیرہ کا نفاذ انہی کا فرض ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مومنین کو قصاص (لینے) کا حکم دیا ہے مگر نفاذ قصاص کے لیے ان سب کا اکٹھا ہونا ممکن نہیں اس لیے قصاص اور دیگر حدود وغیرہ کے نفاذ میں سلطان ان کا قائم مقام ہوتا ہے [2]

۲۔ اگر ولیٔ مقتول مجرم کو معاف بھی کر دے تو اس سے حکومت کا حق ساقط نہیں ہو جاتا بلکہ مجرم کو ۱۰۰ کوڑوں اور ایک سال قید کی سزائے تعزیری دی جائے گی یہ امام مالکؒ و لیثؒ کی رائے اور اہلِ مدینہ کا تعامل ہے اور یہی حضرت عمرؓ سے مروی ہے [3]

شرح کبیر پر دسوقی کے حاشیہ میں آیا ہے: عمداً ارتکاب قتل کے بالغ مجرم سے اگر معافی کی بنا پر قصاص ساقط ہو جائے تو اس کی سزا ایک سال تک قید ہو گی۔ البتہ

---

[1] دیکھیے ہماری کتاب العقوبۃ فی الفقہ الاسلامی: طبع دوم: ص ۶۵: بحث قصاص و دیت میں ماضی کے اثرات

[2] احکام القرآن للقرطبی: ج ۲: ص ۲۲۷:

[3] المدونۃ: ج ۱۶: ص ۲۰۴: نیز دیکھیے بدایۃ المجتہد: ج ۴: ص ۳۲۸:

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اس بارے میں اختلاف ہے کہ دونوں میں سے پہلے کونسی سزا دی جائے گی؟ ایک قول کے مطابق پہلے کوڑے لگائے جائیں گے اور دوسرا قول یہ ہے کہ پہلے قید کیا جائے گا۔ غلامی کی وجہ سے اس سزا کو نصف نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ مقررہ سزا ہے جس میں غلام اور آزاد دونوں برابر ہیں۔ اور عمداً زخم لگانے والے کو بھی تادیب کی جائے گی خواہ اس سے قصاص یا نقصان کی وصولی کر لی گئی ہو

الغرض قتل عمد کے مسئلہ کا حل (سزائے) قصاص کے نفاذ کے بغیر ممکن نہیں یہ اللہ تعالیٰ کا عائد کردہ فریضہ ہے اسی سے ہمارے (معاشرے کے) بگڑے ہوئے معاملات درست ہو سکتے ہیں۔

اس کتاب میں ہم قصاص کے موضوع پر مختلف فصول میں گفتگو کریں گے (جن کی تفصیل یہ ہے)

فصل اوّل : قصاص اور اس کی حکمت
فصل دوم : وجوب قصاص کی شرائط
فصل سوم : حالات وجوب قصاص
فصل چہارم : استیفاء قصاص
فصل پنجم : اسباب سقوط قصاص
فصل ششم : اثبات جرم

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

فصل اوّل

قِصاص اور اسکی حکمت

قصاص کا معنی قصاص کا لفظ "قص الاثر" سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں روایت یا اثر کی بتدریج پیروی کرنا۔ اسی سے 'القاص' (قصہ گو) نکلا ہے کیونکہ وہ آثار و اخبار کی پیروی کرتا ہے (اس اعتبار سے قصاص کا معنی یہ ہوا کہ) گویا قاتل، قتل کا جو راستہ اختیار کرتا ہے اس کے قدموں کے نشانوں پر اس کا پیچھا کیا جاتا ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ "قص" کا معنی کاٹنا ہے چنانچہ محاورہ ہے: قصصت ما بینھما یعنی ان دونوں کے باہمی تعلقات منقطع ہو گئے۔ قص الشعر کے معنی ہیں بال تراشنا۔ اسی سے لفظ 'قصاص' نکلا ہے کیونکہ قصاص جراحت کے عوض جراحت رسانی یا قتل کے بدلے قتل کا نام ہے، کہا جاتا ہے: اقتص الحاکم لفلان من فلان یعنی حاکم نے فلاں کا قصاص فلاں سے لیا کہ اس نے ہلاک کیا تو اس کے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک کیا۔

اسی طرح جب کوئی شخص کسی کے فعل جیسا فعل کرے تو کہا جاتا ہے: اقتص اثر فلان یعنی اس نے فلاں کی پیروی کی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا"[1] یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام

[1] سورۃ الکہف: ۶۴

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اور ان کے خادم اپنے آثار قدم پر واپس لوٹے۔ نیز فرمایا: "وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ"[1] یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے ان کی بہن سے کہا: اس کے پیچھے چلی جا (حال معلوم کرنے کے لیے)

کتب فقہ میں قصاص

فقہ اسلامی کی کتابوں میں قصاص کا ذکر عموماً جنایات کے تحت کیا جاتا ہے اور جنایت لغت میں بُرا کام کرنے کو کہتے ہیں گویا مصدر کو اسم کے طور پر استعمال کیا گیا ہے (جنایت مصدر ہے اور ہر چند کہ مصدر کی جمع نہیں آتی لیکن یہاں مصدر بمعنی اسم مفعول ہے لہٰذا اس کی جمع جنایات درست ہے) محاورہ ہے: "جنی علیہ شرا" یعنی ایک شخص نے دوسرے کے خلاف برائی کا ارتکاب کیا۔ جنایت اگرچہ اس معنی کے لحاظ سے عام ہے مگر اسے فعل حرام کے ارتکاب سے خاص کر دیا گیا ہے۔ یہ دراصل "جنی الثمر" سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں درخت سے پھل چننا۔

شریعت میں جنایت کا اطلاق ہر اس فعل پر ہوتا ہے جس کا ارتکاب شرعاً حرام ہو، خواہ یہ فعل مال کے خلاف ہو یا جان کے، لیکن اصطلاح فقہاء میں جنایت اس فعل ممنوع کو کہتے ہیں جو کسی کی جان۔ یا اعضائے جسم کے لیے ضرر رساں ہو۔[2]

بعض کتب فقہ میں قصاص کا ذکر "دیات" کے ذیل میں ملتا ہے علامہ سرخسی "المبسوط" میں رقمطراز ہیں: امام محمد نے اس کتاب (مباحث قصاص)

---

[1] القصص: ۱۱

[2] الزیلعی، ج ۶ ص ۹۷

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ودیات) کا عنوان قصاص کی بجائے کتاب الدیات اس لئے رکھا ہے کہ جرم قتل کی اکثر حالتوں میں دیت واجب ہوتی ہے، چنانچہ قتل خطاء، مشابہ عمد اور قتل عمد میں شبہ پیدا ہو جانے کی صورتوں میں دیت لاگو ہوتی ہے جبکہ قصاص صرف قتل عمد میں واجب ہوتا ہے۔ مزید برآں قصاص کے برعکس دیت مختلف انواع میں منقسم بھی ہو جاتی ہے اس لیے امام محمدؒ نے اس کتاب کو قصاص کی بجائے دیات کی طرف منسوب کیا[1]

شریعت میں قصاص کی حکمت

شریعت نے اولیاء مقتول کے دلوں کی تشفی اور عہد جاہلیت کے اس دستور کی بیخ کنی کے لیے قصاص (یعنی سزائے مثلی) کا حکم دیا ہے کہ ایک شخص کے قتل کے عوض وہ لوگ (قاتل کے) سارے قبیلے کو ہلاک کر دیتے تھے۔ یہ نہیں تھا کہ وہ مقتول کے بدلے مال کثیر کے طالب ہوں بلکہ قاتل اور اس کے متعلقین اگر اپنا کل مملوکہ اثاثہ اور اتنا ہی مزید دے دیتے تب بھی مقتول کے ورثاء راضی نہ ہوتے تھے۔ بنابریں قتل عمد کے عوض اگر محض مال (خون بہا) کی ادائیگی واجب ہوتی تو قصاص (جرم و سزا کے مابین مماثلت و مساوات) کا مقصد فوت ہو جاتا اس لیے شارع حکیم نے (بالارادہ قتل اور جراحت کے لیے) قصاص کی سزا مقرر فرمائی۔

قانون قصاص میں افراد اور معاشرہ کی زندگی (کا تحفظ اور بقاء) ہے۔ کیونکہ (اگر قاتل کو اس کے جرم کے بدلے قتل کر دیا گیا تو) مجرمانہ ذہنیت کے دوسرے لوگ اپنا بھیانک انجام دیکھ کر قتل کے ارتکاب سے باز آجائیں گے (اور اس طرح بہت سے بے گناہ انسانوں کی جانیں قتل و غارت سے بچ جائیں گی۔

---

[1] المبسوط، ج ۲۶ ص ۵۹ نیز دیکھئے کتاب الدیات للعواک

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ولکم فی القصاص حیاۃ یا اولی الالباب"[1]
یعنی اے ارباب دانش! تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے حکم قصاص بایں الفاظ نازل فرمایا:

یا ایھا الذین آمنوا کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ، الحر بالحر والعبد بالعبد والانثیٰ بالانثیٰ، فمن عفی لہ من اخیہ شیء فاتباع بالمعروف واداء الیہ باحسان ذٰلک تخفیف من ربکم ورحمۃ فمن اعتدیٰ بعد ذٰلک فلہ عذاب الیم[2]

ترجمہ: یعنی اے ایمان والو! جو لوگ (ناحق) قتل کر دیئے جائیں، ان کے بارے میں تم پر قصاص (برابر کا بدلہ) فرض کیا گیا ہے۔ آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت (جو قاتل ہو وہی قتل کیا جائے) پھر اگر ایسا ہو کہ اس (قاتل) کو، اس کے (مقتول) بھائی (کے وارث) کی طرف سے کچھ معافی حاصل ہو جائے (اور قصاص کی جگہ خون بہا لینے پر راضی ہو جائے) تو (ورثائے مقتول کی طرف سے بھلائی کے) دستور کے مطابق تقاضہ ہو اور (قاتل کی جانب سے) احسن طریق سے (مال کی) ادائیگی ہو۔ یہ حکم تمہارے پروردگار کی طرف سے رعایت اور (فیضان) رحمت ہے۔ پس جو کوئی اس کے بعد بھی زیادتی کرے گا تو اس کے لئے (آخرت میں) دردناک عذاب ہے۔

شعبیؒ، قتادہؒ اور تابعین کی ایک جماعت سے مروی ہے کہ یہ آیت عرب جاہلیت کے ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو اپنے غلام مقتول کے بدلہ میں (قاتل کے قبیلہ

---

[1] البقرۃ: ۱۷۹

[2] البقرۃ: ۱۷۸

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

سے) کسی آزاد شخص کو قتل کرنے، اپنے ادنیٰ حیثیت کے مقتول کے بدلہ میں (قبیلۂ قاتل کے) کسی معزز آدمی کو قتل کرنے اور اپنی مقتول عورت کے بدلہ میں کسی مرد (خواہ قاتل عورت ہی کیوں نہ ہو) کے قتل سے کم پر راضی نہ ہوتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے کہ (ایسا) قتل ہی قتل کو مٹانے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعہ انہیں (اس ظالمانہ شخصی انتقام سے قانونی انصاف کے ذریعہ قصاص کی طرف لوٹا دیا جو مماثلت و مساوات کی پابندی کرتے ہوئے۔ اپنا حق (خون کا بدلہ) لینے سے عبارت ہے"

علمائے کرام اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں یہاں "کتب" کا معنی یہ ہے کہ (اگر ولی مقتول بدلہ لینا چاہے تو) تم پر قصاص فرض اور لازم کیا گیا ہے جیسے فرمایا: کتب علیکم الصیام[1] یعنی تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں اور فرمایا[2] کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیرن الوصیۃ للوالدین والاقربین بالمعروف[3] یعنی تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی (کو محسوس ہو کہ اس) کی موت قریب آگئی (ہے) اور وہ اپنے پیچھے مال چھوڑ رہا ہو تو اپنے والدین اور عزیزوں کے حق میں انصاف اور (بھلائی کے) دستور کے مطابق وصیت کر جائے۔

بعض فقہاء، جن میں امام ابوحنیفہؒ شامل ہیں کہتے ہیں کہ "کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ" ایک عام اور فی نفسہ مکمل و مستقل کلام ہے جبکہ باقی فقہاء بشمول امام مالکؒ و امام شافعیؒ کے نزدیک بات یہاں پوری نہیں ہو جاتی بلکہ "والانثیٰ بالانثیٰ" تک کی عبارت اس کی تفسیر و تکمیل کرتی ہے۔[4]

---

[4] دیکھیے احکام القرآن مولفہ ابن العربی ج ۱ ص ۶۱

[1] البقرۃ: ۱۸۳

[2] البقرۃ: ۱۸۰

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

بخاری، نسائی اور دار قطنی میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں قصاص کا حکم تو تھا لیکن دیت کا رواج نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کے بارے میں فرمایا: کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ الحرّ بالحرّ والعبد بالعبد والانثیٰ بالانثیٰ فمن عفی لہٗ من اخیہ شیئ یہاں معافی کی صورت یہ ہے کہ مقتول کے ورثہ قتل عمد کے عوض خون بہا قبول کرلیں۔ فاتباع بالمعروف وادا الیہ باحسان کا مطلب یہ ہے کہ اولیائے مقتول کی طرف سے معقول اور پسندیدہ طریقہ سے خونبہا کا مطالبہ ہو اور قاتل کی جانب سے خوش معاملگی کے ساتھ ادائیگی ذلک تخفیف من ربکم ورحمۃ کا مفہوم یہ ہے کہ (اس سلسلہ میں) پہلی امتوں پر فرض کیے گئے احکامات کے مقابلے میں تمہارے لئے آسانی اور نرمی کردی گئی ہے فمن اعتدیٰ بعد ذلک فلہٗ عذاب الیم۔ یہ الفاظ امام بخاری کی روایت کے ہیں

شعبیؒ کہتے ہیں، ارشاد خداوندی: الحر بالحرّ والعبد بالعبد والانثیٰ بالانثیٰ کا شان نزول یہ ہے کہ دو عرب قبیلوں کے درمیان لڑائی ہوگئی تو وہ کہنے لگے ہم اپنے مقتول غلام کے عوض فلاں مرد اور مقتولہ لونڈی کے بدلہ میں فلاں عورت کو قتل کریں گے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اسی طرح کا قول قتادہ سے بھی منقول ہے [1]

قصاص کی صورت

قصاص کی صورت یہ ہے کہ اگر مقتول کا وارث قصاص کا مطالبہ کرے تو قاتل پر لازم ہے کہ وہ اللہ کے حکم کے آگے سر جھکا دے اور حکم شرع کے مطابق قصاص (دینے) کے لیے تیار ہو جائے اور ولی پر فرض ہے کہ وہ انتقامی جذبہ کو محض قاتل تک محدود رکھے کسی دوسرے

---

[1] دیکھیے تفسیر قرطبی: ج ۲: ص ۲۲۷

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

پر زیادتی نہ کرے جیسا کہ عہد جاہلیت کے لوگ ایسی زیادتی کے مرتکب ہوتے اور قاتل کے بجائے کسی اور کو قتل کر دیتے تھے۔ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ان من اعتی الناس علی اللہ یوم القیٰمۃ ثلاثۃ: رجل قتل غیر قاتلہ ورجل قتل فی الحرم، ورجل اخذ بذحول[1] الجاھلیۃ۔ یعنی قیامت کے دن تین اشخاص کو خدا کا سب سے زیادہ نافرمان قرار دیا جائے گا۔ ایک وہ شخص جو (بدلہ میں) قاتل کے علاوہ دوسرے کو قتل کرے، دوسرا وہ شخص جو حرم کے اندر قتل کا ارتکاب کرے اور تیسرا وہ شخص جو عہد جاہلیت کی سی کینہ پروری اختیار کرے۔

شعبیؒ اور قتادہؒ وغیرہ کہتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ اللہ کی نافرمانی اور شیطان کی اطاعت کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اگر کسی اعلیٰ، معزز اور صاحب اقتدار قبیلہ کے کسی غلام کو دوسرے قبیلہ کا غلام قتل کر دیتا تو مقتول کا قبیلہ مطالبہ کرتا کہ اس غلام کے عوض آزاد شخص کو قتل کیا جائے اگر ان کی کوئی عورت ماری جاتی تو وہ کہتے کہ اس کے بدلہ میں مرد کو قتل کیا جائے اسی طرح اس قبیلہ کا کوئی کم مرتبہ آدمی قتل کر دیا جاتا تو اس کے عوض (قاتل کے قبیلہ کے) معزز آدمی کو قتل کئے جانے کا تقاضا کرتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ "القتل اوقی للقتل" (اسی طرح کے قتل میں قتل سے بچاؤ ہے۔ بعض روایات میں یہ مقولہ القتل أبقی للقتل" یعنی قتل ہی قتل سے بقا کا ضامن ہے اور "القتل أنفی للقتل" یعنی قتل ہی قتل سے باز رکھنے والا ہے، کی صورت میں وارد ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عرب جاہلی

---

[1] ذحول۔ ذحل کی جمع ہے بمعنی عداوت وکینہ، یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی شخصی انتقام کا جذبہ اور بدلہ کا مطالبہ ہے جبکہ کسی پر قتل، زخم یا ضرب وغیرہ سے زیادتی کی گئی ہو۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

میں رائج اس طرح کی زیادتی سے منع کرتے ہوئے فرمایا: کتب علیکم القصاص فی القتلی الحر بالحر والعبد بالعبد والانثیٰ بالانثیٰ[1] یعنی اگر آزاد آدمی نے آزاد آدمی کو قتل کیا ہے تو اس کے بدلے وہی قتل کیا جائے گا (یہ نہیں ہو سکتا کہ مقتول کے قبائلی شرف کے باعث دو آدمی قتل کیے جائیں یا قاتل کی بجائے کوئی معزز شخص قتل کیا جائے)۔ اگر غلام قاتل ہے تو غلام ہی قتل کیا جائے گا اور اگر عورت نے قتل کیا ہے تو عورت ہی قتل کی جائے گی۔

سفیان سدی[2] سے اور وہ ابو مالک سے روایت کرتے ہیں کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے ایمان والو! تم میں سے کوئی شخص کسی کو (ناحق) قتل نہ کرے مقصد یہ ہے کہ جب قصاص قائم ہو جائے اور شریعت کا حکم پورا ہو جائے تو پھر جو شخص کسی دوسرے کو قتل کرنا چاہتا ہے وہ اپنے بھیانک انجام (قصاص میں قتل کئے جانے) کے خوف سے، اس جرم کے ارتکاب سے باز آجائے گا اور یوں ان دونوں (یعنی قتل کرنے کا خواہاں اور جسے وہ قتل کرنا چاہتا ہے) کی جان بچ جائے گی۔ عرب (جاہلی) میں جب کوئی شخص کسی دوسرے کو قتل کر دیتا تو قاتل اور مقتول دونوں کے قبیلے ان کی حمایت میں اُٹھ کھڑے ہوتے اور باہمی جنگ شروع ہو جاتی جس سے بہت سی جانیں ضائع ہو جاتی تھیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے قصاص کا حکم نازل فرمایا تو سب نے اسے (بطیب خاطر) قبول کر لیا اور باہم انتقامی لڑائیوں سے رک گئے۔ یوں حکم قصاص ان کے لئے زندگی اور بقا کا ذریعہ بنا۔ سورۂ مائدہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: من اجل ذٰلك كتبنا على بنى اسرائيل انه من قتل نفسا بغير نفس او فساد فى الارض فكانما قتل الناس جميعا ومن

---

[1] سورہ البقرہ ۱۷۸

[2] السدی کا اصل نام اسماعیل بن عبدالرحمن ہے آپ حجازی الاصل تابعی ہیں لیکن کوفہ میں سکونت اختیار کی۔ تفسیر، مغازی اور سیر کے امام اور وقائع تاریخ اور حوادث دھر پر گہری نظر رکھنے والے تھے ۱۲۸ھ میں وفات پائی (دیکھیے الاعلام للزرکلی، ج ۱، ص ۳۱۲)

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

احیاھا فکانما احیا الناس جمیعا ولقد جاءتھم رسلنا بالبینت ثم ان کثیرا منھم بعد ذلک فی الارض لمسرفون یعنی اسی وجہ سے (کہ قابیل نے اپنے بے گناہ بھائی کی جان لے کر ایک خطرناک رسم کی ابتدا کر دی تو دوسرے لوگ بھی قتل کرنے لگے اور فتنہ و فساد کا بازار گرم ہو گیا) ہم نے بنی اسرائیل کے لیے یہ حکم لکھ دیا کہ جس نے کسی انسان کو قتل کیا۔ سوائے اس کے کہ قصاص لینا ہو یا ملک میں فساد پھیلانے والوں کو سزا دینی ہو، تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی جان کو (قتل یا ہلاکت سے) بچا لیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو بچا لیا۔ اور بیشک ان (بنی اسرائیل) کے پاس (یکے بعد دیگرے) ہمارے رسول روشن دلیلوں (معجزات، احکامات) کے ساتھ آئے پھر بھی ان میں سے بہت سے لوگ زمین میں زیادتیاں کرنے والے ہیں۔

من اجل ذلک کا مطلب یہ ہے کہ اس پہلے قاتل (قابیل) کی جرأت اور گناہ کی وجہ سے (ہم نے بنی اسرائیل پر یہ واضح لکھا ہوا حکم نازل کیا) زجاج کہتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ اس (قابیل کے جرم (کی شدت اور نوعیت) کی وجہ سے بنی اسرائیل سے پہلی اقوام میں بھی حرمت قتل کا حکم موجود تھا لیکن اس آیت میں بنی اسرائیل کا ذکر بطور خاص اس لیے کیا گیا ہے کہ ان میں سرکشی اور سفاکی کے اوصاف نمایاں تھے اس لیے ان پر سب سے پہلی مرتبہ ناحق قتل نفس سے باز رکھنے کے لیے لکھی ہوئی وعید نازل کی گئی جبکہ ان سے پہلی اقوام میں یہ حکم (حرمت قتل) صرف زبانی تھا تحریری صورت میں موجود نہ تھا۔)

آیت مذکورہ میں "بغیر نفس" کا مطلب ہے سوائے اس کے کہ مقتول کسی کا ناحق خون کر کے بدلہ کا سزاوار ٹھہر چکا ہے۔ اور بجز تین صورتوں کے ہر شریعت میں قتل نفس حرام رہا ہے۔ ایمان قبول کر لینے کے بعد کفر کی طرف لوٹ جانا (یعنی مرتد ہو جانا) شادی کے بعد زنا کرنا اور بالارادہ کسی جان کو ناحق مار ڈالنا۔ آیت میں "او فساد فی الارض" کا معنی ہے شرک کرنا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اس سے مراد راہزنی اور لوٹ مار ہے۔[1]

اس آیت میں موجود تشبیہ "فکانما قتل الناس جمیعاً" (یعنی جس نے ایک جان کو ناحق مار ڈالا گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا) کی توجیہ میں مفسرین کی عبارات اضطراب کا شکار ہیں کیونکہ تمام انسانوں کو قتل کر دینے والے کی (اخروی) سزا ایک شخص کے قاتل سے یقیناً زیادہ ہے۔ چنانچہ اس تشبیہ کی حسب ذیل توجیہات بیان کی گئی ہیں۔

۱۔ تشبیہ کا مقصد جرم قتل کی ہولناکی اور سزا کی شدت کو بیان کرنا ہے۔

۲۔ یہ کہ (ہر) قاتل دوسرے تمام مجرمان قتل کے گناہ میں شریک ہے کیونکہ اس نے قتل کی رسم کا از سر نو آغاز کیا اور دوسرے لوگوں کو بھی اس جرم کے ارتکاب کی جرأت دلائی تو گویا (اس لحاظ سے) وہ ہر قتل میں شریک (مجرم) ہے

۳۔ یہ کہ تمام لوگوں پر قاتل سے قصاص لینے میں ولی مقتول کی مدد لازم ہے۔ اور اس اعتبار سے وہ سب کے سب اس مقدمۂ قصاص میں قاتل کے مقابل فریق ہیں گویا اس نے ان سب کے عزیزوں کو قتل کر دیا ہے۔ یہاں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اگر کئی آدمی مل کر کسی شخص کو مار ڈالیں تو اس ایک مقتول کے بدلے ان سب (شرکائے جرم) کو قتل کر دیا جائے گا کیونکہ اس ایک شخص کا قتل بمنزلۂ تمام افراد کے قتل کے ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے اس تشبیہ کی توجیہ میں متعدد اقوال مروی ہیں۔ ایک قول کے مطابق اس کا معنی یہ ہے کہ جو شخص کسی پیغمبر برحق یا امام عادل کو قتل کر دے تو گویا اس نے تمام انسانوں کا خون کر دیا اور جو (پیغمبر کے

---

[1] بعض فقہاء (یہاں) فساد فی الارض (زمین میں فساد پھیلانا) کا وسیع مفہوم مراد لیتے ہیں ان میں ابوبکر جصاص بھی شامل ہیں۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

مشن اور امام کے فریضہ قیام عدل میں) ان کی مدد کرے اور ہاتھ مضبوط کرے تو گویا اس نے تمام انسانوں کو زندگی بخش دی[1]۔ ان کے ایک اور قول کی رو سے تشبیہ کا مقصود یہ ہے کہ جس کسی نے انسانی خون کی بے حرمتی اور توہین کرتے ہوئے ایک جان کو مار ڈالا تو وہ مثل اس شخص کے ہے جس نے تمام انسانوں کو تہ تیغ کر دیا ہو اور جس نے خون انسانی کی حرمت برقرار رکھتے ہوئے خدا کے خوف سے ایک انسان کو قتل کرنے سے ہاتھ کھینچ لیا تو وہ اس شخص کی مانند ہے جس نے تمام انسانوں کی زندگی بچالی ہو حضرت ابن عباسؓ ہی سے اس تشبیہ کا یہ معنی بھی منقول ہے کہ قاتل نے ایک شخص کو قتل کر کے اس مقتول کی نظر میں تو سب انسانوں کو ختم کر دیا ہے اور کسی ایک انسان کو ہلاکت سے بچانے والے نے اس بچ جانے والے کے نزدیک گویا تمام انسانوں کو زندگی دے دی ہے۔

مجاہد[2] کہتے ہیں تشبیہ کا مطلب یہ ہے کہ کسی ایک مؤمن کو بالارادہ قتل کر دینے والے کی سزا جہنم کا دائمی عذاب، اللہ کا غضب اور اس کی پھٹکار ہے اور اگر وہ تمام انسانوں کو مار ڈالتا تو بھی اس کی سزا یہی رہتی، جیسا کہ تفسیر طبری میں (مجاہد سے مقتول) ہے۔ اور جو شخص کسی کو قتل

---

[1] احکام القرآن للقرطبی، ج ۶ ص ۱۴۶

[2] حضرت مجاہد بن جبیرؒ معروف تابعی اور اہل مکہ کے مفسر قرآن ہیں۔ ۲۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۰۴ھ میں وفات پائی۔ ذہبی نے آپ کو شیخ القراء والمفسرین قرار دیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے علم تفسیر حاصل کیا تین بار آپ کے سامنے قرآن کریم کی قرائت کی اس طرح کہ ہر آیت پر ٹھہر کر اس کا شان نزول معلوم کرتے اور تفسیری رموز حاصل کرتے۔ متعدد سفر کیے اور بالآخر کوفہ میں قیام پذیر ہو گئے۔ کسی بھی عجوبہ کا ذکر سنتے تو اسے دیکھنے ضرور جاتے۔ آپ کے سال وفات میں اختلاف ہے۔ مختلف روایات میں ۱۰۰ھ ۱۰۲ھ اور ۱۰۳ھ بتایا گیا ہے۔ وفات کے وقت ۸۳ برس کے تھے۔ (دیکھیے الاعلام الزرکلی: ج ۶ ص ۱۶۱۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

نہ کرے تو گویا تمام انسانوں کی زندگی اس (کی طرف) سے محفوظ رہی۔

ابن زید اس تشبیہ کا معنی یہ بتاتے ہیں کسی ایک جان کو عمد (ناحق) مار ڈالنے سے قاتل پر (ویسا ہی) بدلہ اور قصاص واجب ہوتا ہے جیسا تمام انسانوں کو قتل کر دینے سے لازم آتا ہے۔ اور کسی جان کو زندگی بخش دینے کا مطلب یہ ہے کہ ولی مقتول اس شخص کا خون معاف کر دے جس پر قتل واجب (ہو گیا) ہو۔ حسن سے بھی یہی منقول ہے کہ یہاں زندگی بخشنے سے مراد (قتل کرنے کی) قوت و اختیار حاصل کر لینے کے بعد معاف کر دینا ہے۔

(زیر نظر) تشبیہ کی توجیہ میں ایک قول یہ ہے کہ جو کوئی ایک (مؤمن) جان کو ناحق مار ڈالے تو تمام مسلمان (اس مقدمہ قصاص میں) اس کے فریق مخالف ہوں گے کیونکہ اس نے (خون انسانی کی بے حرمتی کر کے) ان سب (افراد معاشرہ) پر ظلم و زیادتی کا ارتکاب کیا ہے اور جو شخص کسی ایک انسان کی جان بچا لے تو گویا اس نے تمام انسانوں کو زندگی بخشی یعنی یہ کہ سب پر اس کی سپاسگزاری لازم ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے (اس تشبیہ میں) ایک شخص کے قاتل کا گناہ تمام انسانوں کے قاتل کے برابر قرار دیا ہے اور یہ اسے زیبا ہے کیونکہ وہ حاکم مطلق ہے جیسا چاہے حکم نافذ فرما دے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ اس تشبیہ کے مضمرات بنی اسرائیل کے ساتھ خاص ہیں جو (ان کی سفاکانہ اور باغیانہ روش کے پیش نظر) ان کے لیے سخت وعید ہیں۔

ابن عطیہ کہتے ہیں بہر صورت اس تشبیہ کے مضمرات واقعی اور حقیقی ہیں (مجاز کے رنگ میں نہیں) اور ایک انسان کی بے حرمتی کرنے والا تمام انسانوں کی بے حرمتی اور توہین کا مرتکب قرار پاتا ہے۔ اور ارشاد خداوندی "ومن احیاھا" (یعنی جس نے کسی جان کو زندگی بخش دی) مجازی رنگ میں ہے کہ یہاں "احیاء" سے

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

مراد قتل سے اجتناب اور ہلاکت سے بچالینا ہے ورنہ احیاء حقیقی جو تخلیق و اختراع (سے عبارت) ہے خالق کائنات جل سبحانہ سے مختص ہے۔

مجاہد کے نزدیک " احیاھا " کا معنی ہے کہ اسے ہلاکت سے بچالیا۔ بعض اور اہل علم کہتے ہیں اس سے مراد اُس کے قتل سے باز رکھنا ہے جس میں اس کی زندگی (کا بقاء) ہے۔ جصاص کہتے ہیں۔ ممکن ہے " احیاء نفس " سے یہاں یہ مراد ہو کہ قاتل سے قصاص لینے میں ولیٔ مقتول کی مدد کی جائے اور اس سے قصاص لینے میں زندگی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: " ولکم فی القصاص حیاۃ " اور یہ احتمال بھی ہے کہ اس (احیاء نفس) سے مراد یہ ہو کہ جو شخص کسی دوسرے کو ناحق مار ڈالنے کا عزم (ارادہ) رکھتا ہے اسے قتل کر کے اس جان کو بچالیا جائے جسے وہ ختم کر دینے کا ارادہ رکھتا تھا اور اس طرح یہ قتل تمام انسانوں کے لیے زندگی بخش بن جائے کیونکہ اس سے (مجرمانہ ذہنیت کے) وہ تمام لوگ عبرت حاصل کر کے اپنے ارادۂ جرم کو عملی جامہ پہنانے سے باز آجائیں گے جو دوسروں کو ناحق قتل کرنے کا قصد رکھتے ہیں اور یوں ان سب لوگوں (عازمین قتل اور جن کا یہ خون کرنا چاہتے ہیں سب) کی جان بچ جائے۔

(بناء بریں) اس آیت سے حسب ذیل مختلف احکام مستنبط ہوتے ہیں

۱۔ یہ کہ احکام شرعیہ معانی و مصالح (علل احکام) پر مبنی ہوتے ہیں جن کے حوالے سے احکام کا اعتبار کیا جاتا ہے یوں یہ آیت (بالواسطہ طور سے) قیاس کی صحت و حجیت پر بھی دلالت کرتی ہے۔

۲ خون کے بدلے خون کا جواز۔

۳ کسی جان کو ناحق قتل کر دینا موجب قصاص ہے۔

۴ جو کسی مسلمان کو ظلماً قتل کرنے کا ارادہ کرے وہ (بھی) مستحق قتل ہے کیونکہ

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ارشاد خداوندی "من قتل نفسا بغیر نفس" جس طرح خون کے بدلے خون کے جواز پر دلالت کرتا ہے اسی طرح اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جو کوئی دوسرے کو مار ڈالنے کا ارادہ کرلے اسے قتل کیا جاسکتا ہے اور یہ قتل اس کے ارادۂ اتلاف نفس (یعنی ایک جان کو ضائع کر دینے کے ارادہ) کا بدلہ ہوگا۔

۵۔ زمین میں فساد پھیلانا (اور رہزنی ولوٹ مار کرنا) بھی موجب قتل ہے۔

۶۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد "فکانما قتل الناس جمیعا" میں اس امر پر بھی دلالت (کا احتمال) پایا جاتا ہے۔ کہ قاتل پر اس کے بعد ہر قتل کرنے والے کا گناہ بھی عائد ہوگا کیونکہ اس نے قتل کی رسم کا از سر نو آغاز کیا اور دوسروں کیلئے اس جرم کا ارتکاب آسان بنا دیا۔

۷۔ تمام لوگوں پر قاتل سے قصاص لینے میں ولیٔ مقتول کی مدد لازم ہے یہاں تک کہ وہ قصاص لینے میں کامیاب ہو جائے۔

۸۔ یہ آیت ایک شخص کے قتل کی پاداش میں متعدد افراد کو قتل کرنے کے جواز پر بھی دلالت کرتی ہے۔

۹۔ ارشاد باری تعالیٰ "فکانما احیا الناس جمیعا" قاتل سے قصاص لینے میں ولی مقتول کی مدد لازم ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

۱۰۔ مذکورہ قطعۂ آیت سے ظالمانہ خونریزی کا ارادہ (رکھنے) والے کے قتل پر بھی دلالت ملتی ہے۔ [1]

میری رائے میں اس آیت سے جس حقیقت کا فہم مطلوب ہے وہ یہ ہے کہ جو شخص کسی ایک جان کو ناحق مار ڈالے تو وہ تمام انسانوں کا قاتل بایں معنی قرار

---

[1] دیکھئے احکام القرآن جصاص، ج ۲ ص ۲۹۲

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

پاتا ہے کہ چونکہ وہ قتل کی رسم قبیح کا (از سرنو) آغاز کرتا ہے اس لیے اپنے بعد قیامت تک آنے والے ہر قاتل کے گناہ میں (برابر کا) شریک ہے بغیر اس کے کہ ان (بعد والے قاتلوں) کے گناہوں (کی سزا) میں کچھ کمی کی جائے جیسا کہ حدیث پاک سے ثابت ہے۔ اور ارشاد خداوندی ومن احیاھا فکانما احیا الناس جمیعا۔ میں احیاء نفس سے مراد یہ ہے کہ قاتل کو کسی بھی (زبانی یا عملی) ذریعہ (جیسے وعظ و تنبیہ یا قوت وغیرہ) سے واقعی یا متوقع ارتکاب قتل سے باز رکھا جائے اور کسی ایک جان کو بچا لینے والا شخص تمام لوگوں کے لیے بایں معنی زندگی بخش ٹھہرتا ہے کہ اس نے ایک اچھی رسم (از سرنو) ڈالی ہے اور بفحوائے حدیث نبوی اپنے بعد قیامت تک اس کو اپنانے والے تمام لوگوں کے اجر ثواب میں (برابر کا) شریک ہے بغیر اس کے کہ ان لوگوں کے اجر میں کچھ کمی کی جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وکتبنا علیھم فیھا أن النفس بالنفس والعین بالعین والانف بالانف والاذن بالاذن والسن بالسن والجروح قصاص فمن تصدق بہ فھو کفارۃ لہ ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الظالمون

ترجمہ: یعنی ہم نے اس (کتاب تورات) میں ان (یہودیوں) کے لیے یہ (حکم) لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت اور (تمام) زخموں کے بدلے (ویسے ہی) زخم۔ پھر جو شخص (صدقہ کی نیت سے) قصاص معاف کر دے تو یہ (معافی) اس کے گناہوں کا کفارہ ہوگی اور جو کوئی اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو وہی لوگ ظالم (حد سے تجاوز کرنے والے) ہیں: (المائدہ: ۴۵)

اللہ تعالیٰ نے (اس آیت میں) بیان فرمایا ہے کہ تورات میں (تمام) انسانوں کے خون (حرمت کے اعتبار سے) برابر قرار دیئے گئے تھے، یہود اس حکم خداوندی

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کی مخالفت کر کے گمراہ ہو گئے چنانچہ (یہود مدینہ کے) قبیلہ بنو نضیر نے اپنے مقتولوں کی دیت، قبیلہ بنو قریظہ کے افراد کی دیت سے زیادہ مقرر کر رکھی تھی۔ اسی طرح کسی قریظی شخص کے قتل کا بدلہ نضیری قاتل سے نہیں لیا جاتا تھا جبکہ نضیری شخص کے قتل کی پاداش میں قریظی کو قتل کر دیا جاتا تھا۔ جب (مدینہ میں) اسلام آیا تو بنو قریظہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے (اس بارے میں) رجوع کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (دونوں قبیلوں کے خون کی) برابری کا فیصلہ فرمایا تو بنو نضیر کہنے لگے۔ آپ نے ہمارے خون کی حرمت گھٹا دی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (جس کا مدعا یہ کہ تورات میں تو تمام یہودیوں کا خون برابر قرار دیا گیا تھا تم نے یہ تفریق کیسے کر دی۔)

ابن جریج کہتے ہیں۔ جب بنو قریظہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو (زانی محصن کے بارے میں) رجم کا فیصلہ فرماتے دیکھا جبکہ (یہود) اپنی کتاب (تورات) میں اس حکم کو چھپایا کرتے تھے تو بنو قریظہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا۔ یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے درمیان اور ہمارے برادر قبیلہ بنو نضیر کے درمیان (خون کا) فیصلہ فرما دیجئے۔ ان دونوں یہودی قبیلوں کے درمیان قتل کا تنازعہ تھا اور بنو نضیر، قریظہ کے مقابلے میں اپنے خون کی حرمت اور دیت کی زیادتی کے داعی تھے۔ وہ کہنے لگے ہم رجم (و قتل) کے معاملہ میں تمہاری پیروی نہیں کریں گے بلکہ اپنی ان سزاؤں پر عمل کریں گے جن پر ہم اس سے پہلے کاربند تھے اس پر مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی۔ اور یہ آیت بھی نازل ہوئی افحکم الجاھلیۃ یبغون (یعنی کیا وہ جاہلیت کا حکم طلب کرتے ہیں) (المائدہ: ۵۰)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ان یہود کو کیا ہو گیا ہے کہ حکم خداوندی کی مخالفت کرتے ہوئے ایک جان کے بدلے دو جانوں کا خون کرتے ہیں اور ایک آنکھ کے بدلے دو آنکھیں پھوڑتے ہیں (جبکہ تورات میں نازل کردہ حکم برابری کا بدلہ تھا) بنی اسرائیل میں صرف قصاص کا حکم تھا (دیت نہ تھی) اس امت

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کو اللہ تعالیٰ نے (قصاص کے ساتھ ساتھ) دیت کے (تخفیفی) حکم سے شرف بخشا۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاءہ جھنم خالدا فیھا"[1]
ترجمہ: یعنی جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر (عمداً) قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے جہاں وہ مدتوں رہے گا۔

جمہور علماء کہتے ہیں اس آیت میں قاتل سے مراد وہ شخص ہے جو عمداً قتل مسلم کو حلال سمجھتے ہوئے خونریزی کرتا ہے۔ جیسا کہ امور ذیل سے ثابت ہوتا ہے۔

۱۔ بعض فقہاء کے نزدیک ذمی کو قتل کرنے والے شخص کی (اخروی) سزا بھی وہی ہے جو کسی مسلمان کا قصداً خون کرنے والے کی ہے۔ (پس آیت میں بیان کردہ قتل عمد کی شدید ترین سزا کا سبب مقتول کا مؤمن ہونا نہیں بلکہ قاتل کا اس جرم قتل کو حلال و جائز سمجھنا ہے)

۲۔ اہل سنت کے نزدیک کوئی مؤمن دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہے گا، خواہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوا ہو اور توبہ بھی نہ کی ہو۔ (بنابریں آیۂ مذکورہ میں قاتل عمد کو دائمی عذاب کی وعید دراصل حلال سمجھ کر قتل کرنے پر ہے)۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس آیت میں 'خلود' سے مراد طویل عرصہ (تک جہنم میں رہنا) ہے جیسا کہ (بعض) تفاسیر میں بیان کیا گیا ہے نہ کہ دوام و ہمیشگی۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لقتل مؤمن اعظم عند اللہ من زوال الدنیا" بے گناہ مومن کا قتل اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کے فنا ہو جانے سے بھی شدید تر ہے۔ اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لو ان اھل السموات والارض اشترکوا فی قتل

---

[1] النساء: ۹۳

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

مؤمن لعذبهم اللہ عزوجل الا لا یشاء ذلک "یعنی اگر تمام اہل آسمان و اہل زمین کسی مسلمان کے (ناحق) خون میں شریک ہوں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو عذاب دے گا الا یہ کہ وہ ایسا نہ چاہے (یعنی سزا معاف فرما دے)۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لا یحل دم امرئ مسلم الا باحدی ثلث: الزانی المحصن والمرتد عن دینہ۔ وقاتل النفس" یعنی تین صورتوں کے علاوہ کسی حال میں مسلمان کا قتل روا نہیں۔ شادی شدہ بدکار (زانی محصن)۔ اپنے دین (اسلام) سے پھر جانے والا اور کسی جان کو (ناحق) مار ڈالنے والا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: "ولکم فی القصاص حیاۃ یا اولی الالباب لعلکم تتقون"[1] یعنی۔ اے اہل فہم و دانش! تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ (برائیوں سے بچو تاکہ ظلم و فساد کی راہیں بند ہو جائیں)

علامہ قرطبی اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں۔ یہ (آیت) انتہائی مختصر مگر بلاغت سے بھرپور (کلام) ہے جس کا معنی یہ ہے کہ تم میں سے بعض لوگ، بعض کو قتل نہ کریں جیسا کہ سفیان نے سدّی سے اور انہوں نے ابو مالک سے روایت کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب قصاص نافذ ہو جائے اور اس کے ذریعہ شریعت کا حکم پورا ہو جائے تو جو شخص کسی دوسرے کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اپنے انجام سے خوف کھاتے ہوئے ارتکاب جرم سے باز آ جائے گا۔ اور یوں ان دونوں کی زندگی محفوظ رہے گی۔ عہد

---

[1] البقرہ: ۱۷۹

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

جاہلیت میں جب کوئی شخص کسی دوسرے کو قتل کر دیتا تو دونوں کے قبیلے ان کی حمایت میں باہم خانہ جنگی کا شکار ہو جاتے اور یوں ایک شخص کا قتل بالآخر بے حساب خونریزی کا سبب بن جاتا۔

جب اللہ تعالیٰ نے قصاص کا شرعی حکم نازل فرمایا تو سب نے اسے قبول کر لیا۔ اور باہمی لڑائیوں سے باز آ گئے یوں حکم قصاص ان کے لیے پیغام حیات ثابت ہوا۔ اور لفظ "تتقون" سے یہاں یہ مراد ہے کہ تم قتل و خونریزی سے اجتناب کرو تاکہ قصاص (میں قتل کیے جانے) سے محفوظ رہو، پھر قتل و فساد سے یہ گریز تمہیں تقویٰ و پرہیزگاری کی دیگر انواع سے بھی بہرہ ور کرنے میں مدد دے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ بندے کو ایک طاعت کے صلہ میں دوسری اطاعت (کی توفیق) عطا فرماتا ہے۔[1]

ضحاک نے کتاب الدیات میں ابوبکر و عثمان سے اور انہوں نے یعلیٰ بن عبید اور انہوں نے اسماعیل اور ابوصالح کے واسطے سے روایت کی ہے "ولکم فی القصاص حیاۃ" کا معنی ہے کہ تمہارے لیے قصاص میں بقاء ہے۔ اور ابوبکر نے ابواسامۃ سے، انہوں نے شبل سے انہوں نے ابن ابی نجیح سے اور انہوں نے مجاہد سے اس کا یہ معنی روایت کیا ہے کہ تمہارے لیے قصاص میں عبرت اور جرم سے ممانعت ہے۔ اور یحییٰ بن خلف نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ اس ارشاد پاک کا مقصد یہ ہے کہ تم میں سے بعض لوگ، بعض (کے قتل) سے باز آ جائیں۔ محمد بن ابی بکر، ابوجوزاء سے روایت کرتے ہیں کہ یہاں قصاص سے مراد قرآن (یعنی قرآنی حکم) ہے۔

محمد بن عبید بن حساب، حضرت قتادہ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے (جو) فرمایا کہ تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے (تو اس کا معنی یہ ہے کہ) ظالم

---

[1] دیکھئے احکام القرآن للقرطبی، ج ۲ ص ۲۳۷

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

سرکش انسان قصاص کے خوف سے، جرم قتل کے ارتکاب سے رک جاتا ہے[1] (اور اس طرح ان دونوں کی زندگی بچ جاتی ہے۔)

آیا قصاص قاتل کے گناہ کا کفارہ ہے

اس معاملہ میں علماء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ قصاص (نافذ ہو جانے) سے مجرم کے گناہ کا کفارہ ہو جاتا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک "الحدود کفارات لاھلھا" (یعنی شرعی سزائیں مجرموں کے گناہوں کا کفارہ ہیں) میں عمومیت ہے۔ جو جرم قتل (کی سزا) کو بھی شامل ہے۔ جبکہ بعض دوسرے فقہاء کے نزدیک قصاص، جرم قتل کا کفارہ نہیں بنتا کیونکہ قصاص پر عملدرآمد کا فائدہ مقتول کو نہیں پہنچتا بلکہ صرف زندہ اشخاص کو پہنچتا ہے کہ وہ قتل ناحق سے بچ جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "ولکم فی القصاص حیاۃ" یعنی لوگو! قصاص کے نفاذ میں ہی تمہاری زندگی ہے۔ باقی رہی حدیث "الحدود کفارات لاھلھا" تو اس کا تعلق ایسے جرم کی سزا سے ہے جس کا تعلق حق اللہ سے ہے نہ کہ ایسے جرم سے جس کا تعلق مخلوق کے حق سے ہو۔[2]

قاتل کی توبہ کا بیان

بعض فقہاء کہتے ہیں: مجرم کو اگر اس دنیا میں جرم کی (شرعی) سزا مل جائے تو وہ اس جرم کے اخروی عذاب سے رستگاری پا لیتا ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ جو شخص کسی جرم کا ارتکاب کرے اور اس کی سزا دنیا میں بھگت لے تو آخرت میں اس جرم کی سزا اسے نہ دی جائے گی۔" ترمذی میں حضرت علی بن

---

[1] دیکھیے کتاب الدیات، ضحاک مطبوعہ ۱۳۲۳ھ صفحہ ع ۳۰۔

[2] دیکھیے حاشیۃ الدسوقی: ۴: ۲۱۲۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ابی طالبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس شخص سے کوئی قابل حد جرم سرزد ہوا اور اس کی سزا اسے بعجلت دنیا ہی میں مل گئی تو اللہ تعالیٰ کی شان عدل سے بعید ہے کہ آخرت میں دوبارہ اپنے بندے کو عذاب دے اور جو شخص کسی حد شرعی کا سزاوار بنا مگر اللہ تعالیٰ نے اس کی پردہ پوشی فرمائی تو اس کی شان کرم اس سے بالاتر ہے کہ جس گناہ کو وہ (دنیا میں پردہ پوشی کے ذریعہ) معاف فرما چکا ہے اس پر دوبارہ آخرت میں گرفت فرمائے۔

حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ تم لوگ میرے ہاتھ پر بیعت کرو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ گے۔ بدکاری اور چوری کے مرتکب نہ ہو گے اور کسی (معصوم الدم) کو ناحق قتل نہ کرو گے، جو لوگ تم میں سے ان باتوں کو پورا کریں گے وہ اللہ تعالیٰ سے اجر پائیں گے۔ جو شخص ان میں سے کسی گناہ کا مرتکب ہوا اور اس کی سزا اسے دنیا میں مل گئی تو وہ سزا اس کے گناہ کا کفارہ ہو جائے گی اور جس شخص سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے اور اللہ تعالیٰ اس پر پردہ ڈال دے تو اس کا معاملہ خدا کے سپرد ہے اگر چاہے تو اس سے درگزر فرمائے اور چاہے تو عذاب دے۔ ایک روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ہے کہ "فبایعنا ہ علیٰ ذٰلك" یعنی ہم نے مذکورہ بالا امور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کر لی اس حدیث کو ابو داؤد کے سوا باقی پانچوں محدثین نے روایت کیا ہے۔ دیگر فقہا کی رائے یہ ہے کہ محض شرعی سزا پر عملدرآمد مجرم کو گناہ سے پاک نہیں کر دیتا بلکہ اس کے لیے توبہ کرنا ضروری ہے کیونکہ مجرم کی ناپسندیدگی کے باوجود اس پر حد شرعی نافذ کر دی جاتی ہے۔

لیکن جرم قتل کی سنگینی، مخصوص نوعیت اور اس بارے میں وارد ہونے والے

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

مختلف آثار (روایات) کی بناء پر قاتل عمد کی توبہ کا مسئلہ مشکل ہو گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاءہ جھنم خالدا فیھا[1] یعنی جو شخص کسی مؤمن کو عمداً قتل کرے اس کی سزا جہنم ہے جہاں وہ ہمیشہ رہے گا۔

نسائی میں ہے۔ حسن بن اسحٰق المروزی جو کہ ثقہ ہیں، نے خالد بن حذاش کے واسطہ سے بریدہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قتل المؤمن اعظم عند اللہ من زوال الدنیا۔ یعنی مؤمن کا قتل اللہ کے نزدیک تمام دنیا کی تباہی سے بڑھ کر (سنگین جرم) ہے۔ حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اول یحاسب بہ العبد الصلوٰۃ واول ما یقضی بہ بین الناس فی الدماء۔ "یعنی قیامت کے روز (بندہ کے اعمال میں) سب سے پہلے نماز کی پرسش ہوگی اور لوگوں کے مابین سب سے پہلے قتل (کے مقدمات) کا فیصلہ کیا جائے گا۔

اس لیے فقہاء کے درمیان قاتل عمد کی توبہ (کی قبولیت) کے بارے میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے خواہ اس پر سزائے شرعی نافذ ہو جائے یا کسی وجہ سے نافذ نہ ہو سکے۔

بخاری میں سعید بن جبیر سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اہل کوفہ نے اس بارے میں اختلاف کیا تو میں سفر کر کے حضرت ابن عباسؓ کے پاس گیا اور ان سے

---

[1] النساء: ۹۳۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

یہ (مسئلہ) دریافت کیا انہوں نے فرمایا کہ آیت "ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزآءہ جہنم[1]" آخر میں نازل ہوئی ہے اور اس کو کسی آیت نے منسوخ نہیں کیا۔

نسائی کی روایت کے مطابق سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا آیا کسی مؤمن کو عمداً قتل کر دینے والے کی توبہ قبول ہے؟ تو آپ نے فرمایا۔ نہیں۔ میں نے سورۂ فرقان کی آیت "والذین لا یدعون مع اللہ الٰھا اخر[2]..... الآیۃ" پڑھی تو انہوں نے فرمایا۔ یہ آیت مکی[3] ہے جسے مدینہ میں (ہجرت کے بعد) نازل ہونے والی آیت "ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاءہ جہنم خالدا فیھا" نے منسوخ کر دیا ہے۔

حضرت زید بن ثابتؓ سے بھی ایسا ہی (قول) مروی ہے۔ معتزلہ کا موقف بھی یہی ہے ان کے نزدیک مذکورہ آیت، اللہ تعالیٰ کے ارشاد "ویغفر ما دون ذلک لمن یشآء[4]" (یعنی اللہ تعالیٰ شرک کے علاوہ جتنے جرائم ہوں، جس کو چاہے بخش دیتا ہے) کے عموم کو خاص کر دیتی ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں، قتل عمد پر سخت ترین سزا کی وعید ہر قاتل عمد پر یقیناً نافذ ہو گی۔ وہ ان دونوں آیتوں کے درمیان یوں تطبیق دیتے ہیں کہ تقدیر کلام یہ ہے: "ویغفر ما دون ذالک لمن یشآء الا من قتل عمدا" یعنی اللہ تعالیٰ شرک سے کم تر ہر گناہ کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا سوائے قتل عمد

---

[1] النساء: ۹۳

[2] الفرقان: ۶۸

[3] سورۃ فرقان کی: آیت اور اس کے بعد والی دو آیتیں مدنی ہیں

[4] النساء: ۴۸

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کے لیکن فقہاء کی اکثریت اس امر پر متفق ہے کہ دیگر گناہگاروں کی طرح قاتل عمد کی توبہ بھی مقبول ہے۔ ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ آیت "ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزآء جھنم خالدا فیھا" ایک خاص واقعہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے لہٰذا اس کا حکم خاص ہے جو اس واقعہ کے علاوہ دیگر واقعات کو شامل نہیں چنانچہ اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ آیت مقیس بن صبابہ کے بارے میں نازل ہوئی، وہ اور اس کا بھائی ہشام بن صبابہ مسلمان ہوئے، ہشام قبیلہ بنی نجار میں مقتول پائے گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نجار کی طرف لکھا کہ مقیس کے بھائی کا قاتل اس کے حوالے کر دیں اور بنو فہر کا ایک شخص اس کے ساتھ بھیجا انہوں نے اللہ کی قسم کھا کر قاتل سے لاعلمی کا اظہار کیا اور دیت ادا کر دی۔ پھر یہ دونوں شخص مدینہ منورہ کی طرف واپس لوٹے تو راہ میں مقیس نے بے گناہ فہری شخص پر حملہ کر کے اسے اپنے بھائی کے انتقام میں ناحق قتل کر دیا اور مرتد ہو کر مکہ کی طرف چلا گیا اور دیت کے اونٹ بھی اپنے ساتھ لے گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ پر مقیس کے بارے میں فرمایا "میں اس کو حل میں امن دیتا ہوں نہ حرم میں" اور فتح مکہ کے دن اس حالت میں اس کے قتل کا حکم دیا کہ وہ کعبہ کے ساتھ لپٹا ہوا تھا

۲۔ مذکورہ بالا آیت کے ظاہری مفہوم کا اعتبار کرنا، حسب ذیل آیات کے ظاہری مفہوم کے مقابلہ میں ترجیح اور اولویت نہیں رکھتا:

(ا) "وان الحسنات یذھبن السیئات" یعنی بلاشبہ نیکیاں، برائیوں کو مٹا دیتی ہیں (یعنی کفارہ بن جاتی ہیں)

(ب) وھو الذی یقبل التوبۃ عن عبادہ "یعنی وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے" ویغفر ما دون ذالک لمن یشاء

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

یعنی شرک کے ماسوا تمام جرائم اللہ تعالیٰ جس کو چاہے بخش دے گا۔ ان آیات کا ظاہری مفہوم (قبولیت توبہ کا عموم جو قتل عمد کو بھی شامل ہے) قتل عمد کی سزا سے متعلق آیت کے ظاہری مفہوم سے متعارض ہے اور ان دونوں ظاہری مفاہیم کو بیک وقت قبول نہیں کیا جا سکتا اس لیے (قتل سے متعلق آیت کی) تخصیص ضروری ہے۔

۳ سورۂ فرقان کی آیت: "والذین لا یدعون مع اللہ الٰھا اٰخر ولا یقتلون النفس التی حرم اللہ الا بالحق ولا یزنون ومن یفعل ذٰلک یلق اثاما یضعف لہ العذاب یوم القیمۃ ویخلد فیہ مھانا الا من تاب وامن وعمل عملا صالحا فاولٰئک یبدل اللہ سیاٰتھم حسنات وکان اللہ غفورا رحیما"[1] یعنی: اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کی پرستش نہیں کرتے اور اس جان کو ناحق قتل نہیں کرتے جس کی اللہ نے حرمت رکھی ہے اور بدکاری نہیں کرتے۔ اور جو یہ کام کرے گا وہ سزا پائے گا قیامت کے دن اس کا عذاب بڑھایا جائے گا اور وہ ہمیشہ اس میں ذلت سے رہے گا مگر جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے تو ایسوں کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ بھلائیوں سے بدل دے گا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

اور سورۂ نساء کی آیت: "ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاءہ جھنم خالدا فیھا"[2] یعنی جو کسی مؤمن کو عمداً ناحق قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے جہاں وہ ہمیشہ رہے گا۔

---

[1] الفرقان: ۶۸ تا ۷۰

[2] النساء: ۹۳۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ان دونوں آیتوں میں جمع اور تطبیق ممکن ہے لہٰذا نہ تو ان آیتوں کے درمیان تعارض ہے اور نہ ہی نسخ۔ اور تطبیق کی صورت یہ ہے کہ سورۂ النساء کی مطلق آیت کو سورۂ فرقان کی مقید آیت پر محمول کر دیا جائے اس سے (آیت نساء کا) معنی یہ نکلے گا کہ قاتل عمد کی سزا جہنم ہے جہاں وہ ہمیشہ رہے گا سوائے اس کے جو توبہ کرلے۔ یہ تطابق اس لیے (بھی ضروری) ہے کہ دونوں آیتوں میں مذکور سبب (یعنی قتل)، اور نتیجہ (یعنی وعید سزا) ایک ہی ہے۔

۔ حدیث عبادہ بن صامتؓ جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم لوگ میرے ہاتھ پر بیعت کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ گے، زنا سے اجتناب کرو گے اور کسی کو ناحق قتل نہ کرو گے۔ اگر ان میں سے کوئی گناہ کسی سے سرزد ہو جائے اور اس کی سزا اسے دنیا میں مل جائے تو وہ سزا اس کے گناہ کا کفارہ ہو جائے گی اور جو شخص ان میں سے کسی جرم کا مرتکب ہوا اور اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی کر دے تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے چاہے تو اسے معاف کر دے اور چاہے تو عذاب دے۔ اس حدیث کو ائمہ نے روایت کیا اور صحیحین نے اس کی تخریج کی ہے۔

۔ بخاری و مسلم نے ابی سعید الخدریؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے پہلے لوگوں میں ایک شخص تھا جس نے ۹۹ قتل کیے تھے اس نے اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم کے بارے میں دریافت کیا تو اسے ایک راہب کا پتہ بتایا گیا۔ اس نے راہب سے پوچھا کہ آیا ننانوے جانوں کو قتل کرنے کے بعد اس کے لیے توبہ (کی قبولیت) کا امکان موجود ہے راہب نے کہا: نہیں تو اس نے راہب کو بھی قتل کر کے سو کی گنتی پوری کر لی

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اور پھر اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم کے بارے میں پوچھا تو اسے ایک اہل علم شخص کا پتہ دیا گیا۔ اس نے عالم سے دریافت کیا کہ آیا سو جانیں ہلاک کرنے کے بعد میرے لیے توبہ کی گنجائش ہے؟ عالم نے جواب دیا۔ ہاں۔ تیرے اور توبہ کے درمیان کونسی شئے حائل ہے؟ فلاں شہر میں چلا جا وہاں اللہ کے عبادت گزار بندے ہیں، تو بھی ان کے ساتھ اللہ کی عبادت میں مصروف ہو جا اور پھر اپنے علاقہ کی طرف واپس نہ آنا کہ یہ برائی کا علاقہ ہے۔ چنانچہ وہ اس شہر کی طرف روانہ ہوا لیکن آدھے راستے میں ملک الموت اس کے لیے پیغام اجل لے کر آ گئے۔ تو رحمت کے فرشتے اور عذاب کے فرشتے اسکی روح قبض کرنے کے بارے میں جھگڑنے لگے۔ رحمت کے فرشتوں نے کہا کہ یہ شخص توبہ (کا ارادہ) کرتے ہوئے اپنے دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کر کے آ رہا تھا جبکہ عذاب کے فرشتوں کا موقف یہ تھا کہ اس نے کبھی نیکی کا کوئی عمل نہیں کیا۔ اتنے میں ایک فرشتہ انسانی روپ میں ان کے پاس آیا جسے انہوں نے اپنا ثالث بنا لیا۔ تو اس نے کہا: دونوں بستیوں کا فاصلہ اس شخص سے ناپ لو جس بستی سے یہ قریب ہوا اسی کا اعتبار ہو گا۔ چنانچہ انہوں نے فاصلہ ناپا تو اس شخص کو عبادت گزاروں کی بستی سے قریب تر پایا اور رحمت کے فرشتوں نے اس کی روح قبض کر لی۔ قتادہ کہتے ہیں کہ حسن نے فرمایا: کہ ہم سے ذکر کیا گیا کہ جب اس شخص کو موت آئی تو اس کے سینے سے گریہ وزاری کی آواز ابھری۔

بعض علماء نے حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کی رائے اور جمہور اہل سنت کے موقف میں یوں تطبیق دی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے قاتل عمد کی توبہ قبول نہ ہونے کا جو فتویٰ دیا ہے وہ ایسے قاتل کے بارے میں ہے جو مؤمن کا خون بہانا حلال سمجھتے ہوئے اسے ناحق قتل کر دے (کہ اس طرح وہ بر بنائے اعتقاد حلت قتل کا مرتکب ہو کر کافر اور مستحق عذاب دائمی ٹھہرا) یزید بن ہارون نے ابو مالک الاشجعی کے واسطہ سے سعید بن عبیدہ سے روایت

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کی ہے کہ انہوں نے کہا: حضرت ابن عباسؓ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور پوچھا کیا کسی مؤمن کو عمداً ناحق قتل کرنے والے کے لیے توبہ کی گنجائش ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں، اس کا ٹھکانہ صرف جہنم ہے۔ جب وہ شخص چلا گیا تو حاضرین مجلس نے عرض کی۔ کیا آپ ہمیں اسی طرح فتویٰ دیا کرتے تھے؟ ہمیں تو آپ یہ فتویٰ دیا کرتے تھے کہ قتل عمد کے مرتکب کی توبہ مقبول ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔ یہ شخص مجھے غضب ناک معلوم ہوتا ہے جو کسی مؤمن کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ راوی (سعید بن عبیدہ) کہتے ہیں۔ لوگ اس شخص کے تعاقب میں گئے تو اسے ایسا ہی پایا جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا تھا۔

بنابریں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ دیگر گناہگاروں کی طرح قاتل کی توبہ بھی اس کے رب کے ہاں مقبول ہے اور یہی ائمہ اربعہ کا متفق علیہ موقف ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

فصل دوم

وجوب قصاص کی شرائط

وجوب قصاص کے لیے قاتل، مقتول اور جرم (قتل) میں چند شرائط کا پایا جانا ضروری ہے جن کا تفصیلی بیان مباحث ذیل میں آتا ہے۔

مبحث اوّل

قاتل سے متعلق شرائط

(۱) یہ کہ قاتل مکلف (شرعی ذمہ داریوں کا اہل) ہو یعنی عاقل، بالغ اور احکام شریعت کا مخاطب ہو خواہ مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام۔ جو شخص احکام شرعیہ کا مکلف نہ ہو اس پر عقوبات (یعنی سزائیں) بھی لاگو نہیں ہوتیں۔

نابالغ (بچہ) اور پاگل کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ان سے عمداً جرم کا صدور نہیں ہوتا اس لیے ان کا (جرم) عمد بھی خطا ہی متصور ہو گا۔ روایت ہے کہ ایک مجنون (پاگل) نے تلوار سے ایک شخص پر حملہ کر کے اسے مار ڈالا۔ مقدمہ حضرت علیؓ کے سامنے پیش ہوا تو آپ نے اس کی عاقلہ (مددگار برادری) پر دیت عائد کر دی اور فرمایا مجنون کے قتل عمد اور قتل خطاء کا حکم ایک ہی ہے۔ امام شافعیؒ کا ایک قول بھی یہی ہے جبکہ ان کے دوسرے قول کے مطابق پاگل کا بالارادہ جرم، عمد ہی قرار پائے گا۔ اور دیت اس کے ذاتی مال میں لازم ہو گی (نہ کہ عاقلہ پر) کیونکہ عمد کا لغوی معنی قصد ہے جو کہ خطا کی ضد ہے۔ اور جس شخص سے خطا کا تحقق ممکن ہے اس سے (جرم) عمد کا صدور بھی متصور ہے۔ البتہ (امام شافعیؒ کے)

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اس قول پر دو حکم عائد ہوتے ہیں:

ایک یہ کہ مجرم پر قصاص (خون کا بدلہ خون) واجب ہو۔

دوسرا یہ کہ مجرم کے مال میں فوری واجب الادا دیت لازم ہو۔

بچہ فوجداری (بدنی) سزاؤں کا مستحق نہیں کیونکہ عقوبات مبنی ہیں خطاب تکلیف پر اور بچہ احکام شرعیہ کا مخاطب ہی نہیں اس لیے بچہ پر جرم قتل میں بھی مالی تاوان عائد ہوگا جیسا کہ اموال سے متعلق جرائم میں اس پر جرمانہ عائد کیا جاتا ہے۔ یہ بمنزلہ چوری کے جرم کے ہے جس کی دو سزائیں ہیں۔

۱۔ ایک مقررہ (بدنی) سزا جو کہ قطع ید (یعنی ہاتھ کاٹنا) ہے مگر بچہ اس کا سزاوار نہیں۔

دوسری مالی جرمانہ کی سزا جو کہ تاوان ہے اور جس کا بچہ اہل ہے اس لیے اس سلسلہ میں وہ بالغ کا حکم رکھتا ہے۔

بچہ کا فعل چونکہ حکم میں بالغ کی خطا سے کم درجہ رکھتا ہے اس لیے حنفیہ کی رائے میں بچہ پر قتل کا کفارہ لازم نہیں اور نہ ہی اسے میراث مقتول سے محرومی کی سزا دی جائے گی۔[1]

امام مالکؒ یحیی بن سعید سے روایت کرتے ہیں کہ مروان بن حکم نے حضرت امیر معاویہؓ سے ایک جنون زدہ قاتل کے بارے میں حکم دریافت کیا تو انہوں نے جواب میں لکھا کہ اس پر دیت عائد کر دو اور قصاص نہ لو کیونکہ مجنون پر قصاص نہیں۔

یہ حکم اس پاگل کا ہے جو (مطلقاً) کسی بات کو نہ سمجھ سکے اور نہ ہی اسے جنون سے افاقہ حاصل ہو۔

اور ابن قاسم کا یہ قول، کہ اگر معتوہ (بیوقوف) کی تادیب سے یہ امید ہو کہ وہ جرم (کے اعادہ) سے باز آجائے گا اور اسے عادت نہ بنالے گا تو اس کی تادیب کی جائے

---

[1] دیکھیے المبسوط، ج ۲۶ ص ۸۷

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

چاہیئے، لازماً اس مجنون کے بارے میں ہے جو قدرے سمجھ رکھتا ہو (یعنی کم عقل ہو، نہ کہ فاقد الادراک)۔ باقی رہا وہ مجنون جو عقل سے قطعاً عاری ہو تو ایسے مجنون اور معتوہ (بے وقوف) کے بارے میں ابن قاسم کا کہنا ہے کہ اگر وہ کسی انسان سے الجھ کر اس کے کپڑے پھاڑ دے یا کوئی دانت توڑ دے تو اس (پاگل) پر کوئی تاوان نہیں کیونکہ اس کا قصد (جرم) نہ تھا۔

سکران (نشہ میں مدہوش) سے قتل عمد کا قصاص لیا جائے گا اس کا قصد صحیح (معتبر) ہے اور وہ (فوجداری طور پر) مسئول ہے اور اگر کوئی غشی کی حالت میں ہو تو اس کے قصد کا اعتبار نہ ہوگا۔ قاضی ابوالولید الباجی کہتے ہیں۔ میرے نزدیک ایسا شخص چوپایوں کے حکم میں ہے اس پر کچھ عائد نہ ہوگا۔

اگر نائم (سوئے ہوئے شخص) سے کوئی ایسا جرم (زخم) سرزد ہو جائے جس کا تاوان تہائی دیت تک پہنچ جائے تو ابن قاسم اور اشہب کے نزدیک یہ تاوان اس کی مددگار برادری پر عائد ہوگا اور اگر یہ تاوان تہائی دیت سے کم ہو تو اشہب کہتے ہیں، ایسی صورت میں نائم کا وہی حکم ہے جو بچے اور پاگل کا ہے یعنی یہ تاوان اس کے ذاتی مال میں لازم ہوگا۔

امام مالکؒ کہتے ہیں کہ ایک بچہ اور بالغ شخص مل کر کسی کو عمداً قتل کر دیں تو بالغ قاتل سے قصاص لیا جائے گا۔ اور بچے پر نصف دیت عائد ہوگی (کیونکہ اس کا قتل عمد بھی قتل خطا ہے)

یحییٰ، امام مالک سے روایت کرتے ہیں کہ مروان بن حکم نے حضرت امیر معاویہؓ کی خدمت میں لکھا کہ اس کے پاس ایک نشہ میں مدہوش شخص کو لایا گیا ہے جس نے قتل کا ارتکاب کیا ہے تو حضرت امیر معاویہؓ نے جواب میں لکھا کہ اسے قصاص میں قتل کر دو۔

امام شافعیؒ کہتے ہیں بچہ اگر کسی کو عمداً قتل کر دے تو یہ عمد ہی قرار پائے گا اور اس

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

کے مال میں دیت واجب ہو گی کیونکہ عمد کا معنی قصد ہے جو کہ خطا کی ضد ہے اور جس شخص سے خطا کا تحقق ممکن ہے اس سے عمد کا صدور بھی متصور ہے اس لیے بچے کی تادیب کی جاتی ہے اور اسے تعزیری سزا دی جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ تعزیر عمداً سرزد ہونے والے جرم پر ہی لاگو ہوتی ہے نہ کہ جرم خطا پر۔ اور بچے کے (جرم) قتل پر قصاص واجب ہونا چاہیئے تھا لیکن شبہ کے باعث قصاص ساقط ہو گیا کیونکہ بچے فوجداری سزاؤں کے مستحق نہیں لہٰذا ان پر جرم قتل کا دوسرا (بدلی) حکم یعنی مالی تاوان عائد ہوتا ہے جس کے وہ اہل ہیں۔ یہ معاملہ ایسا ہی ہے جیسے اگر بچے چوری کا ارتکاب کر لیں تو انہیں قطع ید کی (فوجداری) سزا نہیں دی جاتی بلکہ ان پر مسروق منہ کے مال کا ضمان واجب ہوتا ہے۔ اسی طرح ان پر کفارہ میں روزہ لازم نہیں ہوتا بلکہ (صرف) مال واجب ہوتا ہے کیونکہ بچے مالی جرمانہ کے سزاوار ہیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک کوئی بچہ اگر اپنے مورث کو قتل کر دے تو ورثہ سے محرومی کی سزا بھی پائے گا۔

حنفیہ اپنے موقف کی تائید میں حسب ذیل دلائل پیش کرتے ہیں۔

۱۔ روایت ہے کہ ایک پاگل نے تلوار سے وار کر کے کسی شخص کو ہلاک کر دیا۔ معاملہ حضرت علیؓ کے سامنے پیش ہوا تو آپؓ نے صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں فیصلہ دیتے ہوئے اس کی مددگار برادری پر دیت عائد کر دی اور فرمایا۔ اس کا عمد اور خطا برابر ہے۔

۲۔ بچہ رحم اور رعایت کا مستحق ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ومن لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا فلیس منا یعنی جو ہمارے بچوں پر رحم نہ کرے اور بڑوں کی توقیر نہ کرے وہ ہم (مسلمانوں) میں سے نہیں۔

۳۔ اگر ایک بالغ و عاقل انسان بلا ارادہ قتل کے ارتکاب پر سزا میں تخفیف کا مستحق ٹھہرتا ہے کہ دیت اس کی مددگار برادری پر عائد کی جاتی ہے (جو بتاخیر واجب الادا ہوتی ہے) تو بچہ اور پاگل، درآنحالیکہ وہ بے شعور اور ناتجربہ

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کار بھی ہیں، اس تخفیف کے زیادہ حقدار ہیں لہٰذا ان کے مجرم کا مالی تاوان اگر نصف عشر (دیت کا بیسواں حصہ) یا اس سے زائد بنتا ہو تو وہ مددگار برادری پر عائد ہوتا ہے بخلاف اس سے کم تر مقدار کے۔ پس اس کے ساتھ اموال کا سا سلوک نہیں کیا جانا چاہیئے (جیسا کہ بالغ و عاقل کے ساتھ ہوتا ہے۔)

۴۔ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ ان (بچوں) سے عمد کا تحقق ممکن ہے کیونکہ عمد عبارت ہے قصد سے جو علم پر مبنی ہوتا ہے۔ علم کا تعلق عقل سے ہے اور یہ لوگ (بچے اور پاگل) یا تو بے عقل ہوتے ہیں یا ناقص العقل تو ایسے میں ان سے قصد کا تحقق کیونکر ممکن ہے، یوں وہ نائم (یعنی سوئے ہوئے شخص) کے حکم میں آجاتے ہیں۔ میراث سے محرومی ایک سزا ہے اور وہ سزا کے مستحق (مکلف) نہیں۔ اسی طرح کفارہ، جیسا کہ اس کے نام ہی سے ظاہر ہے، گناہوں کے لیے پردہ (پوش) ہے اور بچوں سے گناہ سرزد ہی نہیں ہوتا (یعنی ان کا کوئی فعل گناہ نہیں قرار پاتا) جس کی پردہ پوشی کے لیے ان پر کفارہ عائد ہو کیونکہ بچے (بنص حدیث) مرفوع القلم ہیں اور اس لیے بھی کہ کفارہ (اپنی مخصوص نوعیت کے لحاظ سے) عبادت اور عقوبت کے درمیان ایک بین بین حیثیت رکھتا ہے کہ ایک لحاظ سے یہ عبادت ہے اور ایک لحاظ سے سزا ہے اور بچوں پر عبادت لازم ہے نہ عقوبت۔

۵۔ کفارہ کا سبب مباح اور حرام کے درمیان ہوتا ہے تاکہ سزا کا تعلق فعل کی جانب حرمت سے ہو اور بچوں کا کوئی فعل جرم نہیں ٹھہرایا جا سکتا کیونکہ جرم (یا جنایت) فعل حرام کے ارتکاب کا نام ہے اور یہ سب کچھ مبنی ہے خطاب تکلیف پر اور بچے احکام شرعیہ کے سرے سے مخاطب ہی نہیں تو ان پر کفارہ کیسے لازم ہو سکتا ہے؟ [1]

---

[1] ملاحظہ ہو الزیلعی ج ۶ ص ۱۳۹، نیز دیکھیئے تکملہ فتح القدیر، ج ۸ ص ۳۲۳

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ثانیاً: دوسری شرط یہ ہے کہ قاتل معصوم الدم ہو۔

یہاں عصمت (خون کی شرعی حرمت) سے مراد مخصوص عصمت ہے بایں طور کہ قاتل ایمان یا (عقد) امان کے ذریعہ عصمت یافتہ ہو، پس اگر کافر حربی کسی کو عمداً مار ڈالے تو اسے مقتول کے قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ وہ احکام شرعیہ کا مکلف (پابند) نہیں ہے بلکہ اسے غیر معصوم (یعنی اسکا خون رائیگاں ہونے کی بناء پر قتل کیا جائے گا یہی وجہ ہے کہ اگر وہ (ارتکاب قتل کے بعد) توبہ کر کے ایمان لے آئے[1] یا امان میں آجائے تو (قصاص میں) قتل نہیں کیا جائے گا۔

ثالثاً: تیسری شرط یہ ہے کہ قاتل (کی جان) مقتول (کی جان) کے مساوی ہو۔

یعنی یہ کہ قاتل مقتول کے ساتھ آزادی اور اسلام میں مساوی ہو یا ان دونوں امور میں اس سے کم تر ہو جیسا کہ عنقریب اس کا بیان آئے گا۔

مبحث دوم

مقتول سے متعلق شرائط

وجوب قصاص کے لیے ضروری ہے کہ مقتول ہر لحاظ سے معصوم الدم ہو یعنی مسلمان ہو یا ذمی مستأمن (پناہ گیر کافر) کی عصمت دم عارضی ہے جو اس کے دار الاسلام سے واپس اپنے علاقے (دار الحرب) کی طرف لوٹ جانے تک باقی رہتی ہے۔

اس مبحث میں ہم حسب ذیل امور سے بحث کریں گے۔

---

[1] ملاحظہ ہو حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر ص ۲۱۰

ایمان عبارت ہے تصدیق سے جو باطنی (قلبی) چیز ہے اس لیے ظاہری عصمت (خون کی حرمت) کا موجب نہیں بنتی گو کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ذریعہ نجات ٹھہرتی ہے۔ ظاہر میں عصمت دم کا موجب تو اسلام یعنی شرعی اعمال و احکام کیلئے انقیاد ہے۔ بناء بریں مصنف کیلئے بہتر یہ تھا کہ یہاں ایمان کی بجائے اسلام کا لفظ استعمال کرتے

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

۱۔ غلام کے قصاص میں آزاد کا قتل۔
۲۔ ذمی کے بدلے مسلمان کو سزائے قتل۔
۳۔ ایک فرد کے قتل کی پاداش میں متعدد اشخاص کا قتل۔
۴۔ بیٹے کے قصاص میں باپ کا قتل۔
۵۔ عورت کے عوض مرد کا قتل۔

اَوّلاً: غلام کے قصاص میں آزاد کا قتل

اس معاملہ میں فقہاء کے درمیان وسیع اختلاف پایا جاتا ہے جس کا اجمالی بیان حسب ذیل ہے

ائمہ احناف ابوحنیفہ ابو یوسف محمد اور زفر رحمہم اللہ کا قول ہے کہ

آزاد اور غلام کے درمیان نفس (کے معاملہ) میں حکم قصاص نافذ ہوگا اعضاء جسمانی کے معاملہ میں نہیں، یوں غلام کے قتل کا قصاص آزاد سے اور آزاد کا قصاص غلام سے لیا جائے گا لیکن غلام کے کسی عضو (کے اتلاف) کا قصاص آزاد سے نہیں لیا جائے گا۔

ان کے دلائل حسب ذیل ہیں

۱۔ ارشاد خداوندی "کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ"[1] میں صرف قتل نفس کے قصاص کا حکم ہوا ہے قتل سے کم تر مظالم اور جراحات (زخموں) کے احکام (اس آیت میں) بیان نہیں ہوئے اور قتل کی سزا کے بارے میں جو آیات قرآنی وارد ہوئی ان کا حکم سب مقتولین کے لیے عام ہے۔

اور چونکہ اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ آزاد شخص کے قصاص میں غلام کو

---

[1] البقرۃ: ۱۷۸

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

قتل کیا جائے گا۔ لہٰذا یہ بھی لازم ہو جاتا ہے کہ غلام کے عوض آزاد کو قتل کیا جائے کیونکہ آیت قصاص (کے حکم) کا غلام کو شامل ہونا طے شدہ امر ہے اور اس سلسلہ میں غلام قاتل اور غلام مقتول کے درمیان کوئی تفریق نہیں کی گئی، اس لیے قصاص کا حکم غلام کی دونوں حالتوں (یعنی بطور قاتل اور مقتول) کو محیط ہے۔

۲۔ آیت شریفہ "ولکم فی القصاص حیاۃ یا اولی الالباب[1] (یعنی اے ارباب دانش! تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے) سے عیاں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قصاص کا حکم اس لیے دیا ہے کہ اس میں ہمارے لیے زندگی ہے، اور اس آیت کا خطاب آزاد اور غلام دونوں کو شامل ہے کیونکہ "اولی الالباب" (عقلمند ہونا) کی صفت دونوں میں موجود ہے۔ جب حکم (قصاص) کی علت سب میں (یکساں طور پر) پائی جاتی ہے تو پھر حکم کا بعض افراد پر اقتصار (خاص کر دینا) جائز نہیں۔

۳۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: "المسلمون تتکافأ دماؤھم" یعنی تمام مسلمانوں کے خون مساوی ہیں (لہٰذا ان سب کے خونوں کا بدلہ لیا جائے گا)۔ اس حدیث کا مفہوم غلاموں اور آزاد اشخاص سب کے لیے عام ہے جس میں بغیر کسی دلیل کے تخصیص جائز نہیں۔

۴۔ حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا یحل دم امرئ مسلم یشھد ان لا الٰہ الا اللہ و ان محمدا رسول اللہ الا باحدی ثلث: التارک للاسلام المفارق للجماعۃ والثیب الزانی، والنفس بالنفس۔

یعنی کسی مسلمان کا خون حلال نہیں ہے۔ جو یہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود

---

[1] البقرۃ ۱۷۹

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

نہیں اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، بجز تین صورتوں کے جو اسلام سے پھر جائے اور جماعت مسلمین سے خارج ہو جائے، جو شادی شدہ ہو کر زنا کرے اور جو کسی جان کو قتل کر دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد پاک میں غلام اور آزاد کے درمیان تفریق کیے بغیر جان کے بدلے جان (قصاص) کا حکم دیا ہے اور یہ، بنی اسرائیل پر نازل کردہ حکم قصاص کے بھی مطابق ہے۔ چنانچہ حدیث سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

۱۔ یہ کہ، بنی اسرائیل پر قصاص کا جو حکم نافذ تھا وہ ہمارے لیے بھی اسی طرح باقی ہے۔

۲۔ تمام نفوس انسانی کے وجوب قصاص کے حکم میں یکساں شامل ہونے کو یہ حدیث خود مکتفی ہے۔

۵۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ العمد قود الا ان یعفو ولی المقتول یعنی قتل عمد مستوجب قصاص ہے (کہ جو شخص عمداً قتل کیا جائے اس کے قاتل پر قصاص نافذ ہوگا) الا یہ کہ مقتول کا ولی (قصاص) معاف کر دے۔ یہ حدیث دو امور پر دلالت کرتی ہے۔

۱۔ ہر قتل عمد میں قصاص کا واجب ہونا جس سے غلام کو بالارادہ قتل کرنے والے پر بھی قصاص کا حکم ثابت ہوتا ہے۔

۲۔ قتل کے بدلے وجوب مال کی نفی، کیونکہ اگر قصاص کے ساتھ اختیار کی بنیاد پر مال بھی واجب ہوتا تو حدیث میں صرف قصاص کے ذکر پر اکتفاء نہ کیا جاتا۔

۶ شریعت اسلامیہ میں غلام کا خون بھی ہمیشہ کے لیے محفوظ قرار دیا گیا ہے اس کے خون کی حرمت وقت گزرنے کے ساتھ مرتفع نہیں ہوتی اور اگر وہ قاتل کی

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اولاد یا اس کا مملوک نہ ہو تو اس معاملہ (قصاص) میں آزاد کے مشابہ قرار پاتا ہے لہٰذا ان دونوں (آزاد قاتل اور غلام مقتول) کے درمیان قصاص جاری ہوگا، چنانچہ جس طرح آزاد شخص کے قتل سے (بوجہ اس کی عصمت دم کے) غلام پر قصاص واجب ہے اسی طرح غلام کے قتل سے آزاد قاتل پر بھی قصاص واجب ہے۔ کیونکہ علت قصاص (عصمت دم) یہاں بھی موجود ہے۔

۷ جن فقہاء نے غلام کے قصاص میں آزاد کے قتل کی نفی کی ہے وہ اس کی علت غلام کا نقصان ٹھہراتے ہیں جبکہ (حقیقت یہ ہے کہ) قصاص فی النفس کے معاملہ میں مساوات کا اعتبار نہیں بلکہ قتل سے کم تر جرائم کے قصاص میں اس مساوات کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر دس افراد مل کر ایک شخص کو قتل کریں تو اس ایک مقتول کے بدلے قصاص میں ان سب کو قتل کر دیا جائے گا اس معاملہ میں مساوات کو ضروری نہ سمجھا جائے گا۔ اسی طرح اگر ایک تندرست سلیم الاعضاء شخص کسی مفلوج، مریض اور اپاہج انسان کو قتل کر دے تو اس سے بھی قصاص لیا جائے گا۔ نیز عورت کے قتل کی پاداش میں مرد کو تہ تیغ کر دیا جاتا ہے حالانکہ عورت (مرد کے مقابلہ میں) عقل اور دین کے اعتبار سے ناقص ہے اور اس کی دیت بھی مرد کی دیت سے کم تر (نصف) ہے۔ تو یہیں سے ثابت ہو جاتا ہے کہ قتل نفس کی صورت میں وجوب قصاص کے لیے قاتل اور مقتول کے درمیان مساوات کا اعتبار نہیں کیا جاتا بلکہ ناقص شخص کے قصاص میں کامل شخص کو قتل کر دیا جاتا ہے۔

البتہ قتل سے کم تر جسمانی مظالم کے قصاص میں مساوات (اور برابری) کا لازماً اعتبار کیا جاتا ہے کیونکہ بالاتفاق ایک صحیح و سالم ہاتھ کو مفلوج ہاتھ کے بدلے

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

نہیں کاٹا جائے گا جبکہ بیمار اور کمزور جان کے قتل کا بدلہ صحیح اور تندرست جان سے لیا جائیگا[1]

---

[1] ملاحظہ ہو احکام القرآن للجصاص، ج ۱ ص ۵۹۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد "الحر بالحر.... الآیہ" حکم قصاص کی تاکید کے لیے ہے۔ شعبی اور قتادہ کا بیان ہے کہ دو عرب قبیلوں کے درمیان لڑائی ہو گئی جس قبیلے کو برتری حاصل تھی وہ کہنے لگے ہم اپنے غلام مقتول کے عوض تمہارے آزاد شخص اور اپنی مقتول عورت کے بدلے تمہارے مرد کے قتل سے کم پہ راضی نہ ہوں گے، اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت "کتب علیکم القصاص فی القتلی الحر بالحر والعبد بالعبد والانثی بالانثی۔" نازل فرما کر ان کے ارادے کو باطل ٹھہرایا اور صرف قاتل سے قصاص لینے کے حکم کی تاکید فرمائی کیونکہ وہ لوگ قاتل کے علاوہ دوسرے شخص کو قتل کر دیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں اس (زیادتی) سے منع فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پاک سے بھی یہی مراد ہے کہ من اعتی الناس علی اللہ یوم القیامۃ ثلاثۃ: رجل قتل غیر قاتلہ و رجل قتل فی الحرم و رجل اخذ بذحول الجاھلیۃ یعنی قیامت کے روز تین اشخاص کو خدا کا سب سے زیادہ مخالف قرار دیا جائے گا: وہ شخص جو قاتل کے علاوہ دوسرے کو قتل کرے، وہ شخص جو حرم کے اندر قتل کا ارتکاب کرے اور وہ شخص جو عہد جاہلیت کی سی کینہ پروری اختیار کرے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد: "الحر بالحر والعبد بالعبد" (لفظ قتلی کے) عموم میں داخل ایک حصے اور جزو کی تفسیر کر رہا ہے نہ کہ اس عموم کی تخصیص، کیا تم نہیں دیکھتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "الحنطۃ بالحنطۃ مثلا بمثل" اور حدیث میں صرف چھ اجناس کے ذکر کا یہ مقصد نہیں (جیسا کہ سب مانتے ہیں) کہ سود کا حکم صرف انہی چھ اجناس سے مختص ہے اور ان کے علاوہ دیگر اجناس میں سود جاری نہیں ہوتا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد "الحر بالحر" اوپر بیان ہونے والے حکم قصاص کے لیے لفظ "کتب علیکم القصاص فی القتلی" کے عموم کی نفی نہیں کرتا۔ اور یہ موقف کہ ارشاد پاک "الحر بالحر" نہ تو قصاص کے عمومی حکم کی تخصیص کرتا ہے اور نہ ہی آیت میں غیر مذکور افراد سے قصاص کی نفی کرتا ہے اس امر سے تقویت پاتا (بقیہ حاشیہ ۹۱ پر)

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ثانیاً: ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں غلام اور آزاد شخص کے درمیان ان تمام جراحات (زخموں) میں قصاص واجب ہے جن میں قصاص کا نفاذ ممکن ہو۔

ثالثاً: ابن وھب امام مالکؒ سے نقل کرتے ہیں کہ آزاد اور غلام کے مابین کسی قسم کے زخموں میں کوئی قصاص نہیں، غلام کو آزاد کے بدلے قتل کیا جائے گا لیکن غلام کا قصاص آزاد سے نہیں لیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مقتولوں کے قصاص میں مساوات کی شرط لگائی ہے اور آزاد و غلام کے درمیان مساوات مفقود ہے کیونکہ غلامی جو کہ کفر کے آثار میں سے ہے (اس کی حیثیت گھٹا کر) مملوکیت کی ذلت اس پر مسلط کر دیتی ہے [1]

رابعاً: لیث بن سعد کا قول یہ ہے کہ اگر غلام مجرم (قاتل) ہو تو اس سے قصاص لیا جائے گا لیکن غلام کے قصاص میں آزاد کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ ان کی رائے میں اگر غلام کسی آزاد شخص کو مار ڈالے تو مقتول کے وارث کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ (مقتول کے بدلے میں) اس غلام کو لے کر اپنا مملوک بنا لے۔

خامساً: امام شافعی کے نزدیک غلام کو قتل کرنے پر آزاد شخص سے قصاص نہیں لیا جائے گا کیونکہ ارشاد خداوندی "الحر بالحر والعبد بالعبد" میں غلام کو غلام کے

(حاشیہ صفحہ) ہے کہ آزاد کے بدلے میں غلام اور مرد کے قصاص میں عورت کے قتل پر بھی فقہاء کا اتفاق ہے، تو یہ ثابت ہو گیا کہ "الحر بالحر" کے کلمات لفظ انفسی کے عموم کی نفی نہیں کرتے۔

(دیکھئے۔ احکام القرآن للجصاص۔ ج ۱ ص ۱۵۶

---

[1] دیکھئے احکام القرآن، مؤلفہ ابن عربی، ج ۱ ص ۶۴، مالکیہ کے نزدیک کوئی آزاد مسلمان، کسی غلام یا کافر کو غفلت میں دھوکہ سے مار ڈالے تو اس وتارت قصد کے باعث اسے قصاص میں قتل کر دیا جائے گا۔

11940

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

مقابلے میں اور آزاد کے مقابلے میں آزاد کو رکھا گیا ہے اور اس تقابل سے لازم آتا ہے کہ کسی آزاد کو غلام کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا۔ اور پھر یہ ہے کہ قصاص کی بنیاد فریقین کے مابین مساوات (ہم مرتبہ ہونے) پر ہے اور یہ مساوات آزاد اور غلام کے درمیان نہیں پائی جاتی کیونکہ آزاد (مرتبہ میں) مالک اور غلام مملوک ہوتا ہے اور مالکیت قدرت کی نشانی ہے جب کہ مملوکیت عجز و درماندگی کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ضرب اللہ مثلا عبدا مملوکا لا یقدر علی شیٔ[1] یعنی اللہ تعالیٰ نے ایک مثال بیان فرمائی ہے کہ ایک بندہ جو دوسرے کا مملوک ہے خود کسی چیز پر قدرت و اختیار نہیں رکھتا۔

پس ان دونوں کے مابین مساوات نہیں ہے[2]

غلام کے بدلے آقا کا قتل

اس معاملہ میں بھی فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے

۱۔ فقہاء کی ایک قلیل تعداد اس طرف گئی ہے کہ غلام کے قتل کی پاداش میں اس کے آقا کو قتل کیا جائے گا۔ ان کا دلائل حسبِ ذیل ہیں۔

ا۔ ارشاد خداوندی "کتب علیکم القصاص فی القتلی الحر بالحر الآیہ کا ظاہری عمومی مفہوم۔

ب۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: فمن اعتدیٰ علیکم فاعتدوا علیہ[3] یعنی جو کوئی تم پر زیادتی کرے تم اس پر (بعینہٖ اسی طرح) زیادتی کرو جس طرح

---

[1] النحل: ۷۵

[2] ملاحظہ ہو: المہذب ج ۲ ص ۱۷۳، نیز دیکھیے: الزیلعی، ج ۶ ص ۱۰۳

[3] اس آیت کا تعلق قوموں (کے باہمی معاملات) سے ہے، افراد (کے باہمی رویہ) سے متعلق اس قسم کا حکم سورۂ شوریٰ کی اس آیت میں دیا گیا ہے کہ وجزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا، یعنی برائی کا بدلہ اسی کے برابر برائی ہے (بدلہ بقدر جنایت ہونا چاہیے)

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اس نے تم پر کی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: المسلمون تتکافاء دماء ھم۔ یعنی تمام مسلمانوں کے خون (حرمت میں) برابر ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے: "من قتل عبدہٗ قتلناہ ومن جدع عبدہٗ جدعناہ" یعنی جو شخص اپنے غلام کو قتل کرے گا ہم (سزا کے طور پر) اسے قتل کریں گے اور جو اپنے غلام کے کسی عضو (ناک، کان، وغیرہ) کا اتلاف کرے گا ہم بھی اس کے (اسی) عضو کا اتلاف کریں گے۔

۲۔ عام فقہاء کا موقف یہ ہے کہ آقا اپنے غلام کے قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ ان کے دلائل یہ ہیں۔

۱۔ ارشاد خداوندی: "کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ [1]" کے ظاہری مفہوم میں غلام کے بدلے آقا کے جواز قتل پر کوئی دلیل نہیں ملتی کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد پاک: "ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیہ سلطانا [2]" (یعنی جو شخص ناحق قتل کیا گیا ہم نے اس کے ولی کو غلبہ واختیار عطا کر دیا ہے) کی رو سے قصاص کا حق ولی مقتول کو دیا ہے اور غلام کا ولی اس کی زندگی میں اور موت کے بعد (دونوں حالتوں میں) اس کا آقا ہوتا ہے کیونکہ غلام (خود) کسی شئے کا مالک نہیں ہوتا بلکہ اس کی ہر چیز، اس کے آقا کی ہوتی ہے اور یہ ملکیت وراثت کی جہت سے نہیں آتی (بلکہ حقیقی اور ابتدائی ہوتی ہے) پس اگر آقا اپنے غلام کو قتل کر دے تو اسے خود اپنی ہی ذات سے قصاص لینے کا حق

---

[1] البقرۃ: ۱۷۸

[2] بنی اسرائیل: ۳۳

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

حاصل نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ بمنزلہ اس شخص کے ہے جو اپنے مورث کو قتل کر کے مستحق قصاص اور محروم وراثت ٹھہرتا ہے کیونکہ جو چیز وارث کو حاصل ہوتی ہے وہ مورث کی ملکیت سے اس کی طرف منتقل ہوتی ہے اور قاتل چونکہ وراثت سے محروم ہو کر اجنبی بن جاتا ہے اس لیے اس پر غیر کی خاطر قصاص واجب ہوتا ہے لیکن غلام کسی چیز کا مالک ہی نہیں ہوتا جو اس کے آقا کی طرف (بطور وراثت) منتقل ہو۔

ارشاد باری تعالیٰ: "ضرب اللہ مثلا عبدا مملوکا لا یقدر علی شیٔ [1]" یعنی اللہ نے مثال بیان فرمائی ہے، ایک غلام ہے دوسرے کی ملک، خود کچھ مقدور نہیں رکھتا، میں غلام کی ملکیت کی مطلقاً نفی کی گئی ہے جو ہر چیز کو شامل ہے پس یہ روا نہیں کہ غلام کو کسی دوسرے شخص پر کسی شئے کا استحقاق حاصل ہو کیونکہ وہ خود غیر کی ملک میں داخل ہے۔ اور آقا اگر غلام کی خاطر (غیروں پر) واجب ہونے والے حقوق کا مستحق (ولی) ہوتا ہے تو بھی اسے اپنے آپ کے خلاف (غلام کی خاطر) حق قصاص حاصل نہیں ہوتا۔

ج: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیہ [2] یعنی جو کوئی تم پر دست درازی کرے تم بھی اسی طرح اس پر دست درازی کرو۔ یہ جائز نہیں کہ اس آیت کے خطاب میں آقا بھی شامل ہو جب کہ خود اس نے اپنے غلام پر قتل کے ذریعہ زیادتی کی ہو کیونکہ وہ اپنے غلام کو قتل کر کے اور اپنی ملک کا اتلاف کر کے خود اپنی ہی ذات پر زیادتی

---

[1] النحل: ۷۵۔

[2] البقرہ ۱۹۴۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کا مرتکب ہوا ہے اور اسے اپنے آپ سے قصاص لینے کا حکم نہیں دیا جا سکتا اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ کسی دوسرے شخص کو اس سے قصاص لینے کا مخاطب بنایا جائے کیونکہ آقا نے اس (دوسرے) شخص پر زیادتی کا ارتکاب نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ نے زیادتی کا بدلہ لینے کا حق صرف مضرت رسیدہ شخص کو دیا ہے۔

باقی رہی حدیث: من قتل عبدہ قتلناہ (یعنی جو اپنے غلام کو قتل کرے گا ہم بھی اسے قتل کر دیں گے) تو یہ حضرت ابن عباسؓ اور اوزاعیؒ سے عمرو بن شعیب اور ان کے باپ، دادا کے واسطہ سے مروی اس حدیث سے معارض ہے جس میں آیا ہے کہ ایک شخص نے اپنے غلام کو عمداً قتل کر دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کوڑے لگوائے، ایک سال کے لیے جلا وطن کر دیا اور مسلمانوں (کے اموال) میں (سے) اس کا حصہ ختم کر دیا لیکن اسے قصاص کی سزا نہ دی تو یہ حدیث، اس پہلی حدیث کے ظاہری مفہوم کی نفی کر دیتی ہے [1]

ابن عربی اس کی تعلیق میں رقم طراز ہیں۔ بعض لوگوں کو جہالت نے یہاں تک پہنچا دیا کہ وہ کہنے لگے آقا کو اس کے غلام کے قصاص میں قتل کیا جائے گا اور اس سلسلہ میں حسن اور بصرہ کے واسطے سے ایک حدیث بھی روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من قتل عبدہ قتلناہ۔ حالانکہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ اور ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: من قتل مظلوما فقد

---

[1] ملاحظہ فرمائیے: احکام القرآن للجصاص، ج ۱ ص ۱۵۹

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

جعلنا لولیه سلطانا[1] (یعنی جو ناحق قتل کیا گیا ہم نے اس کے ولی کو قاتل پر اختیار عطا کر دیا ہے) یہاں (غلام کے معاملہ میں) ولی اس کا آقا ہے تو اسے اپنے آپ پر کیونکر تسلط و اختیار دیا جا سکتا ہے؟

اور پھر تمام فقہاء اس امر پر متفق ہیں کہ اگر آقا اپنے غلام کو (بلا قصد) قتل کر دے تو اس سے غلام کی قیمت (بطور تاوان) وصول کر کے بیت المال میں نہ رکھی جائے گی اور عمرو بن شعیب اپنے باپ، دادا کے واسطے سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنے غلام کو عمداً قتل کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے اس سے قصاص نہ لیا بلکہ کوڑوں، ایک سال کی جلاوطنی اور مسلمانوں میں اس کا حصہ ختم کر دینے کی سزا دی۔

قرطبی کہتے ہیں: میں کہتا ہوں حدیث جسے ابن عربی نے ضعیف قرار دیا ہے بالکل صحیح ہے اس کی تخریج نسائی اور ابو داؤد نے کی ہے اور اس کا متن بایں الفاظ مکمل ہوتا ہے کہ: ومن جدعه جدعناه ومن اخصاه اخصیناه یعنی اور جو شخص اپنے غلام کے کسی عضو کا اتلاف کرے گا ہم بھی اس کا وہ عضو کاٹ دیں گے اور جو اسے خصی کر دے گا ہم بھی اسے خصی کریں گے۔

امام بخاریؒ، علی بن المدینی سے نقل فرماتے ہیں کہ سمرہ سے حسن کا سماع (حدیث) صحیح و ثابت ہے اور یہ حدیث قابل عمل ہے۔ اور امام بخاری کہتے ہیں میں اسی رائے کو اختیار کرتا ہوں۔ پس اگر یہ حدیث صحیح نہ ہوتی تو یہ (دو جلیل القدر) امام اسے قبول نہ کرتے اور اس سلسلہ میں ان دونوں کی رائے تمہارے لیے

---

[1] بنی اسرائیل: ۳۳۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کافی (اور حجت) ہے۔ لہٰذا آقا اپنے غلام کے قصاص میں قتل کیا جائے گا جیسا کہ امام نخعی کا قول ہے اور امام ثوری سے بھی ایک قول ایسا ہی مروی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حسن نے سمرہ سے عقیقہ سے متعلق حدیث کے علاوہ اور کوئی حدیث نہیں سنی۔

ثانیاً: ذمی کے بدلے مسلمان کو سزائے قتل

اس معاملہ میں شریعت کا حکم بیان کرنے سے پیشتر یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حربی، مستامن اور ذمی کے بارے میں فقہ کی روشنی میں تفصیلی گفتگو کر لی جائے۔

حربی، مستامن اور ذمی

حربی (دارالحرب کا باشندہ) وہ کافر ہے جو مسلمانوں کے برسرپیکار دشمنوں میں سے ہو۔

ذمی۔ وہ غیر مسلم جو (اسلامی ریاست میں مسلمانوں کے ساتھ) احکام اسلام کا تابع ہو (کر مشترک شہریت قبول کر لے)۔

مستامن، (دارالحرب کا وہ غیر مسلم باشندہ جو امان لے کر ایک محدود مدت کے لیے اسلامی مملکت میں آیا ہو)

حکم یہ ہے کہ کوئی امان لے کر دارالاسلام میں داخل ہو تو اسے وہاں ایک (قمری) سال سے زائد عرصہ تک قیام کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی واضح ہے کہ اگر وہ اسلامی علاقہ میں سال بھر (یا اس سے زائد عرصہ) مقیم رہے تو اس پر جزیہ عائد کر دیا جائے گا (اور وہ ذمی بن جائے گا) کیونکہ اصول یہ ہے کہ کوئی کافر دارالسلام میں بجز غلامی یا جزیہ کے دائمی (مستقل) اقامت کا حق نہیں رکھتا۔ کیونکہ جاسوسی یا کفار کی (خفیہ) مدد وغیرہ سے مسلمانوں کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ لیکن اسے دارالاسلام میں مختصر مدت کے لیے ٹھہرنے کی اجازت دی جا سکتی ہے کیونکہ ایسا نہ کرنے سے تجارت اور لوگوں کے منافع پر زد پڑتی ہے۔ اور میری رائے میں اس مختصر مدت (قیام) کے دوران بھی اس کی شدید نگرانی کی

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

جانی چاہیئے۔

اور اس کی یہ مدت (امان) دارالاسلام کی طرف روانگی کے وقت سے شمار کی جائے گی نہ کہ دارالاسلام میں داخل ہونے کے وقت سے [1]

امام کو یہ حق حاصل ہے کہ اگر مصلحت دیکھے تو مستأمن کے لیے دارالاسلام میں اقامت کی سال سے کم مدت، مثلاً ایک ماہ دو ماہ یا کم و بیش، مقرر کر دے جس کے بعد اسلامی مملکت میں قیام سے وہ ذمی بن جائے گا۔ بعض فقہاء لکھتے ہیں کہ مستامن اگر ایک سال تک دارالاسلام میں مقیم رہے تو از خود ذمی بن جائے گا اگرچہ امام نے اسے حکم نہ بھی دیا ہو کہ اتنے عرصے تک رہنے پر اسے واپس لوٹنے کا حق نہ رہے گا اور وہ ذمی بن جائے گا۔

نیز حسب ذیل امور میں سے کسی ایک کی بنا پر بھی مستأمن، ذمی بن جاتا ہے

۱۔ حربی عورت (جب کہ دارالاسلام میں پناہ لے کر آئی ہو) اگر کسی ذمی سے شادی کر لے تو اپنے شوہر کے ساتھ رہائش اختیار کرنے کی پابندی قبول کر لینے کے باعث ذمیہ بن جائے گی۔ لیکن اگر کوئی حربی (مستأمن) مرد کسی ذمی عورت سے شادی کر لے تو اس شادی کی بنا پر ذمی نہیں بن جائے گا۔ کیونکہ اس نے اپنی بیوی کے ساتھ دارالاسلام میں رہائش رکھنے کی پابندی اختیار نہیں کر لی بلکہ اسے طلاق دے سکتا ہے۔

۲۔ اگر مستأمن خراجی[2] زمین خرید لے اور اس پر خراج عائد کر دیا جائے تو ذمی بن جائے گا بعض فقہاء کہتے ہیں وہ محض خراجی زمین کی خرید ہی سے

---

[1] عصر حاضر میں مستأمن کی مدت (امان) کا حساب اسکے دارالاسلام میں داخلے کے وقت سے لگایا جانا چاہیئے

[2] آج کل کسی ریاست میں غیر ملکی اجنبیوں کے لیے زرعی زمین کی ملکیت ممنوع ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ذمی قرار پا جائے گا کیونکہ جب اس نے مذکورہ زمین خرید لی تو شریعت اسلامیہ کا حکم خراج اس پر (نظری لحاظ سے) عائد ہو گیا اور وہ اسلام کے اس ایک حکم کا تابع (ملتزم ہو) کر ذمی کی حیثیت اختیار کر) گیا [1]

اور مسلمانوں پر فرضیت زکوٰۃ کے مقابلے میں ذمیوں پر (حفاظت جان کی ذمہ داری کا بدل) جزیہ عائد کیا گیا ہے تاکہ مسلمان اور ذمی اس معاملہ میں مساوی حیثیت اختیار کر لیں کیونکہ وہ دونوں فریق ایک ہی (اسلامی) ریاست کی رعایا ہونے کے ناطے ایک سے حقوق سے بہرہ ور اور منافع حکومت سے یکساں متمتع ہیں ۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ذمیوں پر اس حفاظت اور رعایت کے بدلے جزیہ عائد فرمایا ہے جو انہیں دارالاسلام میں اسلامی ریاست کی طرف سے حاصل ہے ۔

اور یہ جزیہ پر سر اس ذمی شخص پر واجب ہے جو اگر مسلمان ہوتا تو اس پر جہاد فرض ہوتا ۔ چنانچہ جزیہ صرف عاقل و بالغ مرد پر عائد ہوتا ہے ، عورت ، بچے ، مسکین نابینا ، اپاہج ، پاگل ، آفت رسیدہ اور کام کرنے کی اہلیت سے عاری شخص پر لاگو نہیں ہوتا [2]

دارالاسلام میں اسلام قبول کرنیوالے مستامن کا قتل

اگر کوئی شخص

---

[1] دیکھیے الزیلعی : ۳ : ۲۶۹ ؛ نیز فتح القدیر : ۴ : ۳۵۲ نیز ملاحظہ ہو ابن عابدین : ۳ : ۳۸۱ ۔

[2] دیکھیے کتاب "النظم الاسلامیہ" مصنفہ حسن ابراہیم حسن اور علی ابراہیم حسن ، ص ۲۰۱ ۔ مناسب یہ ہے کہ ذمیوں پر عائد جزیہ کو ان (شہری) ٹیکسوں کے مقابل قرار دیا جائے جو مسلمانوں پر عائد کیے جاتے ہیں کیونکہ زکوٰۃ (ایک عبادت ہے جس) کے مصارف خاص (اور متعین) ہیں جن سے تجاوز روا نہیں جبکہ جزیہ اور ٹیکس ریاست کے عمومی مصالح میں خرچ کیے جاتے ہیں

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کسی ایسے حربی کو خطاءً قتل کر دے جو امان لے کر دارالاسلام میں آیا اور پھر مسلمان ہو گیا ہو تو قاتل کی مددگار برادری مقتول کی دیت، امام کو ادا کرے گی کیونکہ اس نے ایک معصوم الدم شخص کو قتل کیا ہے جو قتل خطاء کے احکام پر مبنی نصوص شرعیہ کے اطلاق میں شامل ہے۔ اور ظاہر ہے کہ امام یہ دیت مسلمانوں کے بیت المال میں داخل کر دے گا۔

لیکن اگر قتل بالارادہ سرزد ہوا ہو تو ایسی صورت میں امام کو اختیار ہے چاہے تو قاتل کو قصاص میں قتل کر دے اور چاہے تو دیت وصول کر لے بشرطیکہ قاتل دیت دینے پر رضامند ہو تاہم امام کو (بلاعوض) معاف کرنے کا حق حاصل نہیں۔

صورت مذکورہ میں امام کو حق قصاص تو اس لیے حاصل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: السلطان ولی من لا ولی لہ۔ یعنی جس کا کوئی ولی نہ ہو، سلطان اس کا ولی ہے۔ اور جب سلطان ولی مقتول ٹھہرا تو اسے حق قصاص بھی حاصل ہے۔

باقی رہی دیت پر مصالحت تو اس سلسلہ میں روایت ہے کہ جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا تو آپ کے صاحبزادے، عبید اللہ نے ہرمزان کو خنجر ہاتھ میں لیے دیکھا اور اسے اپنے والد کا قاتل سمجھ کر مار ڈالا۔ جب حضرت عثمان رضؓ خلیفہ مقرر ہوئے تو حضرت علیؓ نے ان سے کہا عبید اللہ بن عمرؓ سے (ہرمزان کے قتل کا) قصاص لیجیے۔ آپؓ نے جواب میں فرمایا۔ کل عبید اللہ کے والد شہید کر دیے گئے اور آج میں اسے قتل کر دوں؟ ایسا ہرگز نہیں کر سکتا)۔ لیکن مقتول (یعنی ہرمزان) چونکہ اہل حرب میں سے تھا اور میں اس کا ولی ہوں۔ لہٰذا میں اس کی طرف سے (قصاص) معاف

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کرتا ہوں اور دیت ادا کرتا ہوں۔

نیز دیت رعایا کے لیے قصاص سے زیادہ نفع بخش ہے اور یہ عوام کا حق ہے جبکہ امام اس سلسلہ میں ان کا نائب ہے لہٰذا اسے یہ حق حاصل ہے کہ دیت پر مصالحت کر لے لیکن اسے بلا عوض معاف کرنے کا اختیار حاصل نہیں کیونکہ اس کا یہ معاف کرنا غیر (یعنی رعایا) کے حق میں کار خیر بجا لانا ہے جس کا اسے حق حاصل نہیں امام کی ولایت تو نظر و رعایت کی ولایت ہے اور بغیر عوض غیر کا حق ساقط کر دینا نظر مصلحت کے منافی ہے [1]

بلاد حرب میں اسلام قبول کرنے والے حربی کا قتل

اگر کوئی برسر جنگ شخص دار الاسلام میں اسلام قبول کر لے اور پھر اسے کوئی مسلمان عمداً یا خطاً قتل کر دے اور قصاص و دیت لینے کے لیے اس کے قابل مسلمان ورثہ بھی موجود ہوں تو (بھی) قاتل پر کچھ واجب نہیں بجز قتل خطاء میں کفارہ کے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فان کان من قوم عدو لکم وھو مؤمن فتحریر رقبۃ مؤمنۃ [2] یعنی اگر مقتول ایسی قوم سے ہو جو تمہاری دشمن ہے لیکن وہ (مقتول) خود مؤمن ہو تو (صرف) ایک مسلم غلام آزاد کرنا (واجب) ہے

یہ قتل خطاء کا حکم ہے اور حربی مسلمان کے قتل عمد میں قصاص واجب نہ ہونے پر کوئی دلیل قائم کرنے کی بجائے اس مسئلہ میں آیۂ مذکورہ کے اندر موجود دلالت پر اکتفاء اس لیے کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قتل خطا کے تمام تفصیلی احکام بیان فرما دیئے ہیں چنانچہ ارشاد

---

[1] حاشیۃ الشلبی بر زیلعی، ج ۳ ص ۲۰۔

[2] النساء: ۹۲۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

باری تعالیٰ ہے: "ومن قتل مؤمناً خطاء فتحریر رقبة مؤمنة ودیة مسلمة الیٰ اھلہ الا ان یصدقوا"[1] یعنی جو شخص کسی مؤمن کو غلطی سے قتل کر دے تو (اس کی سزا یہ ہے کہ) ایک مسلمان غلام آزاد کرے اور مقتول کے وارثوں کو اس کا خون بہا ادا کرے الا یہ کہ وہ لوگ خود ہی، خون بہا معاف کر دیں۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے مؤمن کے قتل خطاء کی صورت میں دیت اور کفارہ دونوں واجب فرمائے ہیں اور اس کے بعد یہی کہنے پر اکتفاء کیا کہ اگر مقتول مؤمن ہو مگر ایسی قوم سے تعلق رکھتا ہو جو تمہاری دشمن ہے تو اس کا کفارہ مسلمان غلام کا آزاد کرنا ہے، جس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ اس صورت میں صرف اسی قدر واجب ہے۔

امام شافعیؒ کہتے ہیں حربی مؤمن کے قتل خطاء کی صورت میں دیت اور قتل عمد میں قصاص واجب ہے اور یہی امام مالک اور امام احمد کا بھی موقف ہے کیونکہ قاتل نے ایسے شخص کا خون بہایا ہے جو اسلام قبول کر کے معصوم الدم بن چکا تھا۔ اور یہی رائے عقل سے قریب اور واجب الاتباع معلوم ہوتی ہے۔

اہل الذمہ پر شریعت اسلامیہ کی خصوصی عنایت و رعایت

مجاہد نے جنادہ کے واسطے سے عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: من قتل قتیلا من اھل الذمة لم یرح رائحة الجنة وان ریحھا لیوجد من مسیرة اربعین عاما۔ یعنی جس نے ذمیوں میں سے کسی شخص کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھے گا حالانکہ اس کی خوشبو چالیس برس کی مسافت سے بھی محسوس ہوتی ہے۔ ابوبکرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

---

[1] النساء: ۹۲

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من قتل نفسا معاھدۃ بغیر حلھا حرم اللہ علیہ الجنۃ ان یشمھا۔ یعنی جس نے کسی معاہد کو ناحق قتل کیا اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت کی خوشبو سونگھنا بھی حرام کر دیا ہے۔

اسامہ بن زیدؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہد (ذمی) کی دیت، مسلمان کی دیت کے برابر، ہزار دینار مقرر فرمائی۔ (عباسی سلطنت کے قاضی القضاۃ امام ابو یوسف، خلیفہ ہارون الرشید کو (نصیحت فرماتے ہوئے کتاب الخراج میں) لکھتے ہیں: امیر المومنین! اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے۔ ضروری ہے کہ آپ اپنے نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد ذمہ میں آئے ہوئے اشخاص کے ساتھ انتہائی نرمی کا برتاؤ کریں۔ اور ان کا خیال رکھیں تاکہ ان پر ظلم و زیادتی نہ ہو، انہیں کسی قسم کی ایذا نہ پہنچے اور نہ انہیں طاقت سے زیادہ (کسی چیز کا) مکلف بنایا جائے اور نہ ہی ان کے اموال میں سے بجز حق واجب کے کچھ لیا جائے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: من ظلم معاھدا او کلفہ فوق طاقتہ فانا حجیجہ۔ یعنی جس نے کسی معاہد پر ظلم کیا یا استطاعت سے زیادہ اس پر بار ڈالا تو میں خود (قیامت کے روز اس کی طرف سے) مسلمان کے خلاف جھگڑوں گا۔

حضرت عمرؓ نے بوقت وفات (خلافت کے بارے میں جو وصیت فرمائی اس میں) کہا: اوصی الخلیفۃ من بعدی بذمۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یوفی لھم بعھدھم، وان یقاتل من ورائھم وان لا یکلفوا فوق طاقتھم۔ یعنی میں اپنے بعد والے خلیفہ کو ذمیوں کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ ان سے کئے گئے وعدے پورے کیے جائیں، ان کی طرف سے دفاع کیا جائے اور انہیں طاقت سے زیادہ مکلف نہ کیا جائے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

نافع ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری ارشاد مبارک یہ تھا: "احفظونی فی ذمتی" یعنی میرے عہد و ذمہ کی حفاظت کرنا۔

حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول منقول ہے کہ اہل ذمہ کے اموال میں کچھ واجب نہیں مگر جو ان کی حالت سے فزوں تر ہو۔ [۱]

اگر کوئی پناہ گزین (مستأمن) دارالاسلام میں کچھ مال (ترکہ میں) چھوڑ کر مر جائے اور اس کے ورثہ دارالحرب میں ہوں تو اس کا مال اس کے ورثہ کے لیے روکے رکھا جائے گا تا آنکہ وہ مال لینے آجائیں لیکن اس سلسلہ میں ان پر شہادت قائم کرنا ضروری ہوگا پھر اگر وہ اہل الذمہ میں سے گواہ لے آئیں تو استحساناً یہ گواہی قبول کر لی جائے گی کیونکہ ان کے لیے گواہ مہیا کرنا ممکن نہیں۔ لہٰذا ان کی یہ شہادت بمنزلہ عورت کی گواہی کے ہوگی ان معاملات میں جن پر مرد آگاہ نہیں ہو سکتے۔ [۲]

ذمی کے بدلے مسلمان کے قتل میں فقہاء کا اختلاف

اس معاملے میں فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ جس کا بیان حسب ذیل ہے:

اوّلاً: امام ابوحنیفہ، ابویوسف، محمد بن حسن، زفر، ابن ابی لیلیٰ اور عثمان البتی کا موقف یہ ہے کہ ذمی کے قصاص میں مسلمان کو قتل کیا جائے گا۔

اور اس سلسلہ میں ان کے اہم [۳] دلائل حسب ذیل ہیں:

---

[۱] دیکھیے النظم الاسلامیہ، ص ۲۰۳۔ یعنی ذمیوں سے حرف اتنا ہی (جزیہ و ٹیکس وغیرہ) لیا جائے گا جو ان کی حاجت سے زیادہ ہو۔

[۲] دیکھیے فتح القدیر، ج ۴ ص ۳۵۲

[۳] دیکھیے احکام القرآن للجصاص، ج ۱ ص ۱۶۴

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

قرآنی دلائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ"[1] یعنی تم پر مقتولوں کے باب میں قصاص فرض کیا گیا ہے۔ یہ حکم تمام مقتولوں کے بارے میں عام ہے۔

۲۔ فرمان باری تعالیٰ: "الحر بالحر والعبد بالعبد والانثی بالانثی"[2] (دینی امتیاز سے قطع نظر) سب افراد کو شامل ہے۔

۳۔ ارشاد پاک: فمن عفی لہ من اخیہ شیئ[3] (جس میں مقتول کے وارث کو قاتل کا بھائی ٹھہرایا گیا ہے) اس آیت (کتب علیکم القصاص...الخ[4]) کے جزو اول کے کفار کی بجائے مسلمانوں سے اختصاص پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ یہاں اخوت سے نسبی اخوت مراد ہونا بھی محتمل ہے اور پھر یہ بھی ہے کہ کسی عام لفظ کے بعض افراد پر کسی خاص حکم کے عطف سے، پورے حکم (معطوف علیہ) کی تخصیص پر دلالت نہیں ملتی۔

۴۔ فرمان باری تعالیٰ: "وکتبنا علیھم فیھا ان النفس بالنفس..."[5] کا عموم کافر کے قصاص میں مسلمان کے قتل شامل ہے اور یہ حکم ہمارے لیے بھی

---

[1] البقرہ: ۱۷۸
[2] ایضاً
[3] ایضاً
[4] ایضاً
[5] المائدہ: ۴۵

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ہے کیونکہ انبیائے سابقین علیہم السلام کی شرائع کا کوئی حکم جب تک اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے منسوخ نہ کیا ہو تو وہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت قرار پا کر ہمارے لیے بھی واجب الاتباع ٹھہرتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے: ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیه سلطانا یعنی جو ناحق قتل کیا گیا ہم نے اس کے ولی کو قاتل پر اختیار دیا ہے۔ اور یہ بالاتفاق ثابت ہے کہ یہاں سلطان یعنی غلبہ و تسلط سے مراد قصاص ہے اور آیۃ مذکورہ میں مسلمان کی تخصیص نہیں لہٰذا یہ حکم (قصاص) مسلم و کافر دونوں کو شامل ہے۔

سنت سے دلائل

۱۔ اوزاعی، یحییٰ بن ابی کثیر، اور ابی مسلمہ کے واسطے سے حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا: الا ومن قتل له قتیل فولیه بخیر النظرین بین ان یقتص او یاخذ الدیۃ یعنی جس کا کوئی آدمی قتل ہو جائے تو اسے (ولی مقتول کو) دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے، چاہے تو قاتل سے قصاص لے اور چاہے تو اس مقتول کا خون بہا وصول کر لے۔

سعید المقبری اور ابو شریح الکعبی کے واسطے سے اسی کی مانند حضور صلی علیہ وسلم کی ایک اور حدیث بھی مروی ہے [۱]

۲۔ حضرت عثمانؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عائشہؓ سے روایت

---

[۱] دیکھیے کتاب الدیات للضحاک مطبوعہ ۱۳۷۳ھ، ص ۲۵

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لایحل دم امری مسلم الا باحدی ثلث: زنا بعد احصان، وکفر بعد ایمان، وقتل نفس بغیر نفس۔ یعنی کسی مسلمان کا خون (بہانا) حلال نہیں بجز تین حالتوں کے شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کرنا کفر (ارتداد) اور ناحق کسی کو قتل کرنا

۳۔ حضرت ابن عباس سے مروی حدیث نبوی ہے: العمد قود۔ یعنی قتل عمد موجب قصاص ہے۔ مذکورہ بالا تینوں احادیث کا مفہوم عام ہے جو ذمی کے بدلے مسلمان کے قتل کو بھی شامل ہے۔

۴۔ ربیعہ، عبدالرحمٰن بن البیلمانی کے واسطہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان سے ذمی کا قصاص لیا اور فرمایا: انا احق من وفی بذمتہ "یعنی میں اس کی ذمہ داری پوری کرنے کا سب سے زیادہ حقدار ہوں" طحاوی نے سلیمان بن شعیب اور محمد بن المنکدر کے واسطے سے اسی مفہوم کی حدیث روایت کی ہے۔

۵۔ اہل حیرہ میں سے ایک (ذمی) شخص حضرت علیؓ کے پاس آیا اور عرض کی اے امیر المومنین! ایک مسلمان نے میرے بیٹے کو قتل کر دیا ہے اور میرے پاس گواہی بھی موجود ہے۔ گواہوں نے آکر قتل کی گواہی دی اور وہ تزکیۃ الشہود کے معیار پر بھی پورے اترے تو حضرت علیؓ نے مسلمان قاتل کو گرفتار کروا کر حیری کے ہاتھ میں تلوار دی اور فرمایا: قاتل کو ٹیلے تک اس مدعی کے ہمراہ لے جاؤ تاکہ یہ اسے قصاص میں قتل کر دے۔ ہم نے اسے تلوار دے دی ہے۔ وہ حیری شخص آہستہ آہستہ پیچھے چلنے لگا تو قاتل کے بعض رشتہ داروں نے اس سے کہا: کیا تو اس پر آمادہ ہے دیت لے لے جس سے تو زندگی گزار سکے اور ہم پر تیرا احسان بھی ہو جائے وہ اس پر آمادہ ہو گیا اور تلوار نیام میں ڈال کر

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؓ نے اسے واپس آتے دیکھ کر فرمایا: شاید ان لوگوں نے تجھے گالیاں اور دھمکیاں دی ہوں گی۔ وہ کہنے لگا۔ بخدا نہیں بلکہ میں نے (قصاص کے بدلے) دیت اختیار کر لی ہے۔ آپؓ نے فرمایا تو (اپنی مصلحت) بہتر جانتا ہے۔

راوی کہتا ہے پھر حضرت علیؓ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ ہم نے ان ذمیوں کو یہ حقوق دیئے ہیں تاکہ ان کے خون کی حرمت ہمارے خون کی حرمت کی طرح اور انکی دیت (کا وجوب) ہماری دیت (کے وجوب) کی مانند ہو۔

۶۔ روایت ہے کہ ایک مسلمان نے کسی نصرانی کو قتل کر دیا اور اس (مقتول) کا بھائی حضرت عمرؓ کی خدمت میں (مقدمہ لے کر) حاضر ہوا۔ آپؓ نے (فیصلہ میں) لکھا کہ قاتل کو قصاص میں قتل کر دیا جائے۔ لوگ پکارنے لگے کہ اسے جبیر! (اسے) قتل کر دے اور وہ کہنے لگا: یہاں تک کہ غصہ آجائے اس پر حضرت عمرؓ نے یہ فیصلہ لکھا کہ قاتل سے قصاص نہ لیا جائے بلکہ مقتول کی دیت ادا کر دی جائے

۷۔ ابوبکر بن ابی شیبہ ابن ادریس، دیت اور حکم کے واسطے سے حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ قول روایت کرتے ہیں کہ کوئی مسلمان اگر یہودی یا نصرانی (ذمی) کو قتل کر دے تو اس سے قصاص لیا جائے گا

۸۔ حمید الطویل بن میمون، مہران سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے حکم دیا کہ یہودی (ذمی) کے قصاص میں مسلمان کو قتل کیا جائے اور ان کا یہ فیصلہ نافذ کر دیا گیا۔ اس سلسلہ میں زیلعی نے (حنفی موقف کی توجیہ میں) ایک منطقی بات کہی ہے جسے یہاں بیان کیا جاتا ہے۔

"قصاص کا مدار، جیسا کہ اوپر غلام کے احکام میں بیان ہوا، حرمت خون میں مساوات پر ہے۔ اور (ذمی و مسلمان کے درمیان) یہ مساوات اس

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

نظر سے متحقق ہے کہ دار (الاسلام) میں دونوں متحد ہیں اور دونوں کو مکلف بنایا گیا ہے کیونکہ تکلیف کی شرط یہ ہے کہ جن امور کا انسان کو مکلف بنایا جائے ان کی انجام دہی کی اسے قدرت بھی حاصل ہو تو کوئی انسان اسباب ہلاکت کی مدافعت کیے بغیر تکلیفات شرعیہ سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا اور اسباب ہلاکت کا دفعیہ ممکن نہیں بجز اس کے کہ اس پر زیادتی حرام ٹھہرائی جائے اور ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ کفر فی ذاتہ سبب اہدار (خون مباح کرنے والا) ہے بلکہ ایسے کافر کا خون مباح ہے جو مسلمان سے برسرپیکار ہو کیا تم نہیں دیکھتے کہ جو کافر جنگ میں حصہ نہ لے رہا ہو اسے قتل کرنا جائز نہیں جیسے شیخ فانی اور بچے وغیرہ۔ اسی طرح ذمیوں سے معاہدہ کے ذریعہ ان کے خون کی حرمت قائم ہو گئی ہے۔ اور وہ بلاشبہ معصوم الدم ہو گئے ہیں یہی وجہ ہے کہ ذمی کے قصاص میں ذمی کو قتل کیا جاتا ہے اور اگر ذمی کی عصمت میں کوئی خلل ہوتا تو آپس میں بھی انکا قصاص نافذ نہ ہوتا جیسا کہ مستامن کے بدلے مستامن کو قتل نہیں کیا جاتا"

حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ذمی جذیہ اس لیے ادا کرتے ہیں تاکہ ان کے خون ہمارے خون کی طرح اور ان کے اموال ہمارے اموال کی طرح محترم ہوں اور یہ تبھی ممکن ہے کہ ان کے خون و مال بغیر کسی شبہ کے مسلمانوں کے خون و مال کی طرح معصوم (واجب الحفاظت) ہوں یہی وجہ ہے کہ ذمی کا مال چوری کرنے پر مسلمان کو قطع ید کی سزا دی جاتی ہے اور اگر اس کی حرمت میں شبہ ہوتا تو ہرگز مسلمان کا ہاتھ نہ کاٹا جاتا جس طرح کہ مستامن (پناہ گزیں غیر مسلم) کا مال چوری کرنے پر اسے قطع ید کی سزا نہیں دی جاتی۔ چونکہ مال نفس کے تابع ہے اور اس کی حیثیت نفس سے کم تر ہے اس لیے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

جب ذمی کا مال چوری کرنے کی سزا مسلمان پر لاگو ہوتی ہے تو اسے قتل کرنے کی سزا (قصاص) بدرجۂ اولیٰ مسلمان پر عائد ہونی چاہیئے کیونکہ نفس کی حیثیت مال سے بلند تر ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ غلام پر اپنے آقا کا مال چوری کرنے کی سزا لاگو نہیں ہوتی لیکن اسے قتل کرنے کی صورت میں غلام سے قصاص لیا جاتا ہے۔ اس (مؤقف) کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ کوئی ذمی اگر کسی دوسرے ذمی کو قتل کرنے کے بعد قصاص کے نفاذ سے پیشتر مسلمان ہو جائے تو اس بات پر اجماع ہے کہ قاتل سے قصاص لیا جائیگا یہ کافر کے بدلے مسلمان ہے پس اگر ابتداً ہی ذمی کے قصاص میں مسلمان کا قتل کیا جانا واجب نہ ہوتا تو قاتل کے مسلمان ہو جانے کی صورت میں یہ وجوب قصاص قائم نہ رہتا کیونکہ خون کی حرمت و عظمت کے پیش نظر ایسے معاملات میں حالت بقاء کا اعتبار ابتداء ہی کے حوالے سے کیا جاتا ہے۔ (یعنی خون کے معاملہ میں جس صورت کا ابتداً جو حکم ہوتا ہے، بعد میں وہ صورت پیدا ہو جانے پر بھی وہی حکم عائد ہوتا ہے کیا تم نہیں دیکھتے اگر کوئی مسلمان کسی مسلمان کو زخمی کر دے اور مجروح (زخم رسیدہ شخص) مرتد ہو کر مر جائے تو مسلمان سے قصاص ساقط ہو جائے گا (کہ حکم قصاص میں ابتداء ہی سے جراحت رساں کو مسلمان اور مجروح کو مرتد تصور کیا جائے گا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی: لا یقتل مسلم بکافر ولا ذو عھد فی عھدہ۔ یعنی کسی مسلمان کو کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی معاہد کو جب تک وہ عہد میں رہے، میں کافر سے مراد حربی ہے (نہ کہ مطلق کافر) اسی لیے حدیث میں ذو عہد یعنی ذمی کا مسلم پر عطف کیا گیا ہے اور تقدیر کلام یہ ہے کہ کوئی مسلمان یا ذمی شخص کسی کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ ذمی اگر ذمی کو قتل کر دے تو اس سے قصاص لیا جائے گا پس یہ معلوم ہو

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

گیا کہ حدیث پاک میں کافر سے مراد حربی ہے کیونکہ یہ حربی ہی ہے (جس کا خون مباح ہے اور) جس کے بدلے کسی مسلمان یا ذمی کو قتل نہیں کیا جاتا اور یہ کہنا درست نہیں کہ حدیث کا مطلب ہے لا یقتل ذو عهد مطلقاً۔ یعنی ذمی کا قتل کسی صورت جائز نہیں۔

اور مذکورہ حدیث پاک میں کافر سے حربی مراد ہونے پر دلیل یہ ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا، میں ابولؤلؤ کے پاس سے گزرا اس کے ساتھ ہرمزان بھی تھا میں نے جب انہیں غور سے دیکھا تو وہ خوف سے مضطرب ہو گئے اور ان کے درمیان سے ایک خنجر گرا جس کے دو سرے تھے اور پکڑنے کی جگہ درمیان میں تھی۔ عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ مجھ سے یہ بات سن کر تلوار لے کر چل پڑے، ہرمزان کو باہر بلایا اور کہا چلو میرا گھوڑا دیکھ آئیں خود اس کے پیچھے چلنے لگے آگے جا کر اس پر تلوار مار دی تلوار کی ضرب لگتے ہی وہ کہنے لگا: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ پھر میں نے جفینہ نصرانی کو بلایا جب وہ میرے پاس آیا تو اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان تلوار مار کر قتل کر دیا، پھر عبیداللہ نے ابولؤلؤ کی چھوٹی بیٹی کو قتل کر دیا۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے آپ نے مہاجرین اور انصار کو جمع کیا اور فرمایا مجھے اس شخص (عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ) کے قتل کے بارے میں رائے دو جس نے دین میں یہ (فتنہ کی) حالت پیدا کر دی ہے۔ مہاجرین اور انصار ایک ہی رائے پر متفق ہو کر آپ رضی اللہ عنہ کو عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ پر شدت کرنے اور ان سے قصاص لینے پر اصرار کرنے لگے لیکن حضرت عمرو بن العاص نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے محفوظ رکھا کہ یہ معاملہ آپ کی بیعت خلافت کے بعد وقوع پذیر ہو بلکہ یہ اس وقت پیش آیا جب آپ کو لوگوں پر کوئی اختیار حاصل نہ تھا اس لیے آپ عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

سے درگزر فرمائیں۔ چنانچہ لوگ حضرت عمرو بن العاصؓ کے خطبے پر متفرق ہو گئے (اور حضرت عثمانؓ عبیداللہ بن عمرؓ کے قتل سے رک گئے) ہرمزان اور جفینہ دونوں کافر تھے اور مہاجرین حضرت عبیداللہ بن عمرؓ سے ان کا قصاص لینے کا مشورہ دے رہے تھے پس یہ محال ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حدیث مذکورہ میں کافر سے ذمی مراد لیں اور پھر مہاجرین، جن میں حضرت علیؓ بھی شامل تھے جو اس حدیث کے راوی بھی ہیں، عبیداللہ بن عمرؓ کو ذمی کے بدلے قتل کرنے کا مشورہ دیں۔ تو یہ ثابت ہو گیا کہ حدیث میں کافر سے مراد حربی ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ حضرت عثمانؓ عبیداللہ کو ابولولؤ کی بیٹی کے قصاص میں قتل کرنا چاہتے تھے نہ کہ جفینہ اور ہرمزان کے قصاص میں، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو آپؓ تصریح فرماتے کہ میں عبیداللہ سے دختر ابی لؤلؤ کا قصاص لینا چاہتا ہوں اس لیے بھی کہ لوگ آپؓ کے سامنے یہ کہہ رہے تھے: "ابعدهما الله" یعنی اللہ ان دونوں مقتولین کو دور کرے (گویا لوگوں کے اذہان میں یہ صاف تھا کہ عبیداللہ سے جفینہ اور ہرمزان کا قصاص لینا مقصود ہے) پس یہ محال ہے کہ لوگ حضرت عثمانؓ کے سامنے دونوں مقتولوں کا ذکر کریں اور آپ اپنا مقصود بیان نہ فرمائیں، یوں یہ ثابت ہو گیا کہ وجوب قصاص میں قاتل اور مقتول کی ہر اعتبار سے مساوات معتبر نہیں بلکہ صرف عصمت دم میں مساوات کا اعتبار ضروری ہے۔[1]

اور کفر کے سبب کافر کے حال میں پیدا ہونے والا نقص اس کی عصمت کو زائل نہیں کرتا لہٰذا اس کا کوئی اعتبار نہیں جیسا کہ دیگر تمام اوصاف ناقصہ مثلاً جہل، فسق اور نسوانیت وغیرہ کا اعتبار نہیں، اور ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ اس کا کفر مبیح دم ہے بلکہ اصل میں کافر کا برسرپیکار ہونا اس کا خون مباح ہونے کا سبب ہے۔

---

[1] الزیلعی، ج ۶ ص ۱۰۴، ص ۱۰۵۔ نیز دیکھیے دار الحکام، ج ۲ ص ۹۱۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ثانیاً: ابن شبرمہ، ثوری، اوزاعی اور شافعی رحمہم اللہ کا موقف یہ ہے کہ ذمی کے بدلے مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ امام مالک اور لیث بن سعد کہتے ہیں کہ اگر مسلمان نے ذمی کو دھوکہ سے قتل کیا ہو تو اس سے قصاص لیا جائے گا ورنہ نہیں [1]

ان اصحاب کے اہم دلائل حسب ذیل ہیں۔

۱۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لا یقتل مسلم بکافر ولا ذو عھد فی عھدہ۔ یعنی کسی مسلمان کو کافر کے بدلے قتل کیا جائے گا اور نہ معاہد کو بحالت معاہدہ۔

شعبی (ابو) جحیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: میں نے حضرت علیؓ سے دریافت کیا کہ آیا آپ (لوگوں) کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قرآن کے علاوہ بھی کوئی علم ہے؟ آپؓ نے فرمایا۔ اس ذات کی قسم جس نے بیج کو اگایا اور جاندار کو پیدا کیا ہمارے پاس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اور کچھ نہیں سوا قرآن کے اور جو کچھ اس صحیفہ میں ہے میں نے پوچھا کہ اس صحیفہ میں کیا ہے؟ فرمایا۔ خونبہا اور قیدی کی رہائی (کا حکم) اور یہ کہ کسی مسلمان کو کافر کے عوض قتل نہیں کیا جائے گا۔

قیس بن عباد سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں میں اور الاشتر حضرت علی رضی اللہ عنہ

---

[1] امام مالک اور لیث بن سعد کے نزدیک قتل الغیلۃ (دھوکہ سے مار ڈالنے) کی یہ سزا ہے قتل حد ہے نہ کہ قصاص اور احناف اس کی تردید میں کہتے ہیں کہ وہ آیات اور احادیث جن میں قتل کا ذکر آیا ہے وہ دھوکے سے اور بغیر دھوکے کے قتل میں کوئی تفریق نہیں کرتیں نیز ان نصوص کا عموم قصاص کے طور پر قتل کرنے کا تقاضا کرتا ہے نہ کہ بطور حد قتل کرنے کا۔ دیکھیے، احکام القرآن للجصاص، ج ۱ ص ۱۶۶،

احکام القرآن لابن العربی ج ۲ ص ۶۲۲، المہذب ج ۲ ص ۱۷۳۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کے پاس گئے۔ میں نے عرض کیا کہ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے کوئی ایسی بات کہی ہے جو عام لوگوں کو نہیں بتائی۔ فرمایا۔ نہیں۔ سوا اس کے جو میری اس تحریر میں ہے۔ آپ نے اپنی تلوار کی میان سے ایک تحریر نکالی جس میں یہ درج تھا کہ مسلمان کے خون (قصاص و دیت کے وجوب میں) برابر ہیں ان کا ادنیٰ ترین فرد بھی (سب کی طرف سے امان دینے کا) ذمہ اٹھا سکتا ہے، مسلمان دوسرے تمام اشخاص کے مقابلے میں ایک ہاتھ کا حکم رکھتے ہیں (یعنی باہم متحد ہیں اور غیروں پر بالادستی رکھتے ہیں) کسی کافر کے عوض مسلمان کو قتل نہ کیا جائے اور نہ کسی معاہد کو بدوران عہد (کیونکہ ان دونوں کے درمیان کوئی مساوات نہیں۔)

عمرو بن شعیب نے اپنے باپ، دادا کے واسطے سے فتح مکہ کے روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی روایت کیا ہے کہ: لا یقتل مؤمن بکافر ولا ذو عھد فی عھدہٖ یعنی کافر کے بدلے مؤمن کو قتل نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی معاہد کو جب تک کہ وہ عہد و ضمان میں ہے۔

یہی حدیث پاک حضرت ابن عمرؓ سے بھی مروی ہے۔

۲۔ بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فتح مکہ کے خطبہ میں فرمایا تھا۔ (واقعہ یہ ہوا کہ) بنو خزاعہ کے ایک شخص نے بنو ہذیل کے ایک آدمی کو عہد جاہلیت کی عداوت میں قتل کر دیا تھا (اس موقع پر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الا ان کل دم کان فی الجاھلیۃ فھو موضوع تحت قدمی ھاتین، لا یقتل مؤمن بکافر ولا ذو عھد فی عھدہ یعنی زمانہ جاہلیت کے خون (کے سارے انتقام) میرے پاؤں کے نیچے ہیں (یعنی کالعدم

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

ہیں)۔ کسی مؤمن کو کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا۔ اور نہ کسی معاہد کو بحالت معاہدہ یعنی کسی ایسے کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا جسے عہد جاہلیت میں مار ڈالا تھا، یوں یہ ارشاد پاک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی تفسیر بن گیا کہ "جاہلیت کا ہر خون میرے قدموں تلے (یعنی منسوخ) ہے، اس لیے کہ یہ دونوں باتیں ایک ہی خطاب میں مذکور ہیں۔

سیرت نگاروں کا بیان ہے کہ معاہدۂ ذمہ کا آغاز فتح مکہ کے بعد ہوا۔ اس سے پیشتر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین کے درمیان خاص خاص مدت کے لیے بعض معاہدے طے پاتے تھے جن کا مطلب یہ نہیں تھا کہ مشرکین اسلام کے ذمہ اور اقتدار میں داخل ہو کر ذمی بن) گئے ہیں۔

بناء بریں فتح مکہ کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی: لا یقتل مؤمن بکافر میں کافر سے مراد ایسے ہی معاہدین تھے نہ کہ ذمی جن کا ہنوز کوئی وجود تھا، اس سے یہ دلیل بھی نکلتی ہے کہ ارشاد مبارک ولا ذو عھد فی عھدہ صرف حربی (کے بدلے قتل معاہد کی نفی) سے خاص ہے۔

اور دو وجوہ کی بناء پر تقدیر کلام ولا یقتل ذو عھد فی عھدہ (یعنی مطلقاً قتل معاہد کی حرمت) قرار دینا درست نہیں۔

۱۔ چونکہ حدیث میں مذکور قتل سے مراد بطور قصاص قتل کرنا ہے اور یہی (نوع) قتل حدیث کے دوسرے حصے ولا ذو عھد فی عھدہ میں بھی مضمر ہے اس لیے یہاں (دوسرے حصہ میں) مطلق قتل کو مضمر ثابت کرنا درست نہیں کیونکہ حدیث پاک میں پہلے کہیں مطلق

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

قتل کا ذکر نہیں کیا گیا بلکہ قتل بطور قصاص (ہی) کا ذکر آیا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ حدیث کے اس آخری حصّہ میں بھی قتل بطور قصاص ہی مضمر مانا جائے اور تقدیر کلام یہ قرار پائے کہ لا یقتل مؤمن بکافر و لا یقتل ذو عھد فی عھدہ بالکافر المذکور۔ یعنی مؤمن کو کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے اور نہ ہی کسی معاہد کو بحالت معاہدہ، کافر مذکور کے بدلے قتل کیا جائے۔ اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ وہ کافر جس کے عوض معاہد کو قتل نہیں کیا جائے گا، کافر حربی ہے تو یہ بھی واضح ہو گیا کہ ارشاد پاک: لا یقتل مؤمن بکافر میں کافر سے مراد حربی ہے۔ اس بنا پر (یہ کہنا درست ہے کہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مؤمن کو ذمی کے بدلے قتل کرنے کی نہی ثابت نہیں۔

یہ امر معلوم ہے کہ خود معاہدہ کا وجود ہی معاہد کو بحالت عہد قتل کرنا حرام ٹھہراتا ہے پس اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کو معاہد کے بدوران عہد مطلق قتل کی ممانعت پر محمول کیا جائے تو اس سے حدیث کا جزو ولا ذو عھد فی عھدہ بے فائدہ ہو کر رہ جائے گا جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام مبارک کا حکم یہ ہے کہ اسے ایسے معنی پر محمول کیا جائے جو فائدہ رکھتا ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو بے فائدہ قرار دینا یا اس کے حکم کو ساقط کر دینا (ہرگز) جائز نہیں۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ حضرت علیؓ سے ابو جحیفہ کی روایت میں ولا ذو عھد فی عھدہ کے الفاظ موجود ہیں لہٰذا لا یقتل مومن بکافر کا مفہوم (عام) ہے کہ مؤمن کو کسی بھی کافر (خواہ ذمی ہی کیوں نہ ہو) کے بدلے قتل نہ کیا جائے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایک

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ہی حدیث ہے جسے ابوجحیفہ نے بھی حضرت علیؓ کے اس صحیفہ کی طرف منسوب کیا ہے جس کی طرف قیس بن عباد نے منسوب کیا ہے البتہ بعض راویوں نے معاہد کا ذکر حذف کر دیا ہے جبکہ اصل حدیث ایک ہی ہے (اور اس میں یہ ذکر موجود ہے) اس کے باوجود اگر خود حدیث میں یہ دلیل نہ بھی ملتی ہو کہ (یہ متعدد روایات) ایک ہی حدیث کی ہیں تب بھی ان دونوں باتوں (ولا یقتل مؤمن بکافر، اور ولا ذو عھد فی عھدہ) کو ایک ہی بار وارد ہونے پر محمول کرنا ضروری ہے کیونکہ ایسا کہیں ثابت نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بار یہ ارشاد فرمایا ایک بار معاہد کا ذکر کیے بغیر اور دوسری بار معاہد کے ذکر کے ساتھ۔

اسی طرح امام شافعیؒ اس بارے میں احناف سے متفق ہیں کہ اگر ذمی کسی دوسرے ذمی کو قتل کرنے کے بعد اسلام قبول کر لے تو اس سے قصاص ساقط نہ ہوگا پس اگر اسلام ابتداءً ہی وجوب قصاص سے مانع ہوتا تو یقیناً وجوب قصاص کے بعد استیفاء سے پیشتر قاتل کے مسلمان ہو جانے سے بھی قصاص ساقط ہو جاتا (حالانکہ ایسا نہیں)۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ بیٹے کو قتل کر دینے سے چونکہ باپ پر قصاص واجب نہیں ہوتا اس لیے اگر بیٹا کسی کی جانب سے باپ کے خلاف قصاص کا وارث بن جائے تب بھی (یہ حکم باقی رہتا ہے اور) قصاص ساقط ہو جاتا ہے (کہ ابوت جس طرح ابتداءً وجوب قصاص سے مانع ہے اسی طرح بعد کی ہر پیش آمدہ صورت میں بھی یہ مانع استیفاء قصاص بن جاتی ہے)۔

اسی طرح اگر کوئی انسان مرتد کو قتل کر دے تو قصاص واجب نہیں ہوتا پس

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اگر اسے مسلمان ہونے کی حالت میں زخمی کر دے اور پھر وہ مرتد ہو کر اسی زخم (کے اثر) سے مرجائے تو (بھی) قصاص ساقط ہو جاتا ہے۔ یوں اس صورت میں ابتداء اور بقاء کا حکم یکساں ہے کہ اگر قصاص واجب نہیں ہوتا تو قتل کرنے کے بعد مسلمان ہو جانے کی صورت میں بھی واجب نہیں ہوتا۔ پھر چونکہ وجوب قصاص کا مقصد ارشاد خداوندی: ولکم فی القصاص حیاۃ کی رو سے انسانوں کی زندگی کی حفاظت اور بقاء ہے اور یہ مقصد ذمی میں بھی متحقق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عہد ذمہ کے ذریعہ ذمی کے خون کو محفوظ و محترم ٹھہرا کر اس کی بقاء کا ارادہ فرمایا ہے اور اس کا تقاضا ہے کہ جس طرح ذمیوں کے آپس میں (ایک دوسرے کو قتل کر دینے پر) قصاص نافذ ہوتا ہے اسی طرح مسلمان اور ذمی کے درمیان قصاص واجب ہو۔

ابن العربی ان اقوال کی تعلیق میں کہتے ہیں: ہمارے اصحاب (مالکیہ) نے اصحاب ابی حنیفہؒ کے مقابلے میں آیت کتب علیکم القصاص فی القتلی الحر بالحر... الخ میں اس تقسیم و تنویع (حر کے بدلے حر، عبد کے بدلے عبد، انثیٰ کے بدلے انثیٰ) کی بناء پر یہ (رائے) اختیار کی ہے کہ آزاد کو غلام کے بدلے قتل نہ کیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حر کی مثال دی تو مقابلے میں اس کے مساوی (حر) کا ذکر کیا اور عبد کے مقابلے میں اس کے مساوی (عبد) کا ذکر کیا ہے، یہ رائے اس امر سے بھی تقویت پائی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک آزاد اور غلام کے اعضاء میں مساوات نہیں ان کے درمیان اطراف میں قصاص جاری نہیں ہوتا اسی طرح ضروری ہے کہ ان کے مابین نفس کا قصاص بھی واجب نہ ہو (جیسا کہ مالکیہ کا موقف ہے)۔ اور بعض لوگوں کو جہالت نے یہاں تک پہنچا دیا کہ وہ کہنے لگے۔ آقا کو اس کے غلام کے قصاص میں قتل کیا جائے گا اور اس ضمن میں حسن اور سمرہ کے واسطے رسول اکرم صلی اللہ

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی روایت کر ڈالا کہ: من قتل عبدہ قتلناہ یعنی جو اپنے غلام کو قتل کرے گا ہم بھی اسے قتل کر دیں گے) حالانکہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

اور ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ من قتل مظلوما فقد جعلنا لولیہ سلطانا (یعنی جو ناحق قتل کیا گیا ہم نے اس کے ولی کو قاتل پر بالادستی عطا کی ہے) یہاں (غلام کے معاملہ میں) ولی اس کا آقا ہے تو اسے اپنے آپ پر کیونکہ تسلط و اختیار دیا جا سکتا ہے؟ اگر یہ کہا جائے کہ (یہاں اختیار) امام کو سونپا گیا ہے، تو جواب یہ ہوگا کہ امام کو تو یہ حق اس وقت ملتا ہے جب کہ پہلے عام مسلمانوں کے لیے بطور میراث ثابت ہو، امام ان سے نیابت کے طور پر یہ حق حاصل کرتا ہے کیونکہ وہ مسلمانوں کا وکیل ہے اور یہاں آقا کی طرف سے اس کا نائب بننا محال ہے لہٰذا (آقا) سے غلام کا) قصاص نہ لیا جائے گا۔ اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے والانثی بالانثی حالانکہ عورت کے بدلے مرد کو قتل کیا جاتا ہے، تو ہمارا جواب ہوگا کہ یہ امر اجماع سے ثابت ہے جو ایک جداگانہ دلیل ہے، اور اگر ہم اس تقسیم کو چھوڑ دیں تو یہ کہنا پڑے گا کہ مرد کو عورت کے بدلے قتل نہ کیا جائے [1]

۳۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے المسلمون تتکافأ دماءھم یعنی مسلمانوں کے خون باہم مساوی ہیں۔ یہ اصحاب کہتے ہیں اس حدیث (کے مفہوم مخالف) سے عیاں ہے کہ کافر کا خون مسلمان کے خون کے برابر نہیں ہو سکتا۔

احناف اس کی تردید میں کہتے ہیں کہ حدیث نبوی المسلمون تتکافأ

---

[1] احکام القرآن، لابن العربی، ج ۱ ص ۶۲

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

سے اس امر کی نفی نہیں ہوتی کہ غیر مسلم (ذمیوں) کا خون بھی مسلمانوں کے برابر (ہو سکتا ہے کیونکہ ورود حدیث کا مدعا یہ نہیں بلکہ) حدیث کا فائدہ (حکمت) ظاہر ہے یعنی مسلمانوں میں آزاد و غلام، بزرگ و ادنیٰ، اور بیمار و تندرست کے مابین مساوات (دم) کا اثبات۔ حدیث کے فوائد اور احکام یہی ہیں (نہ کہ اس کا مفاد غیر مسلموں کی مسلمانوں سے برابری خون کی نفی ہے)۔

۴۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ اور جو فقہاء آپ کے ساتھ ہیں، آیت: کتبنا علیھم فیھا ان النفس بالنفس والعین بالعین پر اعتماد کرتے ہیں۔ امام شافعیؒ کا اس آیت کے بارے میں یہ مؤقف ہے کہ یہاں ہم سے پہلی شریعت (کے حکم) کی خبر دی جا رہی ہے اور شریعت سابقہ ہمارے لیے شریعت نہیں ہے، جب کہ مالکیہ کہتے ہیں کہ یہ آیت دراصل یہود کی مختلف قبائل کے درمیان اس معاملہ (قصاص) میں امتیازی روش کی تردید کے لیے نازل ہوئی ہے کہ وہ کسی قبیلے سے تو ایک جان کے بدلے ایک ہی جان لیتے اور کسی دوسرے قبیلے سے ایک جان کے عوض دو جانوں کا خون کرتے، باقی رہا ایک نفس کے بدلے ایک نفس کے احوال (مختلفہ) کا اعتبار تو یہ آیت اس سے کوئی تعرض نہیں کرتی اور نہ ہی اس کی خاطر سوق کلام ہوا ہے، بلکہ الفاظ کو ان کے مقاصد پر محمول کیا جائیگا

۵۔ سورۂ بقرہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: "ولکم فی القصاص حیاۃ" یعنی تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے اور "کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ" یعنی تم پر مقتولوں کے باب میں قصاص فرض کیا گیا ہے۔ یہاں لفظ قصاص (قاتل اور مقتول کے درمیان) مساوات کا مقتضی ہے اور مسلم و کافر کے مابین کوئی مساوات نہیں۔ کیونکہ کافر کے ساتھ اس کا خون مباح

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کرنے والا نقص، یعنی کفر موجود ہے، اور ایسا نفس جس کے ساتھ اس کا سبب اہدار موجود ہو، ایسے نفس کے برابر نہیں ہو سکتا جو کہ اباحت دم کے اسباب سے پاک اور اساس عصمت، ایمان سے سرشار ہو۔

۲۔ بعض مالکی علماء کہتے ہیں، ارشاد خداوندی: وکتبنا علیھم فیھا ان النفس بالنفس۔ میں قوم بنی اسرائیل پر فرض کیے گئے اس حکم کی خبر دی گئی ہے کہ ان میں سے ہر نفس (قصاص میں) دوسرے نفس کے مساوی ہے۔ قول صحیح کے مطابق یہ حکم ہم پر بھی لاگو ہے جس کی رو سے ہماری ملت کا ہر فرد، دوسرے فرد کے مساوی ہے باقی رہا ہماری ملت کے ہر فرد کا ان کی ملت کے ہر فرد کے مساوی ہونا تو نہ یہ آیت کا مورد ہے اور نہ ہی مقتضی [1]

اس سلسلہ میں علامہ ابن العربی نے احکام القرآن میں ایک عظیم فقہی مناظرہ کی روداد بیان کی ہے جو ایک حنفی فقیہ اور ایک شافعی فقیہ کے مابین ہوا، وہ کہتے ہیں ۴۸۵ھ میں ایک عظیم حنفی فقیہ جو الزوزنی کے لقب سے معروف ہیں الخلیل کی زیارت کے لیے مسجد اقصیٰ آئے، ہم قبۂ صخرہ کے حرم میں (ان سے ملاقات کے لیے) حاضر ہوئے، شہر کے علماء کرام بھی تشریف لائے۔ معمول کے مطابق ان حنفی فقیہ سے کافر کے بدلے مسلمان کے قتل سے متعلق سوال کیا گیا۔ انہوں نے جواب دیا۔ مسلمان سے کافر (ذمی) کا قصاص لیا جائے گا۔ دلیل مانگی گئی تو فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ: "یا ایھا الذین آمنوا کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ" عام ہے جو ہر مقتول کو شامل ہے اس پر شہر کے معروف شافعی فقیہ عطاء المقدسی ان سے مناظرہ پر آمادہ ہو گئے اور کہنے لگے کہ شیخ حنفی نے جو دلیل پیش کی ہے

---

[1] احکام القرآن، لابن العربی، ج ۲ ص ۶۲۲

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

وہ تین وجوہ سے ان کے لیے حجت نہیں بنتی۔

۱۔ اللہ تعالےٰ نے آیت کتب علیکم القصاص میں (جرم قتل کے) معاوضہ (یعنی قصاص) کے لیے مساوات کی شرط رکھی ہے اور مسلم و کافر کے مابین کوئی مساوات نہیں کہ کفر اس کی حیثیت اور مرتبے کو گھٹا دیتا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے آخری حصے کو پہلے حصے سے مربوط کرتے ہوئے بیان کو تمام آیت کے ساتھ (مکمل) فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہے: کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ الحر بالحر والعبد بالعبد والانثیٰ بالانثیٰ یعنی تم پر مقتولوں کے بارے میں قصاص فرض کیا گیا ہے' آزاد کے بدلے آزاد' غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت پس اگر آزاد کے بدلے میں مملوک ناقص ہے بوجہ غلامی کے جو کفر کے آثار میں سے ہے تو کافر کو مسلمان کے مقابلے میں بدرجۂ اولیٰ ناقص ہونا چاہیئے۔

۳۔ رب کریم کا اس آیت میں ارشاد ہے "فمن عفی لہٗ من اخیہ شیٔ فاتباع بمعروف" یعنی جس کو اس کے بھائی کی طرف سے کوئی چیز معاف کر دی جائے تو بھلائی کے ساتھ تقاضا ہو۔ اور ظاہر ہے کہ مسلم و کافر کے مابین مؤاخات (بھائی چارے) کا کوئی تصور ہی نہیں اس لیے کافر اس آیت کے عموم حکم میں داخل نہیں ہو سکتا۔ الزوزنی نے جواب میں کہا۔ نہیں' بلکہ جو دلیل میں نے پیش کی ہے وہ درست اور حجت ہے اور آپ نے جو اعتراضات کیے ہیں ان میں سے کوئی چیز مجھ پر لازم نہیں آتی۔

چنانچہ یہ قول کہ اللہ تعالیٰ نے قصاص میں مساوات کی شرط رکھی ہے میں تسلیم کرتا ہوں لیکن آپ کا یہ دعویٰ صحیح نہیں کہ مسلمان اور کافر کے درمیان

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

قصاص میں مساوات غیر متحقق ہے بلکہ وہ دونوں اس عصمت وحرمت میں مساوی ہیں جو وجوب قصاص کے لیے کفایت کرتی ہے یعنی دائمی عصمت دم کیونکہ مسلمان کی طرح ذمی کا خون بھی ہمیشہ کے لیے محفوظ ہے اور وہ دونوں دارالاسلام کے باشندے ہیں۔ اس کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ مسلمان ذمی کا مال چوری کرنے پر قطع ید کی سزا کا مستحق ہے جس سے عیاں ہے کہ ذمی کا مال مسلمان کے مال کے برابر (محترم) ہے اس سے ان دونوں کے خون کی مساوات بھی ثابت ہوتی ہے کیونکہ مال کی حرمت تو مالک (کے نفس) کی حرمت سے وابستہ ہے آپ کا یہ قول کہ آیت کا آخری حصہ پہلے حصے سے مربوط کر دیا گیا ہے، ناقابل تسلیم ہے کیونکہ آیت کا پہلا حصہ عام ہے اور آخری خاص، اور آخری حصہ کا خاص ہونا جزو اول کے عموم سے مانع نہیں بلکہ عام وخاص میں سے ہر ایک اپنے حکم پر باقی ہے۔

اسی طرح آپ کا یہ قول بھی غیر مسلم ہے کہ آزاد سے غلام کا قصاص نہیں لیا جاتا بلکہ میرے نزدیک تو اس سے قصاص لیا جائے گا، لہٰذا یہاں آپ نے جس دعویٰ پر اعتماد کیا وہ آپ کے لیے درست (حجت) نہیں۔ رہا آپ کا یہ قول کہ "فمن عفی لہٗ من اخیہ شیء" کا تعلق مسلمان سے ہے تو یہ درست ہے لیکن یہ حکم صرف عفو سے خاص ہے جو وجوب قصاص کے عموم سے مانع نہیں کہ یہ دو مختلف معاملے (وجوب قصاص اور عفو قصاص) ہیں۔ ایک کا عموم دوسرے کے خصوص سے مانع نہیں اور نہ ہی ایک کا خصوص دوسرے کے عموم سے مناقض ہے

یوں اس موضوع پر یہ عظیم فقہی مناظرہ منعقد ہوا جس سے ہم نے بہت سے

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

(علمی) فوائد حاصل کیے [1]

اس سب پر جصاص کی تعلیق یہ ہے کہ:

مقتولوں کے بارے میں وجوب قصاص کا خطاب مسلمانوں سے ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ (قصاص کے لیے) مقتول کا مؤمن ہونا ضروری ہے بلکہ ہمارے لیے عموم لفظ کی پابندی ضروری ہے جب تک کہ تخصیص کی کوئی دلیل قائم نہ ہو جائے اور زیر نظر آیت میں ایسی کوئی دلیل موجود نہیں جو حکم قصاص کو بعض مقتولوں سے خاص کر دے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہاں حکم قصاص کے بعض مقتولوں سے خاص ہونے پر دو وجوہ سے دلالت ملتی ہے۔ ایک تو آیت کے نسق و ترتیب سے کہ فرمایا گیا: فمن عفی لہ من اخیہ شیء فاتباع بالمعروف: یعنی جس کو اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معافی ہو جائے تو بھلائی سے تقاضا ہو۔ اور کافر مسلمان کا بھائی نہیں ہو سکتا لہٰذا ثابت ہوا کہ آیت میں صرف مؤمن مقتولوں کا حکم بیان کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی: الحر بالحر والعبد بالعبد والانثیٰ بالانثیٰ سے اس تخصیص کی ثبوت ملتا ہے۔ تو ہمارا جواب ہوگا کہ یہ دعویٰ دو وجوہ سے غلط ہے۔

۱۔ جب خطاب کا پہلا حصہ عام اور سب کو شامل ہو تو اس پر لفظ خاص کے عطف کا یہ معنی نہیں کہ عام کی تخصیص کر دی گئی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلاثۃ قروء یعنی مطلقہ عورتیں (ماہواری ایام کی) تین میعادوں تک اپنے آپ کو (نکاح ثانی سے) روکے رکھیں۔ تمام طلاق والی عورتوں کے بارے میں عام ہے خواہ انہیں تین طلاقیں

---

[1] احکام القرآن لابن العربی، ج ۱ ص ۶۱

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

دی گئی ہوں یا اس سے کم، پھر اس (عام) پر عطف کرتے ہوئے فرمایا:
فبلغن اجلھن فامسکوھن بمعروف او سرحوھن[1] یعنی (جب تم عورتوں کو طلاق دے چکو) اور وہ اپنی (عدت کی) مدت گزرنے پر پہنچ جائیں تو پھر تمہارے لیے دو ہی راستے ہیں) یا تو (طلاق سے رجوع کر کے) انہیں عزت کے ساتھ روکے رکھو اور یا عزت کے ساتھ رہائی دے دو۔ نیز فرمایا: و بعولتھن احق بردھن فی ذٰلک یعنی ان کے شوہر عدت کی مقررہ میعاد کے اندر انہیں واپس (اپنی زوجیت میں) لینے کے زیادہ حقدار ہیں (بشرطیکہ اصلاح حال کا قصد رکھتے ہوں) (حالانکہ یہ حکم (معطوف) تین طلاقوں سے کم والی عورتوں سے خاص ہے اس کے باوجود طلاق یافتہ عورتوں کی عدت تین حیض ہی ہے۔
دوسری وجہ یہ (احتمال) ہے کہ یہاں اخوت نسبی ہو نہ کہ اخوت دینی، جیسا کہ فرمایا والی عاد اخاھم ھودا یعنی قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا۔
باقی رہا ارشاد پاک: الحر بالحر والعبد بالعبد" تو یہ لفظ " القتلیٰ " کے عموم کی تخصیص نہیں کرتا کیونکہ جب خطاب کا پہلا حصہ خود ہی مکمل ہو اور بیان مفہوم میں اپنے مابعد کا محتاج نہ ہو تو مابعد پر اس کا قصر جائز نہیں[2]

ثالثاً: فرد کے لئے جماعت سے قصاص

اگر چند آدمی مل کر عمداً ایک شخص کو قتل کر دیں تو ان سب سے قصاص لیا

---

[1] یہاں مصنف کو سہو ہوا ہے، یہ مذکورہ آیت کا حصہ نہیں اور نہ ہی اس پر معطوف ہے بلکہ یہ اس سے تین آیت بعد میں ہے۔ دیکھیے سورہ بقرہ آیت ۲۲۸ اور ۲۳۱ (مترجم) [2] احکام القرآن للجصاص ج ۱ ص ۱۵۵، ص ۱۵۶

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

جائے گا، یہ امام مالکؒ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا مذہب ہے اور امام احمدؒ سے بھی ایک روایت یہی ہے کیونکہ سیدنا عمرؓ نے (ایک مقدمہ قتل میں تمام شرکائے جرم کو مستوجب قصاص قرار دیتے ہوئے) فرمایا: لو تمالا علیه اهل صنعاء لقتلتهم یعنی اگر تمام اہل صنعاء اس قتل میں شریک ہوتے تو میں ان سب کو قتل کر دیتا۔ پھر یہ بھی ہے کہ اکثر قتل دوسرے کے تعاون سے ہوتا ہے اور چونکہ قصاص کا مقصد ان نادانوں کو زجر و توبیخ (کے ذریعہ ارتکاب قتل سے باز رکھنا) ہے لہٰذا حکمت قصاص کی تکمیل کیلئے ایک مقتول کے بدلے متعدد قاتلین کو قتل کرنا واجب ہے امام مالکؒ نے قسامت کی بناء پر وجوب قصاص) کو اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ قسامت کے ذریعہ صرف ایک ہی شخص سے قصاص لیا جائے گا۔ (دیگر ائمہ کے نزدیک قسامت کی بنیاد پر قصاص نافذ نہیں ہوتا)۔ امام احمدؒ سے دوسری روایت میں یہ منقول ہے کہ فرد کے بدلے جماعت کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ اس صورت میں قصاص کی بجائے دیت واجب ہوگی۔ [1]

حضرت علیؓ نے (طائفہ) حروریہ کو حضرت عبداللہ بن خباب کے قصاص میں قتل کر دیا آپ اس وقت تک ان کے ساتھ جنگ کرنے سے باز رہے جب تک ان سے (سرکشی اور جرم کا) ظہور نہ ہو گیا۔ کہ انہوں نے عبداللہ بن خباب کو اس طرح ذبح کر دیا جس طرح بکری کو ذبح کیا جاتا ہے جب حضرت علیؓ کو اس کی خبر دی گئی تو فرمایا: اللہ اکبر! انہیں ندا دو کہ عبداللہ بن خباب کا قاتل ہمارے حوالے کر دیں۔ وہ تین بار یہی دھراتے رہے کہ ہم میں سے ہر ایک نے اسے قتل کیا ہے اس پر آپؓ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا ان سے بدلہ لو چنانچہ آپؓ نے اور آپ کے اصحاب نے ان سب کو قتل کر دیا۔ اس

---

[1] المیزان للشعرانی، ج ۲ ص ۱۴۱، نیز دیکھئے الفروق للقرافی ج ۴ ص ۱۹۰

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

روایت کو دارقطنی نے اپنی سنن میں بیان کیا ہے۔

ترمذی میں حضرت ابوسعید اور ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لو ان اھل السماء واھل الارض اشترکوا فی دم مؤمن لاکبھم اللہ فی النار "یعنی (بالفرض) اگر تمام اہل آسمان واہل زمین کسی ایک مؤمن کے خون میں شریک ہوں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو جہنم واصل کر دے گا ترمذی نے اس حدیث کو غریب قرار دیا ہے۔

اگر یہ معلوم ہو جائے کہ فرد کے بدلے جماعت پر قصاص عائد نہ ہوگا تو (ہر) شخص کے متعدد دشمن باہم مل کر اسے قتل کر دیں اور اس طرح اپنی (قلبی عداوت کی) تشفی بھی کر لیں (اور سزا سے بھی بچ نکلیں) [1]

داؤد اور اہل ظاہر کہتے ہیں اور امام احمد سے دوسری روایت بھی یہی ہے کہ ایک شخص کے بدلے متعدد اشخاص کو قتل نہیں کیا جائے گا یہی ابن زبیرؓ اور زہری کا بھی قول ہے ان کی دلیل قرآن کریم کا یہ حکم ہے کہ: "وکتبنا علیھم فیھا ان النفس بالنفس والعین بالعین" یعنی ہم نے ان پر یہ فرض کر دیا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ ..... ہے۔

صاحبِ 'نہایہ' فرماتے ہیں کہ یہ حکم استحسان کی بناء پر ہے ورنہ قیاس کی رو سے ان (متعدد شرکائے قتل) پر قصاص عائد نہ ہوگا کیونکہ قصاص میں مساوات کو ملحوظ رکھا گیا ہے اگر سزا میں زیادتی کی جائے تو مجرم پر ظلم ہے اور کمی کی جائے تو مظلوم کی حق تلفی ہے اب یہ ظاہر ہے کہ ایک اور دس میں مساوات نہیں ہے اور یہ بدیہی

---

[1] احکام القرآن للقرطبی، ج ۲ ص ۲۵۲، حروریہ خوارج کے ایک گروہ کا نام ہے جو کوفہ کے قریب ایک مقام 'حروراء' کی نسبت سے حروریہ کہلاتے ہیں۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

امر ہے جسے عقل تسلیم کرتی ہے کہ جب دس میں سے ایک فرد ہی فرد واحد کے مساوی ہو سکتا ہے تو دس اور ایک میں برابری کیونکر ممکن ہے؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: "و کتبنا علیھم فیھا ان النفس بالنفس۔" اس قاعدہ کی تائید کرتا ہے کیونکہ اس سے کئی جانوں کے مقابلے میں ایک جان کو ہم پلہ رکھنے کی نفی ہوتی ہے لیکن اس قیاس کو ایک روایت کی بناء پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ اہل صنعاء میں سے سات افراد نے مل کر ایک شخص کو قتل کر دیا حضرت عمرؓ نے قصاص میں ان سب کے قتل کا حکم دیا اور فرمایا "لو تمالا علیه اهل صنعاء لقتلتهم۔" یعنی اگر صنعاء کے تمام باشندے اس قتل میں شریک ہوئے تو میں ان سب کو قتل کرنے کا حکم دیتا۔ اور صاحب "عنایہ" اس بارے میں کہتے ہیں کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ تم نے جو دلیل عقلی بیان کی ہے اگر اس قیاس کی بنیاد کسی مجمع علیہ امر پر نہ ہو تو شریعت میں اس کا کوئی اعتبار نہیں اور اگر اس کی نوعیت امر مجمع علیہ پر قیاس کی ہو تو یہ اپنے مدِ مقابل قیاس سے (جو کہ جماعت قاتلین پر قصاص) کی نفی کرتا ہے۔ زیادہ (قابل اعتبار) نہیں کیونکہ نفی کا قیاس حکم قرآنی "النفس بالنفس" سے تائید یافتہ ہے۔ اس (شبہ) کا جواب یہ ہے کہ (جملہ شرکائے قتل پر وجوب قصاص کے) اس حکم کی نوعیت انسانوں کے فساد انگیز افعال پر مرتب ہونے والی تمام (شرعی) سزاؤں پر قیاس کی ہے اور یہ اپنے مدمقابل قیاس پر اپنے باطنی اثر یعنی حکمت قصاص کی تکمیل کے ذریعہ تقویت پاتا ہے۔ اور حکم قرآنی "النفس بالنفس۔" یعنی جان کے بدلے جان اس کے منافی نہیں کہ یہ تمام قاتل ایک غیر متجزی روح کے نکالنے میں فرد واحد کی مانند ہیں۔

تکملۂ فتح القدیر میں قاضی زادہ رقمطراز ہیں: میرے نزدیک اس معاملہ میں یوں کہنا حق ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ "ان النفس بالنفس۔" اس حکم (استحسانی) کے منافی اس

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

لیے نہیں کہ آیت میں نفس کی وحدت کے اعتبار پر کوئی دلالت نہیں پائی جاتی بلکہ یہاں تو صرف جنس نفس کے مقابلے میں جنس نفس کا ذکر کیا گیا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ بغیر قتل کے نفس کا قصاص نہ لیا جائے جیسا کہ فرمایا "والعین بالعین والانف بالانف ....." الآیۃ[1] لیکن جیسا کہ اوپر بیان ہوا بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اگر ایک سے زائد افراد چوری کے جرم میں شریک ہوں تو ان سب کو قطع ید کی سزا دینے کے لیے ضروری ہے کہ چوری (کے مال) میں ہر ایک سارق کا حصہ مقدار (سرقہ) کو پہنچ جائے قطع نظر اس (تفریق) کے کہ مسروق وزنی ہو جسے وہ سب مل کر اٹھائیں یا ان میں سے ہر ایک مال مسروق کا کچھ حصہ لے جائے۔

اسی طرح بعض فقہاء کہتے ہیں کہ اگر دو آدمی مل کر کسی شخص کا ہاتھ کاٹ دیں تو ان میں سے کسی پر قصاص عائد نہ ہوگا بلکہ وہ دونوں نصف دیت ادا کریں گے، یہ حنفیہ کا قول ہے[2] جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک ان دونوں سے قصاص لیا جائے گا اس مسئلہ میں شافعیہ کے نزدیک عمومی قاعدہ یہ ہے کہ: "نفس کے بعض حصہ کا قتل بشرطیکہ [illegible] سے پاک ہو، موجب قصاص ہے اسی لیے قتل کے دو شریکوں میں سے ہر ایک پر قصاص واجب ہے حالانکہ وہ (پورے نفس کا نہیں بلکہ) نفس کے بعض حصے کا قاتل ہے[3]

---

[1] فتح القدیر ج ۸ ص ۲۷۸، نیز دیکھیے المہذب ج ۲ ص ۱۷۳، کہا جاتا ہے: "تمالؤ علی الامر" یعنی کسی کام پر ایک دوسرے کی مدد کی اور "مالأت فلانا علی الامر مالأة" کا مطلب ہے میں نے اسکی مدد کی، حضرت علیؓ کا قول ہے: "واللہ ما قتلت عثمانؓ ولا مالأت علی قتلہ" یعنی بخدا میں نے حضرت عثمانؓ کو قتل کیا نہ ان کے قتل میں مدد کی (شرح غریب المہذب نیز دیکھیے المبسوط ج ۹ ص ۱۲۷)

[2] فتح القدیر ج ۸ ص ۲۸۰

[3] المہذب ج ۲ ص ۱۸۴

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

یہی امام مالکؒ اور امام احمدؒ کی بھی رائے ہے کہ ان کے نزدیک اگر چند آدمی مل کر کسی شخص کا ہاتھ کاٹ دیں تو قصاص میں ان سب کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں گے [1]

امام احمدؒ کے اس موقف کی تردید میں کہ ایک مقتول کے قصاص میں متعدد شرکائے جرم کو قتل نہیں کیا جائیگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قصاص میں مساوات کی شرط لگائی ہے اور فرد وجماعت کے مابین مساوات نہیں بالخصوص جبکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: "وکتبنا علیھم فیھا ان النفس بالنفس" یعنی ہم نے تورات میں ان پر یہ حکم لکھ دیا کہ جان کے بدلے جان ہے، مالکیہ نے حسبِ ذیل دلائل پیش کیے ہیں۔

۱۔ (مقتضائے) الفاظ کی رعایت کے مقابلے میں قاعدہ کا پاس کرنا اولیٰ ہے: اگر لوگ یہ جان لیں کہ ایک مقتول کے متعدد قاتلین پر قصاص نہیں تو (انسانی جانوں کا ضیاع عام ہو جائے کہ) چند افراد مل کر اجتماعی شکل میں اپنے دشمنوں کو قتل کر کے قصاص سے بچ نکلیں گے اور اپنے (جذبۂ) عداوت کی تشفی بھی کر لیں گے۔

۲۔ قصاص کا مقصد قاتل کی گردن مارنا ہے قطع نظر اس سے کہ قاتل کون ہے (اور کتنے ہیں:) یہ حکم (قصاص) دراصل عرب جاہلیت کی اس روش کی تردید میں نازل ہوا کہ وہ مقتول کے بدلے قاتل کے علاوہ کسی اور شخص کو قتل کر دیتے اور محض اپنی شوکت وسطوت اور قوت واقتدار کے مظاہرے کے لیے ایک مقتول کے بدلے سو افراد کا خون بہانے سے بھی دریغ نہ کرتے اس پر اللہ تعالیٰ نے (قصاص کا حکم نازل فرمایا اور) اس سلسلہ میں مساوات اور عدل کا حکم دیا جس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ مقتول کے بدلے صرف قاتل کو قتل کیا جائے (کسی پر زیادتی نہ کی جائے۔)

---

[1] المیزان للشعرانی، ج ۲ ص ۱۴۱

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

۳ باقی رہا اللہ تعالیٰ کا ارشاد "وکتبنا علیھم فیھا ان النفس بالنفس۔" یعنی ہم نے تورات میں جان کے بدلے جان کا حکم لکھ دیا ہے، تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ جان کا قصاص جان سے لیا جائے اور اطراف کا قصاص اطراف سے لیا جائے اور مقصود ان لوگوں کی تردید ہے جو جوش انتقام میں مضرت رسیدہ کے عضو کا قصاص مجرم کی جان سے لیتے تھے کیونکہ شریعت اسلامیہ انتقامی غیرت کو باطل ٹھہراتی ہے اور حمایت و اعانت (کے جذبات) کو تقویت دیتی ہے۔ [1]

چند افراد کا مل کر کسی کو مہلک زخم لگانا

اگر چند آدمی مل کر کسی کو زخم لگائیں اور وہ (زخم کے اثر سے) مر جائے تو سب (شرکائے جرم) سے قصاص لیا جائے گا۔ "جوہرہ" میں ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کو ایسا زخم لگائے جس کے ساتھ مجروح کا زندہ رہنا مشکل ہو اور کوئی دوسرا شخص اسے ایک اور زخم لگا دے تو قاتل پہلا مجرم ٹھہرے گا بشرطیکہ دونوں زخم یکے بعد دیگرے لگائے گئے ہیں اور اگر دونوں مجرموں نے اکٹھے زخم لگائے تو پھر وہ دونوں ہی قاتل قرار پائیں گے۔

اسی طرح اگر ایک آدمی نے کسی کو دس زخم لگائے اور دوسرے نے ایک زخم لگایا (اور مجروح مر گیا) تو وہ دونوں قاتل شمار ہوں گے کیونکہ ہو سکتا ہے (کوئی) شخص ایک ہی زخم سے مر جائے اور بہت سے زخموں کے باوجود (موت سے) بچ جائے۔

اگر دو آدمی پتھر اور لوہے کے ساتھ کسی کو عمداً مار دیں تو ان پر قصاص عائد نہ ہو گا بلکہ ان میں سے ہر ایک نصف دیت ادا کرے گا۔

---

[1] احکام القرآن لابن العربی ج ۱ ص ۶۶

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

"حاشیہ ابوالسعود" میں ہے۔ اگر کسی انسان کو (متعدد لوگ) پے در پے زخم لگائیں جس سے وہ مر جائے اور یہ معلوم نہ ہو کہ کون سی چوٹ کاری تھی اور کونسی ہلکی تو ان تمام مجرموں سے قصاص لیا جائے گا کیونکہ شدید اور ہلکے زخموں میں تمیز ممکن نہیں لیکن اگر کاری زخم کی شناخت ہو جائے اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ یہ زخم موت سے پہلے لگایا گیا ہے تو ایسی صورت میں صرف اس مجرم سے قصاص لیا جائے گا جس نے یہ مہلک زخم لگایا ہو۔

کسی ناقابل تجزیہ فعل میں متعدد افراد کا شریک ہونا ہر شخص کو اس پورے فعل کا مکمل ذمہ دار ٹھہراتا ہے یوں وہ پورا فعل ہر شریک کی طرف اس طرح منسوب ہوگا کہ گویا اس میں کوئی دوسرا شخص اس کے ساتھ شریک نہ تھا (بلکہ تنہا وہی اس کا مرتکب ہوا ہے) البتہ اعضاء کاٹ دینا چونکہ ایسا فعل ہے جس کا تجزیہ ممکن ہے اس لیے ایک شخص کے قطع عضو کا قصاص متعدد افراد سے نہیں لیا جائے گا۔

اگر کسی شخص کو بعض افراد مہلک زخم لگائیں اور بعض غیر مہلک تو قصاص مہلک زخم لگانے والوں پر عائد ہوگا اور باقی مجرموں کو تعزیری سزا دی جائے گی۔

اگر چند آدمی کسی کے قتل میں بایں طور شریک ہوں کہ وہ صرف نگرانی کرتے رہیں یا (اصل مجرم کو) قتل پر اکساتے رہیں تو ان (معاونین) پر قصاص یا دیت نہیں لیکن ظاہر ہے انہیں تعزیری سزا دی جائے گی۔ بخلاف اس کے اگر کوئی ایک آدمی ڈاکہ ڈالے اور باقی لوگ (مختلف طرح سے) اس کی مدد پر (تیار) رہیں تو ان سب پر راہ زنی (حرابہ اور قطع طریق) کی حد جاری ہوگی۔ [1]

---

[1] دیکھیے مصنف کی کتاب: "نظریات فی الفقہ الجنائی الاسلامی" فصل اشتراک جرم۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

قاضی زادہ کہتے ہیں: اس بارے میں بزدوی کی توجیہ درست ہے تاج الشریعہ کی پیش کردہ توجیہ صحیح نہیں انکی توجیہ کا مضادیہ ہے کہ قصاص سے متعلق آیت قرآنی کا عموم آقا سے اپنے غلام یا بیٹے کے غلام کا قصاص نہ لیے جانے کے حکم سے تخصیص پاکر ظنی بن گیا ہے لہٰذا خبر واحد کے ذریعہ باپ سے بیٹے کا قصاص نہ لیے جانے کے بارے میں اسکی تخصیص جائز ہے لیکن ان کی یہ توجیہ ناقص ہے کیونکہ اصول میں یہ بات طے شدہ ہے کہ عام مخصوص البعض صرف اس صورت میں ظنی بنتا ہے جبکہ اس کی تخصیص کرنے والا کلام مستقل مگر اس سے متصل ہو لیکن اگر یہ مخصص (مخصص کرنے والا کلام) الگ اور منفصل ہو تو ایسی صورت میں یہ عام کی تخصیص نہیں کرتا بلکہ (اس حکم خاص کے حق میں) اس کی تنسیخ کر دیتا ہے جس سے عام (مخصوص البعض ہو کر ظنی نہیں ٹھہرتا بلکہ اس) کی دلالت اپنے باقی تمام افراد پر قطعی ہی رہتی ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ آقا سے اپنے غلام یا اپنے لڑکے کے غلام کے قصاص کی ممانعت کرنے والا کلام آیت قصاص کے ساتھ متصل ہرگز نہیں لہٰذا اس کی تخصیص سے عموم آیت کی قطعیت پر کوئی آنچ نہیں آتی اور اس بناء پر خبر واحد کے ذریعہ باپ سے بیٹے کے قصاص کی تخصیص نہیں کی جا سکتی بلکہ اس کے لیے حدیث کا مشہور (کے درجہ میں) ہونا ضروری ہے۔ بناء بریں امام بزدوی کی توجیہ ہی درست قرار پاتی ہے۔

باپ سے بیٹے کا قصاص نہ لیے جانے کی علت یہ ہے کہ باپ بیٹے کی زندگی اور وجود کا سبب و ذریعہ ہے تو ناممکن ہے کہ بیٹا اسکی فناء اور ہلاکت کا موجب بنے یہی وجہ ہے کہ بیٹے کے لیے اپنے باپ کو قتل کرنا جائز نہیں اگرچہ وہ دشمنوں (کافروں) کی صفوں میں مسلمانوں سے برسرپیکار ہو یا زنا کا مرتکب ہو دادا، دادی اور نانا، نانی کا بھی یہی حکم ہے (خواہ سلسلۂ نسب میں اوپر تک چلے جائیں)۔

اس مسئلہ میں فقہی آراء کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

متعدد اشخاص کا قتل

اگر فرد واحد نے چند اشخاص کو قتل کر دیا تو (جمہور فقہاء کے نزدیک) اس سے، ان سب کے بدلے صرف قصاص کو (بطور انتہائی سزا کے) کافی تصور کیا جائے گا امام شافعی کا موقف اس سے مختلف ہے۔ وہ کہتے ہیں اگر اس نے یکے بعد دیگرے ان لوگوں کو قتل کیا ہو تو پہلے مقتول کے عوض اسے قتل کر دیا جائے گا اور باقی کے لیے اس کے ترکہ میں دیت واجب ہوگی اور اگر اس نے سب کو یکبارگی قتل کیا ہو یا یہ معلوم نہ ہو سکے کہ پہلے کون قتل ہوا تو قرعہ اندازی میں جس کا نام نکلے اس کے بدلے قاتل کی گردن مار دی جائے گی اور باقی کے لیے دیت کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسے سب مقتولوں کے عوض قتل کیا جائے گا اور دیات ان کے مابین برابر تقسیم کر دی جائے گی۔ [1]

رابعاً: بیٹے کے قصاص میں باپ کا قتل

باپ کو اپنے بیٹے کے قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: "لا یقاد الوالد بولده" یعنی باپ سے بیٹے کا قصاص نہیں لیا جائے گا۔

تاج الشریعۃ کے بقول یہ حدیث عموم قرآن کی تخصیص کر رہی ہے کیونکہ یہ عموم پہلے ہی آقا سے اپنے غلام یا بیٹے کے غلام کا قصاص نہ لیے جانے کے حکم سے تخصیص پا کر ظنی الدلالت بن چکا ہے۔ جبکہ امام بزدوی کے نزدیک یہ حدیث چونکہ مشہور ہے اور امت کی تلقی بالقبول حاصل کر چکی ہے اسلئے عموم قرآن کی تخصیص یا تنسیخ کر سکتی ہے۔

---

[1] ابن عابدین، ج ۵: ص ۵۴۹

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

۱۔ حنفیہ، امام احمد، امام اوزاعی اور امام شافعی کا موقف یہ ہے کہ کسی شخص کو اپنے بیٹے کے قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا البتہ اس پر خونبہا واجب ہوگا انہوں نے اس سلسلہ میں باپ اور دادا کا ایک ہی حکم بیان کیا ہے عطا اور مجاہد سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔ حسن بن صالح کہتے ہیں دادا سے پوتے کا قصاص لیا جائے گا ان کے نزدیک پوتے کے حق میں دادا کی گواہی بھی قبول ہے جبکہ باپ کی گواہی بیٹے کے حق میں قبول نہ ہوگی۔

ان حضرات کی دلیل یہ حدیث ہے جسے عمرو بن شعیب نے اپنے باپ، دادا کے واسطے سے روایت کیا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "لا یقتل والد بولدہ" یعنی باپ کو اپنے بیٹے کے بدلے قتل نہیں کیا جائیگا۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حنظلہ بن ابی عامر الواہب کو اپنے باپ کے قتل سے منع فرمایا حالانکہ وہ حربی مشرک تھا اور غزوۂ احد میں مشرکوں کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کر رہا تھا۔ پس اگر بیٹے کیلئے باپ کو کسی بھی حال میں قتل کرنا روا ہوتا تو حالت جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے برسرپیکار مشرک کا قتل سب سے زیادہ مناسب ہوتا کیونکہ ایسے شخص سے بڑھ کر کوئی مذمت اور سزا کا مستحق نہیں مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا تو معلوم ہوگیا کہ بیٹے کیلئے باپ کا قتل کسی حال میں بھی جائز نہیں۔[1]

۲۔ عثمان البتی کہتے ہیں: اگر باپ نے عمداً بیٹے کو قتل کیا تو اس سے قصاص لیا جائیگا امام مالک سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ باپ اگر بیٹے کو لٹا کر ذبح کر دے تو اسے قصاص میں قتل کیا جائیگا لیکن اگر تلوار سے مار دیا اور قتل کا ارادہ نہ تھا تو قصاص نہیں ہوگا۔ دادا کے بارے میں بھی یہی حکم ہے۔ اس بارے میں فقہاء کا اتفاق ہے کہ بیٹا اگر اپنے ماں باپ میں سے کسی کو قتل کر دے تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔[2]

---

[1] احکام القرآن للجصاص: ج ص ۱۶۹؛ نیز ج ۲ ص ۵۲۲۔ [2] المیزان للشعرانی: ج ۲ ص ۱۴۱۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

علامہ قرطبی احکام القرآن میں رقمطراز ہیں: امام مالک، ابن نافع اور ابن عبدالحکم کے نزدیک باپ کو بیٹے کے بدلے قتل کیا جائے گا۔ ابن المنذر کہتے ہیں، ہماری بھی یہی رائے ہے کیونکہ کتاب وسنت (کے نصوص) سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے: کتب علیکم القصاص فی القتلی الحر بالحر والعبد بالعبد۔ یعنی تم پر قصاص فرض [illegible] کے بدلے غلام۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: المومنون تتکافأ دماؤھم یعنی تمام مسلمانوں کے خون (کی حرمت) یکساں ہے۔ اور کوئی ایسی صحیح حدیث ثابت نہیں جس کے ذریعہ باپ کو وجوب قصاص کے عام حکم قرآنی سے مستثنیٰ کر دیا جائے۔ جو احادیث اس سلسلہ میں پیش کی گئی ہیں وہ ثابت نہیں۔

طبری نے عثمان البتی سے روایت کی ہے کہ باپ سے بیٹے کا قصاص لیا جائے گا کیونکہ قصاص سے متعلق نصوص عام ہیں امام مالکؒ سے بھی ایسا ہی منقول ہے شاید وہ دونوں قرآنی عموم کے مقابلہ میں اخبار احاد کو قبول نہیں کرتے۔

میں قرطبی کہتا ہوں۔ مذہب مالکی میں اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے بیٹے کو عمداً قتل کر دے یوں کہ اسے لٹا کر ذبح کر دے یا اسے باندھ کر قتل کر دے[1] ایسی صورتوں میں کوئی عذر نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی شبہ خطا کی گنجائش ہے لہٰذا باپ سے قصاص لیا جائے گا۔ لیکن اگر کسی نے تادیب کی خاطر ہتھیار پھینکا ہو یا گلا گھونٹا ہو اور یوں اس کو ہلاک کر دیا تو اس بارے میں مذہب مالکی میں دو قول ہیں ایک کے

---

[1] ہر ذی روح کو اگر باندھ کر رکھا جائے یہاں تک کہ قتل کر دیا جائے تو کہا جاتا ہے قتل صبراً یعنی باندھ کر قتل کیا گیا انسان کو تا آنکہ وہ مر جائے تو یہ قتل صبراً کی صورت ہوگی باندھا جائے اور تیر اندازی کی جائے

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

مطابق قصاص لیا جائے گا اور دوسرے قول کے مطابق دیت مغلظہ کا فیصلہ کیا جائے گا۔ یہ علماء کے ایک گروہ کی رائے ہے، جب کہ ایسی صورت میں ایک اجنبی شخص سے قصاص لیا جاتا ہے۔ ابن العربی کہتے ہیں: میں نے اپنے شیخ فخر الاسلام الشاشی کو (باپ سے قصاص نہ لیے جانے کی رائے پر تنقید میں) یہ کہتے ہیں سنا کہ (فقہاء کہتے ہیں) باپ سے بیٹے کا قصاص نہیں لیا جائے گا کیونکہ وہ اس کی زندگی کا سبب ہے تو بیٹا کیونکر اس کی ہلاکت کا ذریعہ بن سکتا ہے؟ (حالانکہ) یہ (دلیل) اس امر سے باطل ہو جاتی ہے کہ اگر کوئی شخص (معاذ اللہ) اپنی بیٹی کے ساتھ زنا کرلے تو (بالاتفاق) اسے سنگسار کیا جائے گا حالانکہ باپ اپنی بیٹی کے وجود اور زندگی کا سبب ہے اور اس صورت میں بیٹی اس کی موت کا ذریعہ بن رہی ہے۔ پھر یہ کونسی فقہی (حکمت کی) بات ہے؟ باپ اگر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے تو بیٹا اس کی موت کا ذریعہ کیوں نہ بنے؟ اس سلسلہ میں یہ حدیث روایت کی گئی ہے کہ لا یقاد الوالد بولدہ۔ یعنی باپ سے بیٹے کا قصاص نہیں لیا جائے گا حالانکہ یہ حدیث باطل ہے۔ ان اصحاب کی ایک دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے کے قاتل پر دیت مغلظہ کا فیصلہ فرمایا جس پر صحابہ کرامؓ نے اعتراض نہیں کیا تو تمام فقہاء نے اس مسئلے کو مطلق صورت میں لے کر یہ (عام) حکم بنا دیا کہ بیٹے کے بدلے باپ کو قتل نہیں کیا جائے گا جب کہ امام مالک نے مسئلہ کو تفصیلی اور محکم صورت دیتے ہوئے فرمایا۔ کہ اگر باپ نے بیٹے کو تلوار سے قتل کیا تو اس صورت میں ارادہ قتل پائے جانے اور نہ پائے جانے کے دونوں احتمال موجود ہیں اور باپ کی (فطرت میں ودیعت) شفقت کا جذبہ ارادۂ قتل کی نفی کرتا ہے اس لیے (شبہ کی بناء پر) قصاص ساقط ہو جاتا ہے لیکن اگر بیٹے کو لٹا کر ذبح کیا تو ارادہ قتل ظاہر ہو کر اصل حکم (قصاص) عائد ہو گیا۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ابن المنذر کہتے ہیں: امام مالک، شافعی، احمد اور اسحاق کے نزدیک بیٹا اپنے باپ کے قصاص میں قتل کیا جائے گا۔[1]

مہذب میں ہے: بیٹے کو قتل کر دینے پر باپ، دادا، ماں، دادی سے (خواہ نسب میں دور تک چلے جائیں) قصاص نہیں لیا جائے گا۔ اگر دو آدمیوں نے کسی لقیط (یافتہ بچے) کے نسب کا تعین ہونے سے پیشتر دونوں نے اسے قتل کر دیا تو (کسی پر) قصاص واجب نہ ہوگا کیونکہ ان دونوں میں کسی ایک کا (مقتول کا) باپ ہونا محتمل ہے۔ اور اگر وہ دونوں دعوائے نسب سے رجوع کر لیں تو ان کا رجوع صحیح نہ ہوگا کیونکہ نسب ایک حق ہے جو ان دونوں پر (بذریعہ اقرار) واجب ہو چکا ہے اور اقرار کے بعد انکار رجوع قبول نہیں کیا جائے گا، لیکن اگر دونوں سے ایک نے دعویٰ نسب سے رجوع کر لیا تو اس پر قصاص واجب ہوگا کیونکہ اس سے (رجوع کے بعد) مقتول کا نسب منقطع ہو کر دوسرے کے لیے ثابت ہو گیا ہے (اور یوں یہ اجنبی قاتل قرار پا چکا ہے) اگر دو آدمی کسی عورت سے وطی کریں اور بچہ پیدا ہو جو ان دونوں میں سے کسی کا بھی ہو سکتا ہے۔ اور پھر قبل اس کے کہ کسی ایک سے بچے کا نسب ثابت ہو دونوں نے اسے قتل کر دیا تو اس صورت میں قصاص نہیں ہوگا اور ان میں سے کسی کا نسب سے انکار تسلیم نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس کے انکار سے نسب اس سے منقطع ہو کر دوسرے کو لاحق نہیں ہو سکتا۔[2]

بیٹے کو عمداً قتل کر دینے سے باپ پر تین سال میں اس کے اپنے مال میں سے دیت کی ادائیگی واجب ہوگی کیونکہ یہ مال (دیت) قتل کے بدلے واجب

---

[1] احکام القرآن للقرطبی، ج ۲ ص ۲۵۱

[2] المہذب للشیرازی، ج، ص ۱۷۴

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ہوا ہے لہٰذا قتل خطا اور شبہ عمد کی طرح یہاں بھی بتاخیر ادائیگی کرنا ہوگی یہ اس لیے کہ قیاس کی رو سے آدمی کی قیمت نہیں لگائی جا سکتی کیونکہ مال اور انسان میں کوئی مماثلت نہیں لیکن شریعت اسلامیہ نے (دیت کی صورت میں) اس قیمت کا تعین کیا ہے اور چونکہ شریعت نے بتاخیر ادائیگی دیت کا حکم دیا ہے اس لیے (حکم شریعت سے) تجاوز کرتے ہوئے جس طرح مقدار (دیت) میں زیادتی ممنوع ہے اسی طرح کیفیت ادائیگی میں بھی تغیر و تبدل روا نہیں [1] (یعنی فوری ادائیگی دیت کا حکم نہیں دیا جا سکتا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں: باپ پر اس دیت کی فوری ادائیگی واجب ہوگی کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ اتلاف سے واجب ہونے والا (ضمان) تاوان فوری واجب الادا ہوتا ہے البتہ قتل خطا کی صورت میں بتاخیر ادائیگی کا حکم تخفیف کے لیے ہے (جس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا) اور یہاں باپ نے عمداً قتل کا ارتکاب کیا ہے اس لیے تخفیف کا مستحق نہیں۔ نیز اس لیے بھی کہ مال (دیت) مقتول کے نقصان کی تلافی کے لیے واجب ہوا ہے اور اس کا نقصان فی الحال ہوا ہے لہٰذا بتاخیر ادائیگی دیت سے اس کی تلافی نہیں ہوتی۔

خامساً: عورت اور مرد کے درمیان قصاص

مرد سے عورت کا قصاص لینے کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے (ان کی آراء کا خلاصہ حسب ذیل ہے)۔

1۔ امام ابوحنیفہؒ امام ابو یوسف امام زفر اور ابن شبرمہ رحمۃ اللہ کہتے ہیں: عورت اور مرد کے درمیان صرف جان کا قصاص ہے۔ ابن شبرمہ رحمۃ اللہ سے ایک دوسری روایت میں یہ منقول ہے کہ ان کے درمیان جان سے کم درجے کے جرائم میں بھی قصاص جاری ہوگا۔ امام ابو یوسفؒ نے نفس

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کے معاملہ میں عورت و مرد کے مابین وجوب قصاص پر ارشاد باری تعالیٰ:
"وکتبنا علیھم فیھا ان النفس بالنفس والعین بالعین"
کے ظاہری مفہوم سے استدلال کیا ہے۔ اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک شرائع سابقہ کے احکام امت مسلمہ کے لیے بھی لازم ہیں جب تک کہ نص قرآنی یا حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ان کی تنسیخ ثابت نہ ہو جائے اور (زیر نظر) آیت کے سیاق میں ارشاد مبارک: "ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الظلمون" یعنی جو اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی لوگ ظالم ہیں، سے دو وجوہ کی بناء پر عیاں ہوتا ہے کہ یہ حکم نزول آیت کے وقت بھی ثابت (اور باقی) ہے۔

ا۔ اس ارشاد کی روشنی میں ثابت ہوتا ہے کہ یہ حکم خدا کا نازل کردہ ہے اور اس سلسلہ میں وقت کی کوئی قید نہیں لگائی گئی لہٰذا یہ حکم ہر دور کیلئے ہے جب تک کہ اسے منسوخ نہ کر دیا جائے۔

ب۔ یہاں یہود کو اس آیت کے نزول کے وقت بھی قصاص کے خدائی حکم سے (اعتقادی) انکار یا (عملی) انحراف کے باعث ظلم اور فسق کا مرتکب ٹھہرایا جا رہا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام انسانوں کے درمیان (نفس کا) قصاص واجب ہے جب تک کہ اس حکم (عام) کی تخصیص یا تنسیخ پر کوئی دلیل قائم نہ ہو جائے[1]

۲ ابن ابی لیلیٰ، مالک، ثوری، لیث، اوزاعی اور شافعیؒ رحمہم اللہ[2] کہتے ہیں کہ قتل اور قتل سے کم درجے کے جرائم میں بھی مردوں اور عورتوں کے درمیان قصاص

---

[1] احکام القرآن للجصاص: ج ۲: ص ۵۳۴۔

[2] الام للشافعی: ج ۸: ۲۱۷۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

جاری ہوگا۔ لیث سے یہ بھی (منقول) ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے خلاف (قتل یا اس سے کم تر) زیادتی کا ارتکاب کرے تو اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا بلکہ دیت عائد ہوگی۔

ارشاد باری تعالیٰ: "والانثی بالانثی" کے بارے میں امام مالک کہتے ہیں۔ اس آیت (کی تفسیر) میں جو بہترین بات میں نے سنی ہے وہ یہ کہ جس طرح آزاد مردوں کے درمیان قصاص جاری ہوگا اس طرح آزاد عورتوں کے مابین بھی قصاص نافذ ہوگا۔ اور جس طرح غلام سے غلام کا قصاص لیا جائے گا۔ اسی طرح باندی کو بھی باندی کے بدلے قتل کیا جائے گا نیز مردوں اور عورتوں کے درمیان اور آزاد غلاموں کے درمیان بھی قتل اور اس سے ادنیٰ جرائم میں قصاص جاری ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے" وکتبنا علیھم فیھا ان النفس بالنفس والعین بالعین" یعنی ہم نے تورات میں یہ حکم لکھ دیا کہ جان کے بدلہ جان اور آنکھ کے بدلہ آنکھ ہے۔

عطاء کے اس قول کی تردید میں کہ اگر کوئی مرد عورت کو قتل کر دے تو (مقتول کے) ولی کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو دیت وصول کرلے اور چاہے تو نصف دیت دے کر قاتل کو قصاص میں قتل کر دے ابن عربی کہتے ہیں:

۱- آیت کا عموم عطاء کے قول کی تردید کرتا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: "من قتل لہ قتیل فاھلہ بین خیرتین، فان احبوا ان یقتلوا او یاخذوا العقل" یعنی اگر کوئی شخص قتل کر دیا جائے تو اس کے ورثاء کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے چاہے قاتل کو قتل کریں، چاہے خونبہا لے لیں۔

ب- اسی طرح آیت کا مفہوم بھی (جمہور کی) رائے کو تقویت دیتا ہے کیونکہ مرد

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اگر عورت کو قتل کر دے تو اس کا خون عورت کے برابر (قابل احترام) ہونے کی بناء پر قصاص میں اسے قتل کر دیا جائے گا اور کوئی (مالی) زیادتی واجب نہ ہوگی جیسا کہ (ایک مرد کے بدلے دو مردوں (کو قتل کرنے) کی صورت میں ہوتا ہے[1] (کہ کوئی مال ادا نہیں کرنا پڑتا)

۳۔ عثمان البتی کہتے ہیں: اگر عورت مرد کو قتل کر دے تو قصاص کے علاوہ اس کے مال سے نصف دیت بھی وصول کی جائے گی زخم لگانے کی صورت میں بھی یہی حکم ہوگا۔ لیکن اگر مرد عورت کا قاتل یا جراحت رساں (زخم لگانے والا) ہو تو اس پر قصاص ہوگا اور اسے کوئی چیز نہیں دی جائے گی۔

اس معاملہ میں سلف صالحین سے بھی اختلاف منقول ہے۔ چنانچہ قتادہ، سعید بن مسیب کے واسطے سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ایک عورت کے قصاص میں صنعاء کی ایک جماعت کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ شعبی اور محمد بن سیرین رحمہم اللہ کی رائے بھی یہی ہے کہ عورت کے بدلے مرد کو قتل کیا جائے گا۔ حضرت علیؓ سے اس سلسلہ میں مختلف اقوال مروی ہیں۔ لیث حکم کے واسطے سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ اور عبداللہؓ نے فرمایا! مرد اگر عمداً عورت کو مار ڈالے تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔ اور عطاء، شعبی اور حسن بصری رحمہم اللہ سے مروی ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا! اگر مقتولہ کے وارث چاہیں تو (مرد) قاتل کو نصف دیت ادا کر کے قصاص میں قتل کر دیں اور اگر چاہیں تو قاتل سے نصف دیت لے لیں۔

اشعث نے حسن رحمہما اللہ سے روایت کیا ہے کہ عورت اگر مرد کو عمداً قتل کر دے

---

[1] احکام القرآن لابن العربی، ج ۲ ص ۶۲۳

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

تو اس سے قصاص کے علاوہ نصف دیت بھی وصول کی جائے گی۔

جصاص کہتے ہیں: حضرت علیؓ سے جو دو مختلف قول منقول ہیں وہ مرسل ہیں کیونکہ راوی کا حضرت علیؓ سے سماع ثابت نہیں اور اگر دونوں روایتیں ثابت بھی ہو جائیں تو باہم متعارض ہونے کے باعث دونوں ساقط ہو جائیں گی تو گویا اس سلسلہ میں حضرت علیؓ سے کوئی چیز منقول نہیں، اور صرف قصاص واجب قرار دینے والی روایت ارشاد باری تعالیٰ: کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ۔ اور دیگر قصاص واجب کرنے والی نصوص کے ظاہری مفہوم سے موافق (ہونے کے باعث قابل قبول) ہے۔ کیونکہ ان آیات میں وجوب قصاص کے ساتھ ادائیگی دیت کا کہیں ذکر نہیں اور نص پر اضافہ جائز نہیں بجز اس جیسی نص کے کیونکہ نص پر زیادتی (اس کے مفہوم اوّل کے لیے) نسخ کی حیثیت رکھتی ہے [1]

علامہ قرطبی اس سلسلہ میں رقمطراز ہیں: حضرت علیؓ اور حسن بصریؒ کا یہ قول روایت کیا گیا ہے کہ اگر مرد کسی عورت کو قتل کر دے تو مقتولہ کے ورثاء کو اختیار ہے چاہے قاتل سے قصاص لیں اور اس کے ورثاء کو نصف دیت ادا کر دیں یا قاتل کو زندہ

---

[1] احکام القرآن للجصاص: ج ۱ ص ۶۲، نیز دیکھیے فتح القدیر ج ۸: ص ۲۷۱۔ اور القرطبی: ج ۲: ص ۲۴۸۔ مرد و عورت کے درمیان وجوب قصاص پر علماء کا اجماع ہے اور جمہور کے نزدیک قصاص کے علاوہ کسی چیز کی ادائیگی لازم نہیں جبکہ ایک گروہ کی رائے میں قصاص کے علاوہ دیت کے اضافی حصہ کا مطالبہ جائز ہے۔ مالک، شافعی، احمد، ابو اسحاق، ثوری، ابو ثور رحمہم اللہ ——— کے نزدیک مرد و عورت کے درمیان جان سے کم میں بھی قصاص ہے جب کہ حماد اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کہتے ہیں: ان کے درمیان نفس سے کم میں قصاص نہیں: لیکن ان دونوں کے مقابلہ میں باقی فقہاء یہ دلیل دیتے ہیں کہ جب نفس و جان میں قصاص ثابت ہے تو جان سے کمتر میں تو بطریق اولیٰ ثابت ہوگا

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

رہنے دیں اور اس سے عورت کی دیت وصول کرلیں۔ اور اگر عورت کسی مرد کو قتل کردے تو مقتول کے ورثا خواہ قصاص کے ساتھ نصف دیت لے لیں خواہ اسے زندہ رہنے دیں اور مقتول کی دیت حاصل کرلیں۔ اور ان سے اس قول کا انکار بھی (ثابت) ہے۔ حضرت علیؓ کا مذکورہ قول شعبی نے روایت کیا ہے جو صحیح نہیں کیونکہ شعبی کی حضرت علیؓ سے ملاقات ثابت نہیں ہوئی۔ پھر حکم نے حضرت علیؓ اور عبداللہ کا یہ قول روایت کیا ہے کہ مرد اگر عمداً عورت کو قتل کردے تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔ اور یہ شعبی کے روایت کردہ قول سے معارض ہے۔

قرطبی کہتے ہیں: مذکورہ رائے کے حاملین سے کہا جائے گا کہ اگر عورت کا خون مرد کے برابر نہیں اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: المسلمون تتکافأ دماءھم یعنی تمام مسلمانوں کے خون یکساں قابل احترام ہیں، کی مصداق نہیں تو پھر تم مرد کو اس کے بدلے قتل کرنے کا حکم کیوں دیتے ہو اور ساتھ نصف دیت بھی وصول کرتے ہو حالانکہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ دیت اور قصاص (یکجا) جمع نہیں ہو سکتے اور یہ کہ (مقدمہ قتل میں) دیت قبول کرلینے سے قاتل کی عصمت دم بحال ہو کر قصاص مرتفع ہو جاتا ہے۔ بنا بریں مذکورہ رائے کسی قاعدہ اور قیاس پر مبنی نہیں[۱]

مبحث سوم
جرم سے متعلق شرائط

قصاص کا تیسرا رکن یہ ہے کہ جرم (قتل) عمداً اور زیادتی کے ارادے سے ہو۔

---

[۱] احکام القرآن للقرطبی: ج ۲: ص ۲۴۸

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

قتل عمد کے ارکان

چونکہ قصاص بنیادی طور سے قتل عمد کے ارتکاب پر واجب ہوتا ہے اس لیے ضروری ہے کہ ہم اس جرم کے ارکان کا تفصیل سے مطالعہ کریں تاکہ اس کے تمام پہلو ہماری نگاہ میں آسکیں۔

قتل عمد سے مراد کسی شخص کی جانب سے قصداً اور ناحق ایسے فعل کا ارتکاب ہے جس سے کوئی انسانی جان ضائع ہو جائے۔ پس (وجوب قصاص کے لیے) ضروری ہے کہ مجرم ارتکاب قتل کا ارادہ رکھتا ہو نہ (یہ کہ) فقط زیادتی کرنا چاہتا ہو۔ چنانچہ اگر زیادتی کے فعل کے ساتھ نیت قتل شامل نہ ہو تو خواہ نتیجہ موت ہی کی صورت میں نکلے یہ زیادتی قتل عمد شمار نہ ہوگی۔

بنا بریں جرم قتل کے تین ارکان ہیں۔

۱۔ جس انسان پر زیادتی کی گئی ہے اس کا قتل سے پہلے بقید حیات ہونا۔

۲۔ مجرم سے ایسے فعل کا صدور جو موجب ہلاکت ہو۔

۳۔ مجرم نے مضرت رسیدہ کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا ہو۔

ان ارکان پر ہم تیسری فصل میں، حالات وجوب قصاص کے ضمن میں تفصیل سے روشنی ڈالیں گے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

فصل سوم

حالاتِ وجوبِ قصاص

وجوب قصاص کے لئے ضروری ہے کہ محل قصاص (مجرم یا اس کے جسم کا وہ حصہ جس سے قصاص لیا جائے گا) اور محل ارتکاب جرم (متاثرہ فریق یا اس مضرت رسیدہ عضو) باعتبار منافع کے یکساں ہوں اور (جرم و سزا کے) دونوں فعلوں میں مماثلت اور مساوات ممکن ہو۔ یوں وجوب قصاص کی دو بڑی حالتیں ہیں:

۱۔ نفس انسانی کے خلاف عمداً جنایت یعنی قتل کی صورت میں قصاص واجب

۲۔ جسم انسانی کے خلاف عمداً (قتل سے کم درجے کی) جنایت کی صورت میں کہ جو شخص کسی دوسرے کی آنکھ ضائع کر دے قصاص میں اس کی آنکھ نکال دی جائے گی اور جو کسی کا کان کاٹ دے بدلے میں اس کا کان کاٹ دیا جائے گا۔ بشرطیکہ دونوں فعلوں (یعنی جرم اور اس کی سزا) میں مماثلت ممکن ہو۔

وجوب قصاص کے ان حالات پر ہم دو مباحث میں گفتگو کریں گے۔

مبحث اوّل

قتل عمد

قتل عبارت ہے انسانی فعل کے ذریعے کسی شخص کی جان نکال دینے سے

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اور بغیر انسانی فعل کے کسی کی جان نکل جانا موت کہلاتا ہے۔

شریعت اسلامیہ میں قتل مختلف اسباب کی بناء پر واجب ہوتا ہے جیسے مرتد کو قتل کرنا، محصن زانی کو سنگسار کرنا، ڈاکوؤں اور راہزنوں کو پھانسی دینا، حربی کافر کو قتل کرنا اور قصاص میں قتل کرنا (سزائے) قتل کی ان صورتوں پر علماء کا اتفاق ہے، ان کے علاوہ قتل کی ایک صورت بطور تعزیر جان سے مارنا بھی ہے جس میں فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے [1]

تو اصل یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ میں قتل بعض اوقات واجب ہوتا ہے بعض اوقات مباح اور بعض اوقات حرام [2]

قتل واجب

قتل واجب کی صورتیں حسب ذیل ہیں:

۱۔ حربی (یعنی مسلمانوں سے برسرجنگ) کافروں کا قتل، قبل اس کے کہ وہ ہماری قید یا امان میں آجائیں یا ذمی بننا قبول کرلیں یہ قتل صرف مردوں (ماسوا ان کے جو ہتھیار اٹھانے کے قابل نہ ہوں) اور ان عورتوں کا ہوگا جو جنگ میں باقاعدہ حصہ لے رہی ہوں (یا کسی دوسری طرح لڑنے والوں کی امداد کررہی ہوں) وہ عورتیں اور بچے جو جنگ میں عملاً حصہ نہ لیں، قتل نہیں کیے جائیں گے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قتل سے منع فرمایا ہے جیسا کہ بخاری و مسلم اور دیگر ائمہ حدیث نے روایت کیا ہے بچے اگر لڑائی میں واقعی حصہ لے رہے ہوں تو حالت جنگ میں ان کا قتل جائز ہے جنگ ختم ہوجانے کے بعد بعض فقہاء کے نزدیک بچوں کی طرح عورتوں

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کو بھی قتل کیا جائے گا، بعض کے نزدیک دونوں کو قتل نہیں کیا جائے گا جب کہ کچھ فقہاء کہتے ہیں عورتوں کو قتل کر دیا جائے گا کیونکہ ان میں (لڑائی کی) قوت پائی جاتی ہے اور بچوں کو چھوڑ دیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں گناہوں سے معافی دی ہے۔

۲۔ رہزنوں اور ڈاکوؤں کا قتل خواہ مرد ہوں یا عورتیں جب کہ وہ دوسرے کے تعرض کو روک سکنے کی طاقت رکھتے ہوئے نکلیں، قتل عمد کا ارتکاب کریں اور توبہ کرنے سے پہلے گرفتار کر لیے جائیں۔ ارشاد خداوندی ہے: انما جزآء الذین یحاربون اللہ ورسولہ ویسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف او ینفوا من الارض ذٰلک لھم خزی فی الدنیا ولھم فی الاٰخرۃ عذاب عظیم[1] یعنی جو لوگ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں (یعنی رہزن اور ڈاکو ہیں) ان کی سزا یہی ہے کہ قتل کر دیئے جائیں، یا سولی پر چڑھا دیئے جائیں یا ان کے ہاتھ پاؤں مقابل سمت سے کاٹ دیئے جائیں یا انہیں جلاوطن کر دیا جائے (یعنی جیسی کچھ سزا ان کے لیے ضروری ہو انہیں دی جائے گی) یہ ان کے لیے دنیا میں خواری ہے اور آخرت میں ان کے لیے سخت عذاب ہے۔

۳۔ باغیوں کا قتل جب کہ وہ اہل عدل (امام کے وفاداروں) سے لڑائی کریں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا

---

[1] المائدہ: ۳۳

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

فاصلحوا بینھما، فان بغت احدٰھما علی الاخری فقاتلوا التی تبغی حتی تفیٔ الی امر اللہ، فان فاء ت فاصلحوا بینھما بالعدل واقسطوا ان اللہ یحب المقسطین [1] یعنی اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑیں تو ان میں صلح کراؤ لیکن اگر ان میں سے کوئی دوسرے کے خلاف بغاوت کرے تو اس کے خلاف جنگ کرو تا آنکہ وہ اللہ کے حکم کے آگے جھک جائے اور اگر وہ جھک جائے تو پھر ان میں انصاف کے ساتھ صلح کرا دو، بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے

۴۔ ساحر (جادوگر) کا قتل بھی واجب ہے۔ حضرت جندبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حد الساحر ضربہ بالسیف: یعنی جادوگر کی سزا یہ ہے کہ تلوار سے اس کی گردن ماردی جائے اس حدیث کو ترمذی اور حاکم نے روایت کیا اور صحیح قرار دیا۔

پس جو شخص جادو کرے اسے تلوار سے قتل کر دیا جائے گا یہ بعض صحابہؓ، تابعین اور امام مالکؒ اور امام احمد کا مذہب ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ انسان جادو کرنے سے کافر ہو جاتا ہے لہٰذا اسے توبہ کا موقع دیئے بغیر قتل کر دیا جائے گا کیونکہ ساحر کی توبہ قبول نہیں۔ امام شافعی کا موقف یہ ہے کہ جادوگر کو (محض جادو کی بنا پر) قتل نہیں کیا جائے گا جب تک کہ وہ جادو کا کوئی ایسا عمل نہ کرے جس سے وہ کفر کی حد تک پہنچ جائے اور اگر اس نے جادو کے ذریعہ کسی کو مار ڈالا تو شافعیہ کے نزدیک اس سے قصاص لیا جائے گا یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ جادوگر زمین میں فساد پھیلاتا ہے

---

[1] الحجرات: ۱

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

۵ ۔ بطور حد قتل کرنا (بھی قتل واجب کی صورتوں میں سے ہے) جیسے محصن زانی کو سنگسار کرنا۔

قتل مباح

مندرجہ ذیل صورتوں میں قتل مباح ہے:

۱۔ مقتول کے وارث کی طرف سے قاتل کو بطور قصاص قتل کرنا (مباح ہے) کیونکہ اسے قصاص لینے اور معاف کر دینے کا اختیار حاصل ہے۔ قاتل کو اس کے سپرد کیا جائے گا تاکہ وہ اپنی مرضی (کے مطابق سزا) نافذ کر سکے۔ یوں قصاص میں مجرم کا قتل کرنا واجب نہیں ہے۔

۲۔ حربی کفار مسلمانوں کی قید میں آجائیں تو امام کو اختیار ہے کہ انہیں قتل کر دے یا زندہ رہنے دے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے۔ ما کان لنبی ان یکون لہٗ اسری حتی یثخن فی الارض تریدون عرض الدنیا واللہ یرید الاٰخرۃ واللہ عزیز حکیم[1] یعنی کسی نبی کو زیبا نہیں کہ کافروں کو زندہ قید کرے جبتک زمین میں ان کا خون خوب نہ بہائے یعنی قتل کفار میں مبالغہ کر کے کفر کی ذلت اور اسلام کی شوکت کا اظہار نہ کرے) تم لوگ دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ (تمہارے لیے) آخرت چاہتا اور اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ (اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ حتی یثخن فی الارض

---

[1] الانفال : ۶۷

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کا حکم جنگ بدر کے بارے میں ہے جب کہ مسلمان قلیل تھے (پھر) جب مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی تو اللہ تعالےٰ نے یہ حکم دیا: فاِما منا بعد و اما فداء حتی تضع الحرب اوزارھا۔[1] یعنی پھر اس کے بعد چاہے احسان کر کے چھوڑ دو چاہے فدیہ لے لو یہاں تک کہ لڑائی اپنا بوجھ رکھ دے (یعنی اس طرح ختم ہو جائے کہ مشرکین اطاعت قبول کر لیں)۔ یوں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حربی قیدیوں کے بارے میں اختیار دے دیا، حضرت ابن عباسؓ کے بعد بہت سے دیگر مفسرین نے بھی یہی رائے دی ہے۔

پس جب جنگ ختم ہو جائے اور کفار قید کر لیے جائیں تو امیر المؤمنین کو اختیار ہے کہ جس میں مسلمانوں کی مصلحت دیکھے وہی کرے کہ قیدیوں کو بغیر معاوضہ لیے چھوڑ دے یا فدیہ لے کر آزاد کرے۔

۳۔ جو شخص دار الحرب میں داخل ہو جائے اور اس کے لیے قتل کرنا یا گرفتار کر لینا ممکن ہو تو ایسی صورت میں (قتل کرنا مباح ہے کہ) قتل کرنے یا قید کرنے کا اختیار حاصل ہے۔

قتل حرام

ناجائز یعنی ممنوع قتل کی صورتیں (اور احکام) حسب ذیل ہیں:

۱۔ دار الاسلام میں (کسی معصوم کو) بغیر حق شرعی کے، دانستہ قتل کرنا (حرام ہے) اور ایسی صورت میں قاتل پر قصاص لازم ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاؤہ جھنم خالدا فیھا وغضب اللہ علیہ ولعنہ

---

[1] سورۃ محمد: ۴

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

واعدلہ عذابا عظیما[1] یعنی جو کسی مؤمن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ مدتوں رہے گا، اس پر اللہ کا غضب اور لعنت ہے اور اس کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔

ابوداؤد اور نسائی میں یہ حدیث آئی ہے کہ: کل ذنب عسی اللہ ان یغفرہ الا من مات مشرکا او مؤمن قتل مؤمنا متعمدا یعنی ہر گناہ کے متعلق امید ہے کہ اللہ تعالیٰ معاف فرما دے سوائے اس شخص (کے گناہ) کے جو حالت شرک میں مرا، یا جس نے کسی مؤمن کو جان بوجھ کر ناحق قتل کیا۔

۲۔ قتل شبہ عمد، باپ کے بیٹے کو قتل کر دینے، حربی مستامن اور معاہد کو قتل کر دینے اور ایسے قتل عمد جس میں قصاص ساقط کر دینے والا شبہ پایا جائے، کی صورت میں دیت واجب ہے۔ ابوداؤد اور امام احمد یہ حدیث روایت کرتے ہیں عقل شبہ العمد مغلظ مثل عقل العمد ولا یقتل صاحبہ یعنی قتل شبہ عمد کی دیت بھی قتل عمد کی دیت کی طرح مغلظہ ہے مگر اس کے قاتل کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ حضرت عمرؓ نے بھی یہی فیصلہ فرمایا، جب کہ ابوداؤد اور نسائی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الا ان دیۃ الخطاء شبہ العمد ما کان بالسوط والعصا مائۃ من الابل منہا اربعون فی بطونہا اولادہا کہ کوئی شخص کوڑے یا چھڑی سے مر جائے اس کی دیت سو اونٹ ہیں جن میں سے چالیس اونٹنیاں حاملہ ہوں۔

---

[1] النساء: ۹۳

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

۳۔ قتل (حرام) کی بعض دیگر صورتوں میں تعزیر واجب ہوتی ہے، جو یہ ہیں:

ا۔ دارالحرب میں کسی مسلمان کو قتل کرنا (پیشتر اس کے کہ وہ دارالاسلام کی طرف ہجرت کر جائے۔ بعض (فقہاء) کہتے ہیں اس صورت میں قاتل پر صرف کفارہ واجب ہے، امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اگر یہ قتل خطاء ہو تو قاتل پر دیت لازم ہے جبکہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں اس پر (خطاء کی صورت میں) دیت اور کفارہ دونوں واجب ہوں گے اور عمد کی صورت میں قصاص لیا جائے گا ان کی بنائے استدلال قصاص و دیات کے بارے میں وارد ہونے والی آیات و احادیث کا عموم ہے جو دارالاسلام اور دارالحرب میں قتل کئے جانے والے مؤمن کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتا۔

ب۔ دارالحرب میں مسلمان کا کسی قیدی کو قتل کرنا (موجب تعزیر ہے) چنانچہ اگر کوئی مسلمان دارالحرب میں کسی قیدی کو قتل کر دے اور یہ قتل (قیدیوں کی مسلمانوں پر) تقسیم سے پہلے کیا گیا ہو تو قاتل پر دیت اور کفارہ کچھ واجب نہیں کیونکہ تقسیم سے پہلے امام کو قیدیوں کے قتل کا اختیار حاصل ہے (یعنی یہ قتل مباح ہے) لیکن اگر تقسیم کے بعد یا بیع کے بعد قتل کیا تو یہ قتل (ممنوع اور موجب سزا) شمار ہوگا کیونکہ امام جب قیدیوں کو تقسیم کر دے یا فروخت کر دے تو وہ معصوم الدم ہو جاتے ہیں اور قتل کی صورت میں ضمان کا استحقاق رکھتے ہیں البتہ ایک گونہ شبہۂ اباحت کے باعث اس صورت میں قصاص واجب نہیں ہوتا۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ج۔ آقا کا اپنے غلام کو قتل کرنا (موجب تعزیر ہے) الا یہ کہ اس نے دھوکہ سے قتل کیا ہو تو کیونکہ اس صورت میں آقا سے قصاص لیا جائے گا جیسا کہ اس بارے میں فقہاء کی آراء اوپر بیان ہوئیں [1]

قتل عمد قتل عمد یہ ہے کہ مجرم کسی شخص کو ہلاک کرنے کے ارادے سے کسی ہتھیار یا قائم مقام ہتھیار جیسے دھاری دار پتھر یا لکڑی سے ضرب لگائے اور اس کے نتیجے میں مضروب کی موت واقع ہو جائے بعض فقہاء کہتے ہیں کہ عمد کا معنی قصد ہے اور ظاہر ہے کہ) قصد و ارادہ سے واقفیت اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک اس کی کوئی دلیل نہ پائی جائے اور وہ دلیل ایسے دھار دار اور مہلک ہتھیار کا استعمال کرنا ہے جو (عام حالات میں) قتل کے لئے کافی ہو ایسی صورت میں مجرم قتل عمد کا مرتکب سمجھا جائے گا۔ جبکہ بعض فقہاء کے نزدیک قتل عمد اس صورت میں بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ مجرم کسی شخص کے ہاتھ کو قصداً ضرب لگائے مگر اس کا وار چوک کر مضروب کی گردن پر جا لگے اور اس کا سر تن سے جدا ہو جائے، ایسی صورت میں مجرم پر قصاص واجب ہے لیکن اگر اس کی ضرب (خطاء ہو کر) کسی دوسرے شخص کو (جسے مارنے کی نیت نہ ہو) جا لگے اور وہ مر جائے تو یہ قتل خطاء ہو گا۔

بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ ارشاد خداوندی: کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ مطلقاً (ہر) قتل کی صورت میں قصاص واجب کرتا ہے۔ رہی قتل عمد کی خاص صورت تو اس کا حکم تنہا اسی آیت میں مذکور نہیں بلکہ اس پر یہ مشہور حدیث دلالت کرتی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "العمد قود" یعنی قتل عمد موجب قصاص

---

[1] دیکھئے عنوان: غلام کے بدلے آقا کا قتل، فصل دوم، کتاب ہذا۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اور جس نے کسی شخص کو عمداً ایسا زخم لگایا کہ وہ صاحب فراش رہا حتیٰ کہ مر گیا تو اس زخم لگانے والے پر قصاص ہے کیونکہ (موت اور قصاص کا) سبب متحقق ہے اور بظاہر ایسی کوئی چیز موجود نہیں جو حکم (یعنی نتیجۂ فعل اور اس کی سزائے قصاص) کو باطل کر دے لہٰذا حکم کو اسی سبب (زخم) کی طرف منسوب کیا جائے گا۔

عمدیت (یعنی قصداً ارتکاب جرم) کی شرط اسلئے ہے کہ جرم اسکے بغیر متحقق نہیں ہوتا اور نہ ہی اسکے بغیر (جرم کی) سزا دی جا سکتی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: رفع عن امتی الخطاء النسیان[1] یعنی میری امت سے خطا اور نسیان (کی مسئولیت) اٹھا دی گئی ہو۔

رہا آلۂ قتل کا اعتبار تو بعض فقہاء نے قتل عمد کے تحقق کے لیے ضروری قرار دیا ہے کہ مجرم نے ارتکاب قتل کے ارادے سے لوہے کا کوئی ایسا آلہ استعمال کیا ہو جو دھار دار یا نوکدار ہو مثلاً تلوار، چھری، نیزہ، خنجر، سوا، اور جو آلات زخم لگانے اور چبھونے میں ان کے مشابہ ہوں جیسے تانبا، شیشہ، سونا اور چاندی۔

طحاوی نے امام ابوحنیفہؒ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ (مذکورہ اشیاء سے قتل) قتل عمد نہ ہوگا۔ پس پہلے قول (ظاہر الروایۃ) کے مطابق اصل اعتبار لوہے کا ہے خواہ وہ زخم لگائے یا نہ لگائے اور طحاوی کی روایت میں زخم کا اعتبار ہے خواہ لوہے سے لگے یا کسی اور چیز سے[2]

---

[1] الزیلعی: ج ۶، ص ۹۷

[2] بدائع الصنائع: جلد ۷: ص ۲۳۳

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

امام شافعیؒ فرماتے ہیں اگر اس نے چھوٹے کوڑے سے پے در پے ضربیں لگائیں حتیٰ کہ مضروب مر گیا تو یہ قتل عمد ہو گا۔ پس اگر مجرم نے قتل کرنے کے ارادے سے ایسا آلہ استعمال کیا جو غالباً ہلاک کر دیتا ہے لیکن زخم لگانے والا یا اعضاء بدن کو متفرق کرنے والا نہ ہو جیسے دھوبیوں کے کوٹنے کا اوزار بڑا پتھر اور عصا وغیرہ تو یہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک شبہ عمد ہو گا۔ جبکہ صاحبین اور امام شافعیؒ اسے قتل عمد قرار دیتے ہیں

اب ہم قتل عمد کے ارکان سے بحث کرتے ہیں:

رکن اوّل: مجنی علیہ کا قتل سے پہلے بقید حیات ہونا

وجوب قصاص کے لئے ضروری ہے کہ مقتول، قتل کے وار سے پہلے زندہ انسان ہو کیونکہ قصاص قتل عمد کی سزا ہے (جس کا تحقق ایک زندہ انسان کی جان نکالنے سے ہی ہوتا ہے) اگر مجرم نے چادر میں لپٹے ہوئے کسی شخص کو دو ٹکڑے کر ڈالا پھر یہ دعویٰ کیا کہ جب اس نے مقتول کو کاٹا تو وہ مردہ (حالت میں) تھا اور ولی الدم نے کہا کہ نہیں بلکہ وہ زندہ تھا تو اس بارے میں فقہاء کے دو قول ہیں۔

۱۔ ملزم کا قول معتبر ہو گا کیونکہ جس بات کا وہ دعویٰ کر رہا ہے اسکی صحت کا احتمال موجود ہے اور اصل تو اس کا بری الذمہ ہونا ہے (جب تک اسکے خلاف جرم ثابت نہ ہو جائے)

۲۔ ولی کا قول مانا جائے گا کیونکہ اصل میں تو مقتول کا زندہ اور مستحق ضمان ہونا ثابت ہے (اور ملزم کا دعویٰ خلاف ظاہر ہے) لہٰذا اس کا معاملہ یوں سمجھا جائے گا کہ جیسے اس نے کسی مسلمان کو قتل کر دیا اور دعویٰ کیا کہ وہ مرتد تھا[۱]

---

[۱] المہذب: ج ۲: ص ۲۱۵

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ابن حزم کہتے ہیں: جس نے کسی مردہ کو زخم لگایا یا اس کی ہڈی توڑ دی یا اسے جلا دیا تو اس پر کچھ واجب نہیں۔ رہا قتل تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے قتل کا ارتکاب نہیں کیا[1]

بنا بریں:

۱۔ ماں کے پیٹ میں جنین کا قتل، مذکورہ (اصطلاحی) معنوں میں قتل شمار نہیں ہوتا بلکہ اس (جرم) کے لیے (الگ) سزا مخصوص ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو لحیان کی ایک عورت کا جنین ضائع کر دینے کے معاملہ میں غرہ (یعنی ایک غلام یا لونڈی) کا فیصلہ فرمایا۔ نیز انہی سے روایت ہے کہ بنو ہذیل کی دو عورتیں آپس میں لڑ پڑیں ایک نے دوسری پر پتھر پھینکا جس سے وہ (مضروبہ) اور اس کا جنین (دونوں) مر گئے، مقدمہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ جنین کا تاوان غرہ یعنی غلام یا لونڈی ہے[2]

۲۔ حیوان کو ہلاک کر دینا قتل عمد کا جرم شمار نہیں ہوگا۔

حیات انسانی پر تعدی (ہر حال میں) قتل ٹھہرے گی قطع نظر اس سے کہ مقتول کی قومیت، نوع، عمر، حالت اور صحت کیا ہے[3]

---

[1] المحلی لابن حزم، ج ۱۱، ص ۴۸: میری رائے میں ایسا شخص تعزیری سزا کا مستحق ہے۔

[2] التاج الجامع للاصول فی احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم: ص ۱۲: المبسوط: ص ۸۷: نیز دیکھیے ص ۹۹ کتاب ہذا

[3] دیکھیے فصل دوم کتاب ہذا جس میں غلام کے بدلے آزاد، کافر کے بدلے مسلمان، فرد کے بدلے جماعت اور عورت کے بدلے مرد کے قتل سے بحث کی گئی ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

رکن دوم: قاتل سے ایسے فعل کا صدور جس کے نتیجے میں موت واقع ہو جائے

ضروری ہے کہ قاتل کے فعل اور مقتول کی موت کے درمیان سبب اور مسبب کا تعلق پایا جائے یعنی قاتل کے فعل کے نتیجے میں مقتول کی موت واقع ہو۔ اس سلسلہ میں دو امور پر گفتگو کرنا ضروری ہے

(۱) فعل عمد۔ (۲) اس فعل اور موت کے درمیان سبب کا تعلق۔

۱۔ فعل عمد ہر وہ فعل جو انسانی جان کے ضیاع کا سبب (بنتا) ہو اور جان بوجھ کر کیا جائے مستوجب سزا ہے ایسے افعال کئی طرح کے ہیں (جن کا بیان حسب ذیل ہے)

۱۔ یہ کہ مجرم ارتکاب قتل کی نیت سے لوہے کا کوئی ایسا آلہ استعمال کرے جو دھاری دار یا نوکدار ہو، جیسے تلوار، چھرا، نیزہ، خنجر، سوا اور زخم لگانے یا چبھونے میں ان کے مشابہ دیگر آلات مثلاً آگ، شیشہ، بانس کی چھال، وہ نیزہ جس کا پھل نہ ہو وغیرہ اور تانبے سے بنائے گئے آلات۔ اسی طرح لوہے کا ایسا آلہ جس میں دھار نہ ہو جیسے موگری، ترازو کی ڈنڈی، کلہاڑی کی پشت، گول پتھر اور ایسی ہی دیگر اشیاء جو (عمل میں) لوہے کے مشابہ ہوں جیسے تانبا، انگا، سیسہ، سونا اور چاندی وغیرہ۔ یہ امام محمدؒ سے ظاہر الروایۃ میں ثابت ہے۔ اور طحاویؒ نے امام اعظمؒ کا یہ قول روایت کیا ہے کہ ان اشیاء سے قتل، قتل عمد نہ ہوگا۔ پس ظاہر الروایۃ کے مطابق اصل اعتبار لوہے کا ہے خواہ وہ زخم لگائے یا نہ لگائے، جبکہ طحاوی کی روایت میں زخم کا

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اعتبار ہے خواہ لوہے سے لگے یا کسی اور چیز سے[1]۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

۲۔ یہ کہ کوئی شخص کسی کو آگ میں جلا کر مار دے، اس صورت میں بھی قصاص واجب ہے کیونکہ آگ بھی اجزائے جسم کو متفرق کرنے اور اس کے ظاہر و باطن پر اثر کرنے میں ہتھیار کا کام کرتی ہے

۳۔ یہ کہ کوئی شخص کسی دوسرے کو پانی میں ڈبو دے جس سے وہ مر جائے صاحبین کے نزدیک اس پر قصاص واجب ہے اور یہی مالکیہ کا قول بھی ہے جس کی بنیاد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک پر ہے کہ:

---

[1] المبسوط: ج ۲۶: ص ۹۳: دو آدمیوں نے مل کر کسی شخص کو بایں طور قتل کیا کہ ایک نے اسے ڈنڈے سے مارا اور دوسرے نے لوہے کے ہتھیار سے تو دونوں میں سے کسی پر قصاص واجب نہ ہوگا۔ ابراہیم نخعی سے ایسا ہی منقول ہے۔ یہ اس لیے کہ ڈنڈے سے مارنا موجب قصاص نہیں کیونکہ یہ آلہ تادیب کے لیے استعمال ہوتا ہے یوں یہ خطا سے مارنے والے کے حکم میں ہے اور یہ (واضح) ہے کہ اگر کسی کے قتل میں دو آدمی یوں شریک ہوں کہ ایک نے عمداً ہلاک کیا اور دوسرے نے غلطی سے مارا تو کسی پر قصاص نہ ہوگا کیونکہ ہلاکت دو ایسے فعلوں کے نتیجے میں واقع ہوئی ہے جن میں سے ایک موجب عقاب نہیں ہے اور یہ معلوم نہیں کہ ان میں سے کون سا حقیقتاً موت کا سبب بنا ہے اس لیے معاملہ مشتبہ ہو گیا ہے اور قصاص شبہ کی بنا پر ساقط ہو جانے والی سزا ہے البتہ سقوط قصاص کے بعد دیت واجب ہوگی جو دونوں مجرموں پر برابر تقسیم کر دی جائے گی کیونکہ ان میں سے کسی ایک کی جانب فعل قتل کی نسبت اولیٰ نہیں ہے اور یہ کہنا درست نہیں کہ قتل ہتھیار استعمال کرنے والے مجرم کی جانب منسوب ہونا چاہیے جواہر میں ہے کہ: قتل عمد یہ ہے کہ کسی ایسی چیز کے استعمال سے ارتکاب قتل کا ارادہ کیا جائے جو بالعموم ہلاک کر دیتی ہے جیسے دھاری دار یا بھاری آلہ سے یا جسم کے حساس مقامات جیسے خصیتین کو نچوڑنا یا دبانا یا باندھ دینا وغیرہ، یا کوئی عمارت اوپر گرا کر ہلاک کرنا، پچھاڑ کر پاؤں گھسیٹا پانی میں ڈبونا آگ میں جلانا، یا کھانے پینے سے روک کر ہلاک کرنا۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

من غرق غرقناہ ومن حرق حرقناہ۔
یعنی جو کسی کو غرق کرے گا ہم بھی اسے قصاص میں غرق کریں گے اور جو کسی کو آگ میں جلائے گا ہم بھی اسے آگ میں جلا دیں گے
امام ابوحنیفہؒ کی رائے میں اس پر قصاص واجب نہیں۔ وہ کہتے ہیں، یہ حدیث نہیں بلکہ زیاد کا کلام ہے جو اس نے اپنے خطبہ میں بیان کیا کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس نے (ساتھ ہی) یہ بھی کہا ہے کہ من قتل عبدہ قتلناہ یعنی جو اپنے غلام کو قتل کر دے گا ہم بھی اسے قتل کر دیں گے، حالانکہ اس پر اجماع[1] ہے کہ غلام کے بدلے آقا کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ پھر یہ ہے کہ پانی اسلحہ

---

[1] یہاں اجماع کا دعویٰ کیا گیا ہے حالانکہ اس معاملہ میں فقہاء کا اختلاف ہے جیسا کہ اوپر (فصل دوم) میں بیان ہوا ہے۔
اگر ایک شخص نے کسی کو آگ میں ڈالا، پھر اسے نکال لیا اور اس میں قدرے جان باقی تھی اس کے بعد وہ (چند روز تک) صاحب فراش رہ کر مر گیا تو مجرم پر قصاص عائد ہوگا لیکن اگر اس نے چلنا پھرنا شروع کر دیا اور پھر مر گیا تو قصاص واجب نہ ہوگا۔ یہ فتاویٰ قاضیخان میں ہے
اگر کسی شخص کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اس کے لیے ایک دیگ میں پانی گرم کیا جب پانی آگ کی مانند گرم ہو (کر کھولنے لگا) تو اس کو پانی میں ڈال دیا، جس سے اس کے بدن کی کھال اتر گئی اور وہ مر گیا تو مجرم کو اس کے عوض قتل کیا جائے گا۔ اور اگر پانی نہایت گرم تھا مگر اس میں جوش اور ابال نہ تھا اس میں کسی شخص کو ڈال دیا اور وہ پانی میں کچھ دیر رہنے کے بعد مر گیا تو اگر اس شخص کے جسم پر چھالے پڑ گئے تھے یا وہ پانی میں ابل گیا تھا تو اس کے قاتل سے قصاص لیا جائے گا ورنہ نہیں۔
دیکھیے فتاویٰ عالمگیری: ج ۶: ص ۶

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کا حکم نہیں رکھتا اور ڈوبنے والا خود پانی کو (اپنے اندر) جذب کرتا ہے اور یوں اپنی موت میں خود مددگار کی حیثیت رکھتا ہے جس سے (قتل میں) شبہ پیدا ہو کر سقوط قصاص کا موجب بنتا ہے [1]

۴۔ یہ کہ کوئی شخص کسی کا گلا گھونٹ دے جس سے وہ مر جائے یا اسے کنویں میں پھینک دے یا پہاڑ پر سے (دھکا دے کر) نیچے گرا دے اور اس کی موت واقع ہو تو صاحبین کے نزدیک ان صورتوں میں قصاص واجب ہوگا بشرطیکہ مجرم کو یہ علم ہو کہ اس عمل کے نتیجے میں مجنی علیہ زندہ نہ بچے گا [2]۔ امام ابو حنیفہ رح

---

[1] الذخیرۃ للقرافی: ج ۸: ص ۳۸۷: اگر ایک شخص نے عداوت کی بنا پر کسی کو نہر میں دھکا دے دیا اور یہ نہیں جانتا کہ اسے تیرنا آتا ہے پھر وہ شخص مر گیا تو اس سے قصاص لیا جائے گا لیکن اگر مذاق میں ایسی حرکت کی تو خون بہا لازم ہے۔

اگر ایک شخص نے سردی کے موسم میں کسی کو ٹھنڈے پانی میں ڈالا یا اور وہ ٹھٹھر کر اسی وقت مر گیا تو مجرم پر دیت واجب ہوگی، اسی طرح اگر سردی کے موسم میں کسی کو ننگا کر کے چھت پر یا کھلی جگہ پر ڈال دیا اور برابر اسی طرح لٹائے رکھا حتیٰ کہ وہ سردی سے مر گیا (تو دیت لازم ہوگی)۔

اسی طرح اگر کسی کے ہاتھ پاؤں باندھ کر برف میں ڈالا یا (اور وہ مر گیا تو دیت عائد ہوگی) یہ ظہیریہ میں ہے۔ اور اگر ایک شخص کے کسی آدمی یا بچے کو ہاتھ پاؤں باندھ کر دھوپ میں سورج کے سامنے ڈال دیا اور اس کو نہ کھولا یہاں تک کہ وہ (حرارت آفتاب سے) مر گیا تو ایسا کرنے والے پر دیت لازم ہوگی یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔

[2] دیکھیے مسلا خسرو: ج ۲: ص ۱۱: اگر ایک شخص نے کسی کو کنویں میں پھینک دیا اور وہ بھیڑ سے یا دم گھٹ کر مر گیا (تو پھینکنے والے پر کچھ واجب نہیں) امام ابو یوسف رح کے نزدیک اگر اس کی موت دم گھٹنے سے واقع ہوئی ہو تو مجرم پر تاوان عائد ہوگا کیونکہ دم گھٹنے کا سبب کنویں میں پھینکنا ہے

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کے نزدیک ان صورتوں میں قصاص واجب نہیں۔[1]

۵۔ یہ کہ کوئی شخص کسی کو زہر ہلاہل کھلا (پلا) دے جس سے وہ مرجائے تو صاحبین کے نزدیک اس (زہر پلانے والے) پر قصاص واجب ہوگا اور یہی مالکیہ[2] کی رائے ہے۔ جب کہ امام ابوحنیفہؒ کی رائے میں اس پر قصاص نہیں کیونکہ زہر پینے والے نے اپنے اختیار سے ایسا کیا ہے اور یوں (گویا) اس نے خود اپنے آپ کو قتل کیا ہے اور گو کہ زہر دینے والے نے مقتول کو دھوکہ دیا ہے کہ اسے زہر کے بارے میں بتایا نہیں لیکن (ایسی صورت میں) دھوکہ دینے سے جان کا تاوان واجب نہیں ہوتا بلکہ صرف تعزیر

---

[1] دیکھئے ابن عابدین: ج ۵: ص ۵۲۴: اگر کسی شخص کو رسی سے باندھکر پانی سے بھری دیگ میں ڈال دیا اور وہ فوراً مرگیا، یا گرم پانی تھا جس میں اس کا جسم ابل گیا اور وہ تھوڑی دیر اس میں رہنے کے بعد مرگیا تو ایسا کرنے والے شخص کو قصاص میں قتل کیا جائے گا۔

[2] دیکھئے المدونۃ: ج ۱۶: ص ۲۳۳: میں نے پوچھا اگر ایک شخص نے کسی کو زہر پلاکر مار دیا تو آیا اس سے قصاص لیا جائے گا فرمایا۔ ہاں امام مالک کے نزدیک اس سے قصاص لیا جائے گا۔ حاشیۃ الدسوقی: ج ۴: ص ۲۱۰ الذخیرہ: ج ۸: ص ۳۹۳: نیز دیکھئے المحلی لابن حزم: ج ۱۱: ص ۳۴: ابن حزم نے اس سلسلہ میں تمام فقہی مذاہب کی آراء مع دلائل کے بیان کردی ہیں اور ان کی رائے یہ ہے کہ جس نے کسی دوسرے آدمی کو زہر کھلایا اور وہ مرگیا تو زہر دینے والے پر قصاص اور دیت میں سے کچھ واجب نہیں کیونکہ اس نے خود کوئی (ہلاکت انگیز) فعل براہ راست انجام نہیں دیا بلکہ (زہر پینے کا) عمل تو خود اس مرنے والے نے انجام دیا ہے۔ لیکن اگر مجرم نے اسے زہر پینے پر مجبور کردیا یا زبردستی اس کے حلق میں انڈیل دیا یا کسی کو اسے زبردستی پلانے پر مجبور کیا تو ایسی صورت میں وہ بلاشبہ قاتل اور مستحق قصاص ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

لازم آتی ہے[1]

زیلعی پر شلبی کے حاشیہ میں آیا ہے: اگر ایک شخص نے کسی کو زہر کھلایا حتی کہ وہ مر گیا تو اس کی دو صورتیں ہوں گی۔

اگر زہر اسے پیش کیا اور بے خبری میں کھا کر مر گیا تو اس صورت میں نہ قصاص واجب ہے اور نہ دیت بلکہ زہر دینے والے کو قید کیا جائے گا اور تعزیری سزا دی جائے گی۔

اور اگر زہر (زبردستی) منہ میں ڈال دیا (تو مجرم کی مددگار برادری پہ دیت واجب ہوگی

اگر پینے کی چیز میں زہر ملا کر کسی کو پیش کیا اور وہ اسے پی کر مر گیا تو اس صورت میں دیت واجب نہ ہوگی کیونکہ اس نے خود اپنے اختیار سے زہر نوش کیا ہے تاہم چونکہ زہر (ملا مشروب) دینے والے نے اسے دھوکہ دیا ہے لہٰذا اس پر (جرم دھوکہ دہی کی) تعزیر اور استغفار لازم ہے[2]

۶۔ یہ کہ ایک شخص نے کسی کو حبس (بیجا) میں رکھ کر اتنی مدت تک کھانے پینے کے لیے کچھ نہ دیا جس میں بغیر کھائے پیئے (ایک عام انسان کی) موت واقع ہو جاتی ہے اور وہ شخص ہلاک ہو گیا تو حبس میں رکھنے والے پر قصاص واجب ہوگا[3]

۷۔ یہ کہ مجرم نے کسی کو مجبور کر دیا کہ وہ فلاں شخص کو ناحق قتل کر دے اور اس نے مجبوراً قتل کر دیا تو مجبور کرنے والے پر قصاص عائد ہوگا کیونکہ اس نے قتل

---

[1] المبسوط: ج ۲۶ ص ۱۰۳:

[2] الزیلعی: ج ۶ ص ۱۰۱:

[3] المہذب: ج ۲ ص ۱۷۹

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کا ایسا ذریعہ اختیار کیا ہے (جو بالعموم ہلاک کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے) رہا مکرہ (یعنی وہ شخص جسے قتل کرنے پر مجبور کیا گیا) تو اس کے بارے میں دو قول ہیں: پہلے قول کی رو سے اس پر قصاص واجب نہیں کیونکہ اس نے اپنے آپ کو (ہلاکت سے) بچانے کے لیے (مجبوراً) قتل کا ارتکاب کیا ہے اور یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص اس پر ہلاک کرنے کے ارادے سے حملہ آور ہو اور یہ اپنے دفاع میں اس (حملہ آور) کو قتل کر دے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ مکرہ (یعنی مجبور کیے گئے شخص) سے قصاص لیا جائے گا کیونکہ اس نے عمداً ظلم و تعدی کی بناء پر قتل کا ارتکاب کیا ہے تاکہ اسکی اپنی جان بچ جائے۔

اگر حاکم نے کسی شخص کو ناحق ارتکاب قتل کا حکم دیا اور اس شخص (مرتکب) کو معلوم نہ تھا کہ یہ قتل ناحق (ظالمانہ) ہے تو قصاص حاکم پر ہوگا۔ کیونکہ مامور (جسے حکم دیا گیا) معذور ہے (کہ وہ تو محض حاکم کا آلۂ کار تھا) اور پھر یہ ہے کہ بظاہر حکمران ناحق حکم نہیں دیا کرتے۔ لیکن اگر مامور کو یہ علم تھا کہ اسے ناحق قتل کا حکم دیا گیا (اور اس کی تعمیل میں وہ غلطی پر ہے) تو قصاص اسی (مرتکب قتل) سے لیا جائے گا کیونکہ معصیت میں امام کی اطاعت جائز نہیں اس کی دلیل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ: لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق

یعنی خالق کی نافرمانی میں کسی بھی مخلوق کی اطاعت نہ کی جائے

امام شافعی نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: من امرکم من الولاة بغیر طاعة اللہ فلا تطیعوہ یعنی اگر کوئی حاکم تمہیں اللہ کی اطاعت کے بغیر کوئی حکم دے تو اس کا حکم نہ مانو[1]

---

[1] المہذب: ج ۲: ص ۱۷۷

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

۸ یہ کہ دو آدمی کسی شخص کے متعلق ایسی گواہی دیں جس کی بناء پر اسے موت کی سزا ہو جائے اور اس شخص کے قتل ہو جانے کے بعد وہ (گواہ) اپنی شہادت سے رجوع کر لیں (اور کہیں کہ ہم نے جھوٹی گواہی دے کر عمداً اور ظلماً اس شخص کو قتل کرایا ہے) تو ان دونوں (گواہوں) پر قصاص واجب ہوگا کیونکہ قاسم نے عبدالرحمٰن سے روایت کی ہے کہ دو آدمیوں نے حضرت علی کی عدالت میں ایک شخص کے بارے میں چوری (کے جرم) کی شہادت دی جس پر آپؓ نے اس شخص کو قطع ید کی سزا دے دی اس کے بعد وہ دونوں اپنی گواہی سے پھر گئے تو حضرت علیؓ نے فرمایا: اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ تم نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہے تو میں تم دونوں کے ہاتھ کٹوا دیتا۔ چنانچہ آپؓ نے اس شخص کے ہاتھ کا تاوان ان دونوں (گواہوں) پر عائد کر دیا پھر چونکہ ان دونوں گواہوں نے اس شخص (مشہود علیہ) کے قتل کے لیے ایسا سبب اپنایا جس کے نتیجے میں (اکثر) مجرم مستوجب قتل ہو جاتا ہے اس لیے ان سے قصاص لیا جائے گا[1]

---

[1] حنفیہ کے نزدیک ان (گواہوں) کے مال میں دیت واجب ہوگی جب کہ امام شافعی کہتے ہیں ان پر قصاص عائد ہوگا، حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ گواہ (کی شہادت) قتل کا سبب بنا ہے اور سبب موجب قصاص نہیں ہوتا (یعنی قتل بسبب میں قصاص نہیں) جیسا کہ کنواں کھودنا۔ اور یہ اس لیے کہ قصاص میں مساوات (مماثلت) کا لحاظ ضروری ہے اور سبب و مباشرت کے مابین مساوات مفقود ہے۔ (البتہ بندوق کی گولی سے قتل، عمد شمار ہوگا کیونکہ وہ تیز دھار والے آلات کی جنس سے ہے اس بندوق سے قتل کا مجرم قصاص میں قتل کیا جائے گا۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اگر ذریعۂ قتل ایسا اختیار کیا گیا جو موت کا باعث نہ بنتا ہو تو مجرم پر کوئی سزا نہیں فتاوی ابن عابدین میں ہے: اگر کسی شخص نے یہ اقرار (دعویٰ) کیا کہ میں اپنی بد دُعا سے فلاں کو ہلاک کر دیا یا باطنی تیروں سے یا سورۂ انفال پڑھ کر ہلاک کر دیا تو اس (اقرار کرنے والے پر) کچھ لازم نہیں کیونکہ (اس کا دعوی) کذب محض ہے اس سے علم غیب کا ادعاء لازم آتا ہے جس کی ارشاد خداوندی: لا یعلم الغیب الا اللہ یعنی اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا میں نفی کر دی گئی ہے اور ان (مذکورہ) اشیاء کے ساتھ ہلاک کرنے کے بارے میں کوئی نص موجود نہیں (اس لیے) وہ شخص اپنے اقرار میں جھوٹا ہے اور اس پر (قصاص وغیرہ) کوئی شئے لازم نہیں۔ اسی طرح اگر (کوئی شخص) یہ کہتا ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے اسمائے قہریہ پڑھ کر فلاں کو ہلاک کر دیا تو اس بارے میں مشائخ کے درمیان اختلاف ہے اور اصح قول یہ ہے کہ اس (مدعی) پر کچھ لازم نہیں۔ کیونکہ شریعت اسلامیہ نے (اللہ تعالیٰ کے اسمائے قہریہ پڑھنے کے) اس عمل کو قتل کا آلہ اور سبب قرار نہیں دیا۔[1]

فعل اور موت کے درمیان رابطہ سببیت

(وجوب قصاص کیلئے ضروری ہے

کہ مجرم کے فعل اور مقتول کی موت کے درمیان سببیت کا رابطہ موجود ہو یعنی مجرم نے جس فعل کا ارتکاب کیا ہے وہی (فعل) مقتول کی ہلاکت کا براہ راست سبب بنا ہو اگر یہ رابطۂ سببیت موجود نہ ہو تو قصاص واجب نہیں ہوگا۔

---

[1] اگر وہ شخص جانتے ہوئے عمداً ایسا کرے اور بار بار کرے تو مالکیہ کے نزدیک اس سے قصاص لیا جائیگا

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

مہذب[1] میں ہے: اگر ایک شخص نے کسی کو ایسے پانی میں پھینکا جہاں سے بچ کر نکلنا

---

[1] دیکھئے المہذب، ج ۲: ص ۱۷۷ اگر ایک شخص نے کسی عورت کے پیٹ پر ضرب لگائی جس سے اس کا جنین مردہ حالت میں باہر نکل آیا پھر دونوں نے اس معاملہ میں اختلاف کیا، ضرب لگانے والے نے کہا کہ یہ اسقاط (جنین) میری ضرب کی وجہ سے نہیں ہوا جبکہ عورت نے دعویٰ کیا کہ تیری ضرب کی وجہ سے ہی ایسا ہوا، تو (دیکھا جائے گا) اگر اسقاط ضرب لگانے کے فوراً بعد ہوا ہو تو عورت کا قول معتبر ہے کیونکہ ظاہر (حال) اس کی تائید کر رہا ہے۔ اور اگر اسقاط کچھ دیر کے بعد ہوا تو پھر دیکھا جائے گا۔ کہ آیا اس دوران عورت درد میں مبتلا رہی ہے یا نہیں۔ پہلی صورت میں عورت ہی کا قول مانا جائے کیونکہ ظاہر (حال) اس کے ساتھ ہے۔ اور دوسری (درد میں مبتلا نہ رہنے کی صورت میں ضرب لگانے والے کا قول معتبر ہوگا کیونکہ (اس معاملہ میں) دونوں کے دعویٰ میں (صحت کا) احتمال پایا جاتا ہے۔ اور اصل میں انسان بری الذمہ ہوتا ہے (جب تک کہ مسئولیت ثابت نہ ہو جائے)۔ اور اگر وہ دونوں (عورت کے) مبتلائے درد رہنے کے بارے میں اختلاف کریں تو مجرم کا قول معتبر ہوگا کیونکہ اصل عدم تألم (درد نہ ہونا) ہے۔ (جو مجرم کے قول کی تائید کر رہا ہے)

اور اگر عورت کے پیٹ پر ضرب لگانے کے بعد جنین زندہ حالت میں باہر آیا اور مر گیا پھر دونوں نے اختلاف کیا عورت نے کہا کہ یہ تیری ضرب کی وجہ سے مرا ہے اور ضرب لگانے والے نے کہا کہ نہیں بلکہ کسی اور سبب سے مرا ہے۔ تو دیکھا جائے گا اگر جنین اسقاط کے فوراً بعد مر گیا تو عورت کا قول معتبر ہوگا کیونکہ ظاہر حال اس کی تائید کر رہا ہے کہ جنین اسی زیادتی کے نتیجے میں مرا ہے اگر کچھ مدت کے بعد مرا اور اس بات کی شہادت نہ مل سکی کہ اس دوران وہ درد میں مبتلا رہا ہے تو ضارب کا قول یمین کے ساتھ معتبر ہوگا کیونکہ اس کے دعویٰ (کی صحت) کا احتمال موجود ہے اور اصل برائت ذمہ ہے لیکن اگر اس کا ثبوت مل گیا کہ وہ موت تک درد میں مبتلا رہا تو اس صورت میں عورت کا قول یمین کے ساتھ معتبر ہوگا کیونکہ ظاہر حال (کا تقاضا) یہ ہے کہ جنین اسی شخص کی

(باقی اگلا صفحہ پر)

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ممکن تھا لیکن مچھلی نے اس کو نگل لیا تو پانی میں پھینکنے والے پر قصاص نہیں کیونکہ اس کا یہ فعل غالباً قتل کا سبب نہیں بنتا۔ اور فتاوی ابن عابدین[1] میں تاتارخانیہ کے حوالے سے آیا ہے کہ اگر ایک شخص نے کسی کا پیٹ پھاڑ کر آنتیں باہر نکال دیں پھر کسی دوسرے نے تلوار سے اس کی گردن اڑا دی، پھر اگر پیٹ پھاڑنے کے بعد اس شخص کا دن بھر، یا دن کے کچھ حصہ میں زندہ رہنا متوقع ہو تو گردن کاٹنے والا شخص قاتل قرار پائے گا لیکن اگر (زخم اتنا کاری ہو کہ) اس کے زندہ رہنے کی کوئی امید نہ ہو اور اس میں سوائے اضطراب موت کے اور کچھ نہ ہو تو پھر قاتل پہلا شخص ہوگا (جس نے پیٹ پھاڑا) اگر اس نے عمداً ایسا کیا تو مستوجب قصاص ہوگا اور خطاء کی صورت میں اس پر دیت واجب ہوگی۔

اور شاید ایسے شخص اور حالت نزع میں گرفتار کے درمیان کوئی فرق (متحقق) نہیں کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مریض نزع کے مشابہ حالت میں پہنچ جاتا ہے بلکہ بعض اوقات تو

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) زیادتی سے مراد ہے۔ (المہذب: ج ۲: ص ۲۱۶)۔

[1] ابن عابدین: ج ۵: ص ۳۸۱۔ اور اگر ایک شخص نے کسی کو عمداً زخم لگایا اور وہ (مجروح) صاحب فراش رہا حتی کہ مر گیا تو اس زخم لگانے والے سے قصاص لیا جائے گا الا یہ کہ اس (مجرم) کا فعل کسی دوسرے شخص کے فعل سے منقطع ہو جائے کہ اس کے زخم لگانے کے بعد کوئی دوسرا شخص آکر مجروح کی گردن اڑا دے تو ایسی صورت میں فعل قتل اس دوسرے شخص کی جانب منسوب ہوگا کیونکہ اسی کا فعل موت کے ساتھ براہ راست متصل ہے نیز دیکھئے المہذب: ج ۲، ص ۲۱۵: اگر ایک شخص نے کسی کا ہاتھ کاٹ دیا اور وہ مر گیا پھر ولی مقتول اور مجرم کے درمیان اختلاف ہوا اور مجرم نے کہا: میری زیادتی کے بعد اس نے زہر پیا یا کسی اور شخص نے اس پر زیادتی کی (جس سے یہ مر گیا) تو مجرم پر نصف دیت واجب ہوگی۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اسے مردہ تصور کر کے میت کا سا سلوک کیا جاتا ہے مگر اس کے بعد بھی وہ طویل عرصہ تک زندہ رہتا ہے، بخلاف اس شخص کے جس کا شکم پھاڑ کر انتڑیاں باہر نکال دی گئی ہوں کہ اس کی موت متحقق ہو چکی ہوتی ہے لیکن اگر اس میں زندگی کی کوئی رمق باقی ہو اور وہ ایک دن تک زندہ رہ سکے تو شرعی لحاظ سے وہ زندہ متصور ہو گا جیسا کہ ذبائح میں ہوتا ہے اسی بناء پر قاتل گردن اڑانے والا شخص قرار پائے گا لیکن اگر پیٹ پھاڑنے سے وہ اضطراب موت میں مبتلا ہو جائے تو اس کی زندگی کا کوئی اعتبار نہ ہو گا بلکہ یہ حکماً مردہ متصور ہو گا اسی لیے قاتل یہی پیٹ پھاڑنے والا شخص ٹھہرے گا۔

سلبی طریقے سے جرم قتل کا ارتکاب

جدید قانون میں

سلبی طریقے سے جرم قتل کے ارتکاب کے سلسلہ میں جدید قانون کے شارحین کی آراء میں اختلاف پایا جاتا ہے کیونکہ قانونی نصوص (دفعات) میں اس کی کوئی سزا متعین نہیں کی گئی جرمن شارحین قانون کی رائے میں سلبی طریق سے ارتکاب جرم بھی اسی طرح موجب عقاب ہے جس طرح ایجابی طریقے سے ارتکاب جرم لیکن ایسا صرف ان حالات میں ہے جبکہ مجرم پر مضرت رسیدہ (وہ شخص جس کے خلاف ترک فعل کا ارتکاب کیا گیا) کی مصلحت کے لیے عمل کرنا قانون یا باہمی اتفاق کی رو سے فرض ہو مگر وہ اس عمل سے باز رہے (جس کے نتیجے میں مضرت رسیدہ ہلاک ہو جائے) جیسا کہ ماں کا اپنے بچے کو قتل کرنے کی نیت سے عمداً دودھ نہ پلانا۔ لیکن اگر کوئی شخص ایسے فعل (کی انجام دہی) سے باز رہے جو اس پر قانونی لحاظ سے واجب نہیں تو وہ (نتیجۃً امتناع کا) ذمہ دار نہیں ٹھہرے گا خواہ اس کا یہ امتناع (ترک فعل) احسان، مروت اور ایثار (ایسے اخلاقی

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

تقاضوں) کے کتنا ہی منافی کیوں نہ ہو کیوں کہ قانون لوگوں پر ایسی کوئی چیز لازم نہیں کرتا فرانسیسی شارحین قانون کی اکثریت اس طرف گئی ہے کہ عمداً ارتکاب جرم کے ارادے سے ترک فعل کے مرتکب کو ویسا ہی ذمہ دار قرار دینا (قانوناً) ممکن نہیں جیسا کہ (ایجابی طور سے) ارتکاب فعل کا مجرم ذمہ دار ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ فرانسیسی قانون میں ۱۸۹۸ء سے پیشتر ۱۵ سال سے کم عمر بچے کو قتل کی نیت سے غذا سے محروم رکھنے کی سزا کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔

رہا مصری نظام عدالت تو اس معاملہ میں اس کے احکام تضاد (اضطراب) کا شکار ہیں بعض مصری ماہرین قانون کی رائے میں ممتنع (کسی کام سے باز رہنے والا) صرف اس صورت میں مستوجب عقاب ہے جبکہ اس پر وہ فعل انجام دینا واجب ہو (جس سے وہ باز رہا ہے) اور اس کے اس امتناع اور وقوع موت کے درمیان سببیت کا رابطہ موجود ہو۔[1]

فقہ اسلامی میں

فقہاء کرام کے درمیان یہ امر متفق علیہ ہے کہ ایجابی جرم کبھی سلبی صورت میں بھی واقع ہوتا ہے اور اگر اس صورت میں واقع ہو تو بھی مرتکب جرم سزا کا مستحق ہے پس اگر کوئی شخص کسی انسان کو محبوس کر کے کھانے پینے سے محروم رکھے یا سرد راتوں میں اسے حرارت (گرمائش) پہنچنے دے اور مجنی علیہ بھوک، پیاس یا سردی سے ہلاک ہو جائے تو مجرم قاتل عمد ہے اگر ان ممانعتوں سے اس کا مقصود قتل ہی ہو، امام مالک، شافعی احمد اور صاحبین (امام محمد اور ابو یوسف) کی یہی رائے ہے[2] جبکہ امام ابو حنیفہ اس فعل کو قتل نہیں سمجھتے کیونکہ (ان کی رائے میں) اس

---

[1] القانون الجنائی، مؤلفہ علی بدوی، ص ۸۰-۸۱: نیز دیکھئے مصنف کی کتاب: المسئولیۃ الجنائیۃ فی الفقہ الاسلامی۔

[2] حاشیۃ الدسوقی، ج ۴، ص ۲۱۵: المہذب: ج ۲: ص ۱۷۶: المغنی، ج ۹: ص ۳۰۸: بدائع الصنائع: ج ۷: ص ۲۳۴۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

شخص کی موت، بھوک، پیاس اور سردی سے واقع ہوئی ہے جس سے نہیں ہوئی ہے (اور بھوک پیاس اور سردی میں کسی کا دخل نہیں)۔

اس حالت (ارتکاب قتل) کی واضح مثال ہم (فقہاء کے) حسب ذیل بیانات میں پاتے ہیں: حاشیۂ دسوقی میں ہے: ابن عرفہ سے روایت ہے کہ ابن یونس نے جو یہ بیان کیا کہ اگر کوئی شخص کسی مسافر کو اپنے سے بچا ہوا پانی نہ دے اور اسے یہ بھی معلوم ہو کہ یہ فعل ناجائز ہے اور اگر اس شخص کو پانی نہ پلایا تو وہ مرجائے گا۔ تو ایسے شخص (ممتنع) سے قتل عمد کا قصاص لیا جائے گا اگرچہ اس نے اپنے ہاتھ سے اسے قتل نہیں کیا۔ تو بظاہر اس (بیان) کا مدعا یہ ہے کہ ایسے شخص سے بہر طور قصاص لیا جائے خواہ اس نے مسافر کو قتل کرنے کی نیت کی ہو یا (محض) اذیت دینے کی۔ اگر (اسے مخاطب) تو کہے کہ باب زکوٰۃ میں بیان کیا گیا تھا کہ جو شخص کسی (ضرورت مند) کو اپنے سے بچا ہوا طعام یا پانی نہ دے اور وہ (ضرورت مند) مرجائے تو ممتنع پر دیت عائد ہوگی (جبکہ یہاں کہا گیا ہے کہ اس سے قصاص لیا جائے گا۔ تو جواب یہ ہے کہ باب زکوٰۃ میں مذکورہ مسئلہ اس (صورت) پر محمول ہے کہ جب اس نے کسی تاویل کی بناء پر طعام یا پانی مسافر کو نہ دیا ہو اور یہاں قصاص اس لیے ہے کہ مجرم نے بغیر کسی تاویل (عذر) کے ایسا کیا ہے جیسا کہ ابن یونس کے کلام سے ماخوذ ہے۔[1]

ابن حزم کی کتاب المحلی میں ہے: اگر کوئی شخص افراد کے ایک گروہ سے پانی مانگے اور وہ اسے پانی نہ پلائیں جس سے اس کی موت واقع ہو جائے تو وہ سب لوگ اس کی دیت (ادا کرنے) کے ذمہ دار ہوں گے۔ حضرت عمرؓ نے یہی فیصلہ فرمایا تھا۔ اس مسئلہ کی توجیہ میں علامہ ابن حزم رقمطراز ہیں: ہمارے نزدیک بات یہ ہے کہ اگر پانی

---

[1] حاشیۃ الدسوقی: ج ۴: ص ۲۱۵۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

نہ دینے والوں کو معلوم تھا کہ وہ شخص ان کے علاوہ اور کہیں سے پانی ہرگز نہ پا سکے گا حتیٰ کہ ہلاک ہو جائے گا تو وہ لوگ (اس کے) قتل عمد کے مرتکب ٹھہریں گے اور ان سے بایں طور قصاص لیا جائے گا کہ انہیں پانی سے محروم رکھا جائے گا تا آنکہ وہ سب مر جائیں خواہ تھوڑے سے آدمی ہوں یا زیادہ البتہ وہ شخص ان (کے جرم) میں شامل (متصور) نہ ہو گا جسے اس (ضرورت مند شخص) کا حال معلوم نہ ہو سکا اور نہ ہی وہ شخص جس کے لیے اسے پانی پلانا ممکن ہی نہ تھا اور اگر وہ لوگ یہ نہیں جانتے تھے بلکہ ان کا اندازہ تھا کہ اسے (ان کے علاوہ) کسی اور جگہ سے پانی مل جائے گا تو اس صورت میں انہیں قتل خطاء کا مرتکب گردانا جائے گا کہ ان پر کفارہ اور ان کی عاقلہ (مددگار برادریوں) پر دیت لازم ہو گی۔

بھوکے اور ننگے شخص کے بارے میں بھی یہی حکم ہے کہ ان میں (اس اعتبار سے) کوئی فرق نہیں کہ (ان سب کو ضرورت کی اشیاء باوجود دستیابی کے مہیا نہ کرنا) یکساں زیادتی ہے البتہ یہ صورت اس سے مختلف ہے کہ درندہ کسی شخص کا تعاقب کر رہا ہو اور وہ لوگ اسے بچانے کی کوشش نہ کریں حتیٰ کہ درندہ اسے پھاڑ کھائے کیونکہ یہاں قاتل درندہ ہے اس کی موت ان لوگوں کی (ایجابی یا سلبی) زیادتی کے نتیجے میں واقع نہیں ہوئی لیکن اگر ایسا ہو کہ یہ لوگ اسے (تنہا) چھوڑ دیں پھر اسے درندہ ہلاک کر دے اور یہ باوجود قدرت کے اسے نہ بچائیں تو انہیں قتل عمد کا مرتکب سمجھا جائے گا کیونکہ اس شخص کی موت ان کے فعل کے باعث واقع ہوئی ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے یہ لوگ اس شخص کو کسی گھر میں بند رکھیں تا آنکہ وہ مر جائے۔ (ارتکاب قتل کی) یہ سب صورتیں یکساں ہیں ان میں کوئی فرق نہیں [1]

---

[1] المحلی لابن حزم: ج ۱۰: ص ۵۲۲۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ترک فعل کو قتل کا سبب قرار دینے میں فقہاء کا زاویۂ نظر وہی ہے جو جدید قانون کے بیشتر شارحین کا ہے۔ اس (صدی) سے پہلے ماہرین قانون کی اکثریت کا خیال تھا کہ ترک فعل سے جرم کا وقوع ممکن نہیں ہے اور عدم سے وجود پیدا نہیں ہوتا۔

اور شریعت اسلامیہ جدید قوانین سے اس ضمن میں یہ امتیاز رکھتی ہے کہ وہ اس نظریے کو (کہ ترک عمل بھی جرم کے وقوع کا سبب بن سکتا ہے) ساتویں صدی عیسوی سے اپنائے ہوئے ہے جبکہ جدید قوانین اس نظریئے سے انیسویں صدی میں آکر متعارف ہوئے ہیں۔[1]

رکن سوم : ارتکاب جرم کا ارادہ

قتل عمد میں ارتکاب جرم کا ارادہ اس صورت میں متحقق مانا جائے گا جبکہ مرتکب نے فعل یا ترک فعل کا ارتکاب کسی شخص کو ہلاک کرنے کی غرض سے کیا ہو اور وہ یہ جانتا ہو کہ اس کا یہ عمل موت کا ذریعہ (بننے کی صلاحیت رکھتا) ہے۔ پھر قتل عمد کا جرم از روئے قانون ایسے ارادۂ جرم کو مستلزم جو اسے نفس انسانی کے خلاف دیگر جرائم (زیادتیوں) سے متمیز کرتا ہو۔ چنانچہ قتل عمد کے جرم میں اس عمومی (مفہوم میں) ارادۂ جرم کا پایا جانا کافی نہیں جو قانون تمام جرائم کے تحقق کے لیے لازمی قرار دیتا ہے کہ مجرم اپنے فعل یا ترک فعل کے (قانوناً) ممنوع ہونے سے آگاہ ہو، بلکہ (جرم قتل عمد کے لیے) ضروری ہے کہ مجرم مجنی علیہ کو ہلاک کرنے کا قصد بھی رکھتا ہو۔

درر الحکام میں ملا خسرو کہتے ہیں: چونکہ قصد و ارادہ، دل کا عمل ہے جس پر واقفیت حاصل نہیں ہو سکتی اس لیے مہلک ہتھیار کا استعمال آسانی کے لیے ارادۂ قتل کا قائمقام ٹھہرایا گیا ہے اور قتل کرنے والا آلہ اکثر دھار والا ہوتا ہے کیونکہ اسے قتل کرنے کے

---

[1] دیکھیئے التشریع الجنائی الاسلامی، عبدالقادر عودہ: ج ۱: ص ۹۰۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

لیے ہی بنایا گیا ہے۔ رہا پتھر اور لکڑی سے ضرب لگانا تو یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک شبہ عمد ہے کیونکہ اس صورت میں عمد اور خطا دونوں کا احتمال پایا جاتا ہے عمد کا احتمال تو اس اعتبار سے کہ فاعل نے ضرب لگانے کا ارادہ کیا اور خطاء کا احتمال اس بناء پر کہ اس کا ارادۂ قتل معدوم ہے کیونکہ جو آلہ اس نے استعمال کیا ہے وہ آلۂ قتل نہیں ہے اور (چونکہ یہ ظاہر ہے کہ) عقلمند انسان جس فعل کا ارادہ کرے تو وہی آلہ استعمال کرتا ہے جو اس فعل کے لیئے مخصوص ہو۔ اس لیئے قتل نہ کرنے والے آلہ کا استعمال ارادۂ قتل کی نفی پر دلیل ہے اس لیے یہ قتل خطاء ہے جو عمد سے مشابہت رکھتا ہے [1]

علامہ قرافی کی کتاب "الذخیرہ" میں آیا ہے: (قتل) عمد کی بعض صورتیں ایسی بھی ہیں جن میں قصاص نہیں جیسے دو آدمیوں کا کھیلتے ہوئے باہم کشتی لڑنا یا دوڑ لگانا (جبکہ یہ ایک کی ہلاکت پر منتج ہو) یا ایک شخص کا دوسرے کی ٹانگ دہری کر کے سر سے جوڑنا (جس سے وہ مر جائے) تو ان صورتوں میں قاتل کی مددگار برادری پر قتل خطاء کی دیت لازم ہے جو (اونٹوں کی) پانچ انواع پر مشتمل ہوگی لیکن اگر مجرم نے (اس عمل سے) قتل کا ارادہ کیا ہو تو پھر قصاص واجب ہے [2]

---

[1] درر الحکام: ج ۲: ص ۸۸۔

[2] الذخیرۃ: ج ۸: ص ۳۸۷: نیز دیکھیئے حاشیۂ دسوقی: ج ۴ ص ۲۱۵۔ اگر ایک شخص نے کسی کو زید سمجھتے ہوئے قتل کر دیا پھر ظاہر ہوا کہ وہ عمرو تھا یا اس نے زید بن عمرو سمجھ کر قتل کیا مگر وہ زید بن بکر نکلا تو اس صورت میں وجوب قصاص کا قول ہی صحیح ہے اور ابن عرفہ نے اس پر جزم کیا ہے۔

اور دیکھیئے بدائع الصنائع: ج ۷: ص ۳۷۴۔ ایک شخص نے مصافحہ کیلئے کسی کا ہاتھ پکڑا مگر اس نے اپنا ہاتھ کھینچا اور گر کر ہلاک ہو گیا تو ہاتھ پکڑنے والے پر کچھ لازم نہیں کیونکہ وہ مصافحہ کیلئے ہاتھ پکڑتے ہوئے کسی زیادتی کا مرتکب نہیں ہوا بلکہ وہ تو سنت پر عمل کر رہا تھا

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

پس ارادۂ جرم ہی سے جرم کی نوعیت متعین ہوتی ہے کہ اگر مجرم نے ایسے آلے سے ضرب لگائی جس سے غالباً موت واقع ہو جاتی ہے تو یہ قتل عمد ہوگا اور اگر ایسے آلے سے ضرب لگائی جو غالب حالات میں قتل نہیں کرتا تو یہ قتل شبہ عمد ہوگا۔ لیکن اگر قتل یا ضرب دونوں کا ارادہ نہ کیا جیسے کہ ایک شخص نے مصافحہ کے لیے دوسرے کا ہاتھ پکڑا مگر اس نے اپنا ہاتھ کھینچا اور گر کر مر گیا۔ تو اس (ہاتھ ملانے والے پر) کچھ لازم نہ ہوگا۔[1]

قتل عمد کی سزائیں

قاتل عمد پر پانچ چیزیں واجب ہوتی ہیں۔

(۱) گناہ عظیم۔ (۲) قصاص، یعنی سزائے موت۔

(۳) میراث مقتول سے محرومی۔ (۴) کفارہ۔

(۵) مالی تاوان (خونبہا) باہمی رضامندی سے یا شبہ کی بناء پر سقوط قصاص کی صورت میں

---

[1] بدائع الصنائع: ج ۷: ص ۲۷۳؛ دیکھیئے ج ۷: ص ۲۲۴۔ امام ابوحنیفہؒ سے روایت ہے کہ ایسے آلے کا استعمال جو قتل کے لیے وضع نہیں کیا گیا ارادۂ قتل کی نفی پر دلالت کرتا ہے

کیونکہ ہر فعل کو اس آلہ کے ذریعہ انجام دیا جاتا ہے جو اس کے لیے بنایا گیا ہو اور ایسے آلے سے اس کی انجام دہی جو اس کے لیے وضع نہیں کیا گیا قصد کی نفی کرتی ہے۔ اور ثقل (بے دھار موٹا آلہ) اور اس جیسے دیگر آلات چونکہ قتل کے لیے نہیں بنائے گئے اس لیے ان کا استعمال ارادۂ قتل کی نفی پر دلالت کرتا ہے بخلاف اس لوہے کے جس کی دھار نہ ہو کیونکہ لوہا بنیادی طور پر قتل کیلیے وضع کیا گیا آلہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے و انزلنا الحدید فیہ بأس شدید یعنی ہم نے لوہا اتارا جس میں سختی اور صلابت ہے اور لوہے کے ڈنڈے سے قتل چونکہ معمول کی بات ہے لہٰذا اس کا استعمال ارادۂ قتل کو ثابت کرتا ہے اس لیے یہ قتل عمد ہوگا۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اوّلاً: گناہ | جرم قتل کا مرتکب (شدید) گناہگار ہے (جیسا کہ نصوص ذیل سے ثابت ہوتا ہے)۔

۱۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزآءہ جھنم خالدا فیھا یعنی جو شخص کسی مؤمن کو عمداً قتل کر دے اس کا ٹھکانہ جہنم ہے جہاں وہ ہمیشہ رہے گا۔

۲۔ نسائی میں ایک ثقہ راوی حسن بن اسحاق المروزی، خالد بن خداش اور بریدہ کے واسطے سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا: قتل المؤمن اعظم عند اللہ من زوال الدنیا یعنی اللہ کے نزدیک ایک مسلمان کا قتل ساری دنیا کے برباد ہو جانے سے زیادہ سنگین (گناہ) ہے۔

۳۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اول ما یحاسب بہ العبد الصلوٰۃ واول ما یقضی بین الناس فی الدماء یعنی بندے (کے اعمال میں) سب سے پہلے نماز کی پرسش ہوگی اور (باہمی تنازعات میں) سب سے پہلے خون کا فیصلہ کیا جائے گا۔

۴۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: سباب المؤمن فسق وقتالہ کفر۔ یعنی مسلمان کو گالی دینا فسق اور اس سے قتال (لڑائی) کرنا کفر ہے

قاتل عمد کی قبولیت توبہ کے بارے میں علماء کرام کا اختلاف فصل اول میں بیان ہوا، البتہ اس امر میں اتفاق ہے کہ جو قاتل، گواہوں کی شہادت کے علاوہ قتل عمد کا اقرار کرے اور حاکم اولیائے مقتول کے مطالبہ پر اس سے قصاص لے لے تو قیامت میں اس شخص پر گرفت کا مطالبہ نہ ہوگا اور بالاتفاق حدیث

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

عبادہ کی رو سے وعید (عذاب) سے مستثنیٰ ہے یوں آیت ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاءہٗ جھنم کے عموم سے استدلال کرنے والوں کی دلیل ٹوٹ گئی کیوں کہ اس میں تخصیص در آئی ہے۔ بناء بریں اس آیت کی توجیہ یہ ہے کہ یا تو یہ مخصوص ہے یا حضرت ابن عباسؓ سے منقول اس امر پر محمول کہ یہ سزا اس شخص کی ہے جو قتل مؤمن کو حلال سمجھتے ہوئے اس کا ارتکاب کرے کیونکہ ایسا شخص تو بالاجماع کفر کا مرتکب ہے۔

امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے اصحاب کی رائے یہ ہے کہ قاتل کا معاملہ مشیت ایزدی کے سپرد ہے وہ چاہے تو اس کی توبہ قبول فرمالے اور چاہے تو نہ قبول کرے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ارشاد خداوندی: فجزاءہٗ جھنم خالدا فیھا وغضب اللہ علیہ ولعنہ قاتل کے کفر پر دلالت کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا غضب صرف کافر، خارج از ایمان پر ہی ہوتا ہے تو جواب یہ ہوگا کہ یہ وعید اور دھمکی کے خلاف معاملہ کرنا (یعنی وعید پر عمل نہ کرنا) اللہ کا کرم اور مہربانی ہے۔ حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اذا وعد اللہ لعبد ثوابا فھو منجزہ و ان اوعدہ لعقوبۃ فلہ المشیئۃ ان شاء عاقبہ وان شاء عفا یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے ثواب کا جو وعدہ فرمایا ہے اسے تو وہ پورا کرے گا اور جو اس نے سزا کی وعید دی ہے اس کی تکمیل اللہ کی مشیت پر ہے اگر چاہے تو مستحق وعید کو سزا دے اور چاہے تو اسے معاف فرمادے۔

ان دونوں تاویلوں میں کلام ہے۔

۱۔ القشیری کہتے ہیں: یہ بات (کہ وعید کی خلاف ورزی کرم ہے) محل نظر

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام (حتمی ہے جو) خلاف ورزی (کا امکان) قبول نہیں کرتا الا یہ کہ اس سے مراد تخصیص عام ہو جو کلام باری تعالیٰ میں جائز ہے۔

۲۔ نحاس کہتے ہیں: اس توجیہ کی غلطی واضح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ذٰلك جزاءھم جھنم بما کفروا یعنی ان کی سزا جہنم ہے بسبب ان کے کفر اختیار کرنے کے، یہاں کوئی نہیں کہتا کہ یہ کافروں کی سزا ہے اگر اللہ سزا دے (بلکہ سب سے نزدیک مراد یہ ہے کہ یقیناً یہ کافروں کی سزا ہے جس کے خلاف نہ ہوگا اسی طرح آیت زیر نظر فجزاءھم جھنم خالدا فیھا میں (امکان خلاف کی توجیہ غلط ہے) عربی قواعد کی رو سے بھی یہ تاویل صحیح نہیں کیونکہ آگے فرمایا: وغضب اللہ علیہ جس سے ظاہر ہے کہ قاتل عمد کو اللہ تعالیٰ یہ سزا (ضرور) دیں گے۔

۳۔ مراد یہ ہے کہ اس کی سزا جہنم ہے اگر وہ توبہ نہ کرے اور موت تک گناہ (جرم) پر مصر رہے یہاں تک کہ گناہوں (پر اصرار) کی بدبختی اسے کفر کی حالت میں موت سے ہمکنار کر دے۔

ہبۃ اللہ اپنی کتاب الناسخ والمنسوخ میں بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت ارشاد خداوندی ویغفرون مادون ذلك لمن یشاء سے منسوخ ہو گئی ہے اس پر لوگوں کا اجماع ہے بجز حضرت ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ کے جن کے نزدیک یہ آیت محکم (غیر منسوخ شدہ اور واضح المراد) ہے۔ لیکن ہبۃ اللہ کی یہ رائے محل نظر ہے کیونکہ بقول ابن عطیہ یہ نسخ کا مقام نہیں بلکہ عموم وخصوص کا محل ہے [۱]

---

[۱] احکام القرآن للقرطبی: ج ۵: ص ۳۳۵

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ثانیاً: قصاص قتل عمد کے بارے میں نازل ہونے والی آیات کا مقتضی وجوب قصاص ہے لیکن جاننا چاہیئے کہ (ہر حال میں) قصاص (لینا) لازم نہیں بلکہ ضروری یہ ہے کہ نفاذ قصاص وغیرہ میں حدود (سزا) سے تجاوز ہو کر (مجرم پر) زیادتی نہ ہونے پائے۔ پس اگر فریقین باہمی رضامندی سے دیت یا بلا عوض معافی (کے ذریعہ سقوط قصاص) پر صلح کرلیں تو یہ جائز ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ کیونکر غیر واجب (مباح) قرار پاتا ہے حالانکہ ارشاد خداوندی کتب علیکم کا معنی فرض اور لازم ہوتا ہے۔ تو جواب یہ ہوگا کہ مقتضائے آیت یہ ہے کہ جب تم (اولیائے مقتول) قصاص لینا چاہو تو (اس صورت میں مجرم پر) قصاص (دینا) فرض ہے۔ پس (فریقین کے مابین) اختلاف کی صورت میں قصاص ہی غایت ٹھہرتی ہے[1]۔

قصاص کا ثبوت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ملتا ہے کہ: وکتبنا علیھم فیھا ان النفس بالنفس یعنی ہم نے ان (یہود) پر یہ حکم لکھ دیا کہ جان کا بدلہ جان اور جس حکم کے بارے میں اللہ تعالیٰ یہ خبر دے کہ پہلی امتوں پر فرض کیا گیا تھا وہ ہم پر فرض قرار پاتا ہے الا یہ کہ اس کے نسخ پر دلیل قائم ہو جائے اور حکم قصاص کی ہم پر فرضیت تو نص قرآنی سے ثابت ہے کہ فرمایا: کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ یعنی اے مومنو! تم پر مقتولوں کا قصاص فرض کر دیا گیا ہے۔ پھر وجوب قصاص کی حکمت یہ بیان فرمائی کہ: ولکم فی القصاص حیاۃ یعنی تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے اس کے دو معنی ہیں:

۱۔ پہلا یہ کہ قصاص بطور زجر (سبب) زندگی ہے اس طرح کہ جو شخص اپنے

---

[1] القرطبی: ج ۲: ص ۳۴۶

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کسی دشمن کی جان لینا چاہے گا وہ اپنے اس فعل کے بھیانک انجام یعنی قصاص میں اپنی ہلاکت کا تصور کر کے ارتکاب قتل سے باز آ جائیگا اور یوں حکم قصاص ان دونوں کے لئے زندگی کا ذریعہ بن جائے گا۔

۲۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ قصاص بطور دافع سبب ہلاکت، زندگی کی حفاظت کرتا ہے یوں کہ ناحق قتل کا مرتکب، مقتول کے اولیاء سے اپنی جان بچانے کی خاطر، خود انہی (اولیائے مقتول) کا خاتمہ کرنے کے درپے ہو جاتا ہے اور شریعت اسلامیہ نے اولیائے مقتول کو اس (قاتل) پر تسلط و اختیار عطا فرما دیا ہے تاکہ وہ قصاص لے کر قاتل کے شر سے اپنی زندگیاں محفوظ کر لیں اور (یہ ظاہر ہے کہ) کسی زندہ انسان سے سبب ہلاکت کا دفعیہ اس کی زندگی کی حفاظت کا موجب بنتا ہے۔

وجوب قصاص کے سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: العمد قود یعنی عمد قصاص ہے۔ اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ قتل عمد موجب قصاص ہے کیونکہ قتل عمد خود ہی قصاص نہیں ہوتا۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کتاب اللہ القصاص۔ یعنی اللہ کا حکم قصاص ہے۔

قصاص عبارت ہے مساوات سے اور لغت میں اس کا معنی ہے اتباع الاثر یعنی اثر کی بتدریج پیروی کرنا، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: وقالت لاختہ قصیہ۔ یعنی حضرت موسیٰ کی والدہ نے ان کی بہن سے کہا: اس کے پیچھے چلی جا۔ کسی چیز کے اثر کی پیروی سے مراد اس جیسا فعل کرنا ہے، اس لئے قصاص

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کو مساوات اور یکسانیت پر مبنی قرار دیا گیا ہے [۵]

قتل عمد کی سزا (متعین ہونے) کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔ اولاً: حنفیہ، امام مالک، ثوری، ابن شبرمہ اور حسن بن صالح کا موقف یہ ہے کہ قتل عمد کی سزا قصاص (متعین) ہے اور مقتول کا ولی، مجرم کی رضامندی کے بغیر (قصاص کی بجائے) خون بہا کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ وہ دو چیزوں سے استدلال کرتے ہیں۔

۱۔ ارشاد باری تعالیٰ: کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ یعنی تم پر مقتولوں کے باب میں قصاص فرض کیا گیا ہے۔ یہ قتل عمد کا حکم ہے کیونکہ قتل خطاء میں دیت واجب ہے جیسا کہ فرمایا: ومن قتل مؤمنا خطاء فتحریر رقبة مؤمنة ودیة مسلمة الی اھلہ۔ یعنی جو شخص کسی مومن کو نادانستہ قتل کرے تو اس پر ایک مسلمان غلام کا آزاد کرنا ہے اور خون بہا ہے جو مقتول کے ورثاء کو سپرد کیا جائے۔

۲۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: العمد قود یعنی عمد قصاص ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ قتل عمد موجب قصاص ہے کیونکہ خود قتل عمد تو قصاص نہیں ہو سکتا۔

ملا خسرو کہتے ہیں: ان دونوں دلیلوں میں اشکال ہے۔ پہلی دلیل میں یہ کہ اصول میں یہ طے شدہ قاعدہ ہے کہ کسی چیز کا بطور خاص ذکر کرنا حصر پر دلالت نہیں کرتا چنانچہ آیت میں بطور خاص قتل خطاء کے ذکر سے یہ

---

[۵] المبسوط: ج ۲۶: ص ۶۰: نیز دیکھئے تکملہ فتح القدیر: ج ۸: ص ۲۵۴

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ثابت نہیں ہوتا کہ دیت صرف قتل خطا ہی میں واجب ہے بلکہ یہ ممکن ہے کہ وجوب دیت قتل خطا اور قتل عمد دونوں میں مشترک ہو، جیسا کہ امام شافعیؒ کی رائے ہے۔

دلیل ثانی میں یہ اشکال ہے کہ اصول فقہ میں مقررہ قواعد کی رو سے مطلق کو مقید کرنا دراصل اسے منسوخ کرنا ہے جو کہ خبر واحد کے ذریعہ جائز نہیں اور ظاہر ہے کہ حدیث (العمد قود) خبر واحد ہی ہے اور جو اس کے مشہور[1] ہونے کا دعویٰ کرے اس پر دلیل پیش کرنا لازم ہے۔ نیز (یہ بھی قاعدہ ہے کہ) خبر واحد کے ذریعہ عموم قرآن کی تخصیص نہیں ہو سکتی بجز اس کے کہ کسی مستقل اور متصل کلام کے ذریعہ یہ عموم پہلے ہی تخصیص پا (کر ظنی بن) چکا ہو۔ اب آیت کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ میں لفظ قتلیٰ یا تو مطلق ہوگا یا عام اور دونوں صورتوں میں خبر واحد (العمد قود) پر عمل درست نہیں۔

---

[1] حاشیہ شرنبلالی: ج ۲: ص ۸۹: میں آیا ہے: عنایہ میں تصریح کی گئی ہے کہ یہ حدیث مشہور ہے۔ پھر ہم یہ بھی تسلیم نہیں کرتے کہ آیت اس حدیث سے پہلے، غیر مخصوص البعض ہے بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) آیت میں پہلے ہی ان صورتوں کی تخصیص ہو چکی ہے جب کہ قاتل کسی ایسے شخص کو قتل کر دے جس کا خون ہمیشہ کے لیے محفوظ نہ ہو، یا جب کہ قاتل اور مقتول کے درمیان ولادت یا ملک کا شبہ پایا جاتا ہے۔ بنا بریں مصنف کا یہ بیان قابل قبول نہیں۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

(صحیح) رائے یہ ہے کہ بعض آیات قرآنیہ بعض کی تفسیر کرتی ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ: ولکم فی القصاص حیاۃ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ قتل عمد کی سزا صرف قصاص ہی ہے کیونکہ اس آیت کا مفہوم جیسا کہ کتب تفاسیر میں آیا ہے یہ ہے کہ قاتل جب اپنے جرم کے بھیانک انجام پر غور کرے گا تو لازماً ارتکاب قتل سے باز رہے گا اور یوں ان دونوں کی زندگی محفوظ رہے گی اور ظاہر ہے کہ یہ معنی قتل عمد ہی سے مختص ہے[1]۔ کیونکہ قتل خطاء کی صورت میں قاتل کو قتل نہیں کیا جاتا بلکہ دیت عائد ہوتی ہے۔ اور اسی سے امام شافعی کے موقف کی تردید ہو جاتی ہے زیلعی کہتے ہیں: ارشاد نبوی "العمد قود" میں الف لام جنس کا ہے کیونکہ یہاں کوئی معہود موجود نہیں لہٰذا اس کا مقتضی یہ ہے کہ جنس عمد (ہر قتل عمد) موجب قصاص ہے نہ کہ موجب دیت، پس قتل عمد کو موجب دیت قرار دینا اس حدیث نبوی پر اضافہ کرنا ہے جو کہ ناجائز ہے حضرت ابن عباسؓ نے اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: العمد قود لا مال فیہ یعنی قتل عمد میں قصاص واجب ہے مال نہیں۔ پھر یہ بھی ہے کہ مال میں یہ صلاحیت نہیں کہ وہ قتل عمد کے عوض واجب الادا ٹھہرے کیونکہ انسان اور مال میں صورتاً یا معنی کوئی مماثلت نہیں ہے کہ انسان کو شرف و تکریم سے نوازا گیا ہے تاکہ وہ تکالیف شرعیہ کا بار اٹھائے، طاعت و عبادت میں مشغول رہے اور زمین میں خدا کی خلافت کا مستحق ٹھہرے جبکہ مال کو انسانی مصالح اور ضروریات کی تکمیل میں صرف کیے جانے کے لیے بنایا گیا اس لیے مال انسانی جان کا تاوان اور اس کا بدل بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا قصاص ہی صورت اور معنی ہر دو لحاظ سے (جرم قتل) سے مماثلت رکھتا ہے۔

---

[1] الدرر الحکام الملا خسرو، ج ۲: ص ۸۹۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کیونکہ صورتاً تو یہ قتل کے بدلے قتل اور معنیٰ انتقام سے عبارت ہے جس میں مجرم کا قتل، مقتول کے قتل کے مماثل ہے اور اسی لیے قصاص کہلاتا ہے نیز احیاء یعنی انسانی زندگی کو بچانے کی صلاحیت قصاص ہی میں ہے کہ وہ دوسروں کو قتل کے ارتکاب سے باز رکھتا ہے، مال (دیت) وصول کرنے میں نہیں۔ پس یہی سزا (قصاص) متعین ہوگئی نہ کہ مال، اسی لیے قتل عمد میں واجب ہونے والا مال (بدل صلح) مصالحت کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ کیا تم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی نہیں دیکھتے کہ: لا تعقل العاقلة عمدا ولا عبدا ولا صلحا[1] یعنی عاقلہ قتل عمد کی دیت، غلام کی دیت اور صلح کے ذریعہ واجب ہونے والی دیت ادا کرنے کی ذمہ دار نہیں چنانچہ اگر قتل عمد بذات خود موجب مال ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم قتل عمد کا تاوان مصالحت کی طرف منسوب نہ فرماتے۔ اس کا معارضہ آپ کے ارشاد مبارک لا تعقل عاقلة عمدا سے نہیں ہے کیونکہ اس سے مراد جان سے

---

[1] دیت یا بدل نفس کو عقل اس لیے کہا جاتا ہے کہ عرب عادتاً اونٹوں کی صورت میں دیت ادا کیا کرتے تھے چنانچہ قاتل کے رشتہ دار رات کو اونٹ لاکر اولیائے مقتول کے صحن میں باندھ دیا کرتے تھے۔ وہ صبح اٹھتے تو اونٹ ان کے صحن میں باندھے ہوا کرتے اس لیے دیت کا نام عقل رکھ دیا گیا۔ (المبسوط: ج ۲۶، ص ۵۹) معاقل، معقلہ کی جمع ہے، معقلہ دیت کو کہتے ہیں، دیت کا نام عقل اسی لیے ہے کہ یہ خونریزی کو روکنے کا سبب و ذریعہ بنتی ہے۔ لغت میں کہا جاتا ہے عقل البعیر عقلا یعنی اونٹ کو رسی سے باندھا اسی سے ماخوذ عقل ہے کہ وہ برائیوں سے باز رکھتی ہے اور عاقلہ (قاتل کے رشتہ داروں کا) وہ گروہ ہے جو دیت ادا کرتا ہے۔ کہا جاتا ہے: عقلت القتیل یعنی میں نے مقتول کی دیت ادا کر دی اور عقلت من القاتل کا مطلب ہے کہ میں نے قاتل پر لازم ہونے والی دیت ادا کر دی۔ دیت کو عقل اور معقلہ ابتداء اونٹوں کے ذریعہ ادائیگی تاوان کے باعث کہا جاتا تھا پھر یہ نام عام ہوگیا۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کمتر جراحت رسانی کی وہ صورتیں ہیں جن میں قصاص کا نفاذ ممکن نہیں اور صلح میں وہ صورت ہے جو جان اور جان سے کمتر دونوں میں ممکن ہے اور اس سے حدیث کا معنی درست ہو جاتا ہے۔ اور حدیث سے مراد قاتل کے دیت پیش کرنے پر ولی مقتول کے لیے اختیار کا ثابت ہونا ہے، اور ولی کو یہ اختیار دینا اس کے منافی نہیں کہ غیر واجب دیت میں فریق مقابل کی رضامندی ضروری ہو، یہ ایسا ہی ہے جیسے قرض خواہ سے کہا جائے کہ تو اپنا قرض چاہے تو دراہم یا دنانیر کی صورت میں وصول کرلے اور چاہے تو سامان کی صورت میں، ظاہر ہے اس سے قرض خواہ کو یہ اختیار نہیں ملتا کہ وہ اپنے حق کے علاوہ کوئی چیز مقروض کی مرضی کے بغیر لے لے۔ اس مفہوم کی تائید حضرت ابن عباسؓ کے اس ارشاد گرامی سے بھی ہوتی ہے کہ بنی اسرائیل میں قصاص تو تھا لیکن دیت نہ تھی اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا کہ: کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ الحر بالحر والعبد بالعبد والانثیٰ بالانثیٰ فمن عفی لہٗ من اخیہ شیء یعنی تم پر مقتولوں کا قصاص فرض کیا گیا ہے آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام، عورت کے بدلے عورت تو جس کو اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معافی حاصل ہو جائے، یہاں معافی سے مراد یہ ہے کہ قتل عمد میں دیت قبول کرلے، ذالک تخفیف من ربکم یہ تمہارے رب کی طرف سے تخفیف ہے بہ نسبت اسکے جو تم سے پہلی امتوں پر فرض کیا گیا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ اس روایت میں یہ خبر دے رہے ہیں کہ بنی اسرائیل کے لیے خون کے بہ عوض مال دیت لینا حرام تھا اور قاتل کا خون بہانا ضروری تھا اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ پر تخفیف فرماتے ہوئے فمن عفی لہ من اخیہ شیء کے ذریعہ یہ (سخت) حکم منسوخ کر دیا (یعنی قصاص کے بدلے دیت قبول کرنے کی اجازت دے دی) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پہلو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: من قتل لہ قتیل فھو

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

بالخیار بین ان یقتص او یعفو او یاخذ الدیۃ ۔ یعنی جس کے ہاں کوئی خون ہو جائے تو اسے اختیار ہے چاہے تو قصاص لے یا معاف کر دے یا دیت وصول کر لے۔ یہ دیت لینا امت مسلمہ کے لیے جائز ٹھہرایا گیا ہے جبکہ قاتل کی طرف سے پیش کی جائے

انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ان کی خالہ ربیع نے ایک لونڈی کو تھپڑ مار کر اس کا دانت توڑ دیا تنازعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کتاب اللہ القصاص یعنی اللہ کا حکم قصاص ہے۔ چنانچہ آپ نے انہیں قصاص اور دیت میں اختیار نہیں دیا حالانکہ اگر مال بھی (قصاص کے ساتھ یکساں) واجب ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اختیار عطا فرماتے۔ کیونکہ جب کبھی کسی شخص کو دو چیزوں میں سے ایک کے اختیار کا حق حاصل ہو تو ان میں سے ایک معین چیز وصول کرنے کا حکم نہیں دیا جاتا بلکہ دونوں میں سے کسی ایک شئے کو اختیار کرنے کا حق دیا جاتا ہے، اس حقیقت کی تاکید اس امر سے ہوتی ہے کہ ولیٔ مقتول اگر قصاص اختیار کرنے سے پیشتر ہی قصاص معاف کر دے تو یہ معافی صحیح ہوگی اور اگر قتل عمد میں قصاص کی سزا متعین نہ ہوتی تو اس کے تعین سے پہلے عفو صحیح نہ ہوتا کہ کسی شئے کے وجوب سے پہلے معافی باطل ہوتی ہے

پس جب کہ قتل عمد میں قصاص ہی واجب اصلی ہے تو تنہا ولی مقتول کو یہ حق نہیں کہ وہ قاتل کی رضامندی کے بغیر قصاص کے بدلے دیت وصول کرنے کا فیصلہ کرے کیونکہ یہ معاوضہ ہے اور کسی کو عوض ادا کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ دیگر حقوق معاملہ میں ہے اسی لیے اگر ولی مقتول دیت کے علاوہ کسی اور چیز جیسے مکان وغیرہ کے بدلے قصاص معاف کر دے تو قاتل کو اس کی ادائیگی

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

پر مجبور نہیں کیا جا سکتا حالانکہ اس میں اس کے لیے زندگی اور بقا ہے [1]

ثانیاً: امام اوزاعی، لیث اور شافعی رحمہم اللہ کی رائے میں ولیٔ مقتول کو قصاص اور خون بہا لینے کا یکساں اختیار ہے خواہ قاتل راضی ہو یا نہ ہو۔ امام شافعی کہتے ہیں اگر مفلس نے قصاص معاف کر دیا تو یہ جائز ہوگا اور اہل وصیت و دین اسے ایسا کرنے سے منع نہیں کر سکتے کیونکہ مال کی ملکیت مجنی علیہ یا اگر وہ زندہ نہ ہو تو اس کے ورثاء کی مرضی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔

ابوبکر جصاص رحمہ اللہ کہتے ہیں: قتل عمد میں قصاص کے ساتھ یکساں طور پر دیت کا وجوب اور ولی کو اس کا اختیار دینا کسی ایسی دلیل کے بغیر جائز نہیں جس کے ذریعہ نسخ ممکن ہو کیونکہ نص قرآنی پر اضافہ نسخ کی حیثیت رکھتا ہے اور اس (رائے) پر کہ قتل عمد میں قاتل کی رضامندی کے بغیر دیت لینا جائز نہیں) اللہ تعالیٰ کا یہ دلالت کرتا ہے کہ: یاایھا الذین امنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم یعنی اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طور پر نہ کھاؤ مگر یہ باہمی رضامندی سے تجارت کے بغیر اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان کا مال اس کی رضامندی سے تجارت کے بغیر لینا حرام قرار دیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: لا یحل مال امرئ مسلم الا بطیبۃ من نفسہ۔ یعنی کسی مسلمان کا مال اس کی رضامندی کے بغیر لینا جائز نہیں۔ بناء بریں اگر قاتل مال دیت کی ادائیگی پر آمادہ نہ ہو اور وہ اسے بطیب خاطر قبول نہ کرے تو اس کا مال لینا ہر شخص کے لیے حرام ہے۔

---

[1] الزیلعی: ج ۶، ص ۹۹؛

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

۱۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: العمد قود الا ان یعفو ولی المقتول یعنی قتل عمد میں قصاص واجب ہے الا یہ کہ ولی مقتول معاف کر دے۔

۲۔ حضرت ابن عباس سے یہ ارشاد نبوی بھی مروی ہے کہ: من قتل فی عمیا[1] او رمیا یکون بینهم بحجر او سوط فعقله عقل خطأ ومن قتل عمدا فقود یدیه فمن حال بینه وبینه فعلیه لعنة الله والملئکة والناس اجمعین۔ یعنی جو شخص نادانی سے یا باہم سنگ باری یا کوڑے سے قتل کیا گیا تو قاتل پر دیت خطاء لازم ہے اور قتل عمد کی صورت میں قصاص واجب ہے جو کوئی اس میں حائل ہو اس پر خدا کا غضب اور فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہو۔ ان دونوں حدیثوں میں بتایا گیا ہے کہ قتل عمد میں صرف قصاص ہی (متعین طور پر) واجب ہے اور اگر ولی مقتول کو (قاتل کی مرضی کے علی الرغم) دیت وصول کرنے کا اختیار ہوتا تو شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام ان احادیث میں صرف قصاص کے بیان پر اکتفاء نہ فرماتے کیونکہ انسان کو علی وجہ الاختیار حاصل ہونے والی دو چیزوں میں سے (متعین طور پر) ایک کی وصولی کا حکم دینا روا نہیں۔ اور اگر پہلے یہ اختیار حاصل نہ ہو تو بعد میں یہ اختیار دینا پہلے حکم کا نسخ قرار پائے گا[2]

امام شافعیؒ اپنے موقف کے حق میں حسب ذیل پیش کرتے ہیں۔

۱۔ ابو سلمہ اور ابو ہریرہؓ کے واسطے سے یحییٰ بن کثیر کی روایت کردہ حدیث ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر ارشاد فرمایا۔

---

[1] عمیا سے مراد ہے جہالت، گمراہی اور فتنہ۔

[2] احکام القرآن للجصاص: ج ۱: ص ۱۷۴:

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

من قتل لہٗ قتیل فھو بخیر النظرین، اما ان یقتل واما ان یؤدی۔
یعنی جس کا کوئی آدمی مارا جائے اسے دو باتوں میں سے ایک کا اختیار رہے قصاص لے یا دیت۔ ابن سعید، ابوذؤیب سعید المقبری اور ابوشریح الکعبی کے واسطے سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں (الکعبی) نے فتح مکہ کے خطبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اے گروہ خزاعہ: تم نے بنو ہذیل کے جس شخص کو قتل کر دیا تھا میں اس کی دیت ادا کر رہا ہوں آج کے بعد اگر کوئی آدمی قتل ہو جائے تو اس کے ورثاء کو دو باتوں کا اختیار ہے چاہے اس کی دیت لیں، چاہے قصاص میں قتل کریں۔ محمد بن اسحاق نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی روایت کیا ہے کہ: من اصیب بدم او خبل[1] فولیہ بالخیار بین احد ثلاث: بین العفو او یقتص او یاخذ الدیۃ یعنی جس شخص کا خون کیا جائے یا اس کا کوئی عضو کاٹا جائے تو اس کے ولی کو تین باتوں کا اختیار حاصل ہے، معاف کر دے یا قصاص میں قاتل کو قتل کر دے یا دیت لے لے۔

مخالف رائے کے حامل اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ یہ حدیث امام اوزاعی نے بایں الفاظ روایت کی ہے: من قتل لہٗ قتیل فھو بخیر الناظرین: اما ان یقتل واما ان یفادی۔ یعنی جس کا کوئی آدمی قتل ہو جائے اسے دو باتوں کا اختیار رہے۔ قصاص لے یا (فریق مقابل سے) دیت پر مصالحت کر لے۔" یفادی" باب مفاعلہ کا صیغہ ہے جو دو فریقوں کے مابین باہمی معاملہ کا متقاضی ہے جیسا کہ مقاتلہ (دو آدمیوں کے درمیان لڑائی) مضاربہ (باہم مار پیٹ) اور مشاتمہ (باہم سب وشتم) وغیرہ کے صیغوں میں ہوتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس مفہوم کی تمام احادیث میں قاتل کی رضامندی سے دیت لینے کا بیان ہے۔

---

[1] حدیث میں خبل سے مراد ہاتھ پیر اور دیگر اعضاء کا کاٹنا ہے۔ کہا جاتا ہے لنا فی بنی فلان دماء و خبول۔ یعنی بنی فلاں پر ہمارے خون اور قطع اعضاء (کا تاوان) واجب ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

۲- علقمہ بن وائل اپنے باپ سے اور ثابت البنانی حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کسی کو قتل کر دیا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ولیٔ مقتول کے حوالے کرتے ہوئے اس سے پوچھا۔ کیا تو قاتل کو معاف کرتا ہے۔ اس نے انکار کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پوچھا، کیا دیت لینے پر آمادہ ہے۔ وہ بولا نہیں اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا تو قاتل کو قتل کر کے اسی کی مانند نہیں ہو جائے گا وہ شخص اس دوران جا چکا تھا، صحابہ کرامؓ نے جا کر اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک سے آگاہ کیا تو اس نے قاتل کو معاف کر دیا۔ دوسرے لوگ شافعیہ کے اس استدلال کے جواب میں کہتے ہیں کہ اس حدیث میں ان کے موقف پر کوئی دلالت نہیں پائی جاتی کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ ہو کہ قاتل کی رضامندی سے دیت پر مصالحت کرے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زوجۂ ثابت بن قیس کی اپنے شوہر کے خلاف شکایت (اور مطالبۂ خلع) پر اس سے فرمایا تھا کہ کیا تو (مہر میں) خاوند کا دیا ہوا باغ اسے لوٹانے پر آمادہ ہے۔ اور اس نے اثبات میں جواب دیا۔ ظاہر ہے کہ اس معاملہ میں ثابت (شوہر) کی رضامندی ضروری (شرط) تھی گو کہ حدیث میں اس کا ذکر نہیں کیونکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ثابت کو اس کی مرضی کے خلاف طلاق دینے اور باغ لینے پر مجبور نہ فرماتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی کہ: ان قتلته کنت مثله یعنی قاتل کو قتل کرنے پر تو بھی اسکی مانند ہو گا۔ دو احتمال رکھتا ہے۔

پہلا یہ کہ اس صورت میں تو بھی خون بہانے والا ٹھہرے گا جیسا کہ قاتل نے خون ریزی کی ہے، نہ یہ کہ تو بھی قاتل کی طرح گناہ گار ہو گا، کیونکہ

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

قصاص میں قتل کرنے والا اپنا حق وصول کر رہا ہوتا ہے جس پر وہ ملامت اور گناہ کا مستحق نہیں ہو سکتا، اس کے برعکس جرم قتل کا مرتکب ناحق خونریزی کے سبب گناہگار ٹھہرتا ہے، بنا بریں ظاہر ہے کہ اس مماثلت سے مراد گناہ میں یکسانیت نہیں (بلکہ صرف شکل فعل میں مماثلت مراد ہے)۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ اگر تو قاتل کو ہلاک کر دے تو اپنا حق وصول کر لینے کے باعث تجھے اس پر کوئی فضیلت و برتری حاصل نہ رہے گی۔

۳۔ مزنی، امام شافعیؒ (کے موقف) کے حق میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اگر کوئی حد قذف اور شخصی کفالت کی صورت میں مال پر مصالحت کرے تو حد اور کفالت تو باطل ہو جائے گی اور وہ کچھ مال کا مستحق نہ ہو گا جبکہ قتل عمد میں یہ مصالحت بالاتفاق روا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خون عمداً اصلاً مال ہے ورنہ قذف اور کفالت کی طرح یہاں بھی مصالحت جائز نہ ہوتی۔ اس استدلال کی تردید میں فریق مخالف یہ کہتا ہے کہ:

۱۔ یہ دلیل درست نہیں کیونکہ یہ معلوم ہے کہ (کوئی) حد شرعی مصالحت اور بطلان مال کے ذریعہ باطل نہیں ہوتی، اور شخصی کفالت کے بارے میں دو روایتیں ہیں ایک روایت کی رو سے یہ بھی باطل نہیں ہوتی اور دوسری کی رو سے باطل ہو جاتی ہے

۲۔ اس استدلال میں تناقض پایا جاتا ہے کیونکہ مال لے کر طلاق دینے کے جواز پر سب کا اتفاق ہے حالانکہ طلاق اصل میں (سبب استحقاق) نہیں ہے اور شوہر کو یہ حق نہیں کہ بیوی سے طلاق کے عوض جبراً (اس کی رضامندی کے بغیر) مال طلب کرے، پھر مزنی نے امام شافعی کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ مجور علیہ (نااہل تصرف) خون معاف کرنے کا حق رکھتا ہے اور اہل وصیت و دین اسے ایسا کرنے سے منع نہیں کر سکتے کیونکہ قتل عمد کی صورت میں (کسی کو) مال (بدل صلح) کی ملکیت

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

مجنی علیہ کی مرضی اور اختیار کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی، پس اگر قتل عمد اصلاً (موجب) مال ہوتا تو اس میں (مجور علیہ کے) قرض خواہوں اور اصحاب وصیت کا حق ثابت ہوتا اور اس سے ظاہر ہے کہ ان (امام شافعی) کے نزدیک قتل عمد میں صرف قصاص واجب ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں اور ولی مقتول کو (قاتل کی مرضی کے علی الرغم) قصاص اور دیت میں حق اختیار حاصل نہیں۔

۴۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیہ سلطانا یعنی جو شخص ناحق قتل کیا گیا ہم نے اس کے ولی کو غلبہ و اختیار دیا ہے۔ اس آیت کی رو سے ولی کے لیے قصاص اور دیت (دونوں) کا اختیار ثابت ہوتا ہے کیونکہ لفظ سلطان (غلبہ و استیلاء) کا اطلاق دونوں پر ہوتا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ ناحق قتل کی بعض صورتوں مثلاً شبہ عمد اور باپ کے بیٹے کو قتل کرنے میں دیت واجب ہوتی ہے اور بعض (دیگر) صورتوں میں قصاص عائد ہوتا ہے جس سے عیاں ہے کہ آیت مذکورہ میں (سلطان سے) مراد قصاص و دیت دونوں ہیں۔ لیکن چونکہ یہ دو چیزیں۔ (ایک ہی صورت میں) جمع نہیں ہو سکتیں اس لیے ان کا وجوب اختیاری (ولی مقتول کے اختیار پر منحصر) ہے۔

جصاص کہتے ہیں کہ زیر نظر آیت (کے مفہوم) میں اس امر پر دلالت (کرنے والا قرینہ) موجود ہے کہ اس سے مراد صرف قصاص ہے دیت نہیں کیونکہ پوری آیت یہ ہے: ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیہ سلطانا فلا یسرف فی القتل انہ کان منصورا۔ یعنی جو شخص ظلماً قتل کر دیا گیا اس کے ولی کو ہم نے غلبہ و اختیار دیا ہے پس چاہیئے کہ وہ (قصاصاً) قتل کرنے میں زیادتی

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

نہ کرے اس (استیفاء حق) میں اس کی مدد کی جائے گی۔

ثالثاً: میراث مقتول سے محرومی

قاتل اپنے مقتول کی میراث سے محروم ہوتا ہے کیونکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ لا میراث لقاتل بعد صاحب البقرۃ یعنی بنی اسرائیل کے واقعۂ بقرہ والے مجرم کے بعد کسی قاتل کے لیے میراث نہیں ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ: لا شئ للقاتل یعنی قاتل میراث میں کسی چیز کا حقدار نہیں[1] ہے۔ پس ناحق قتل کا ارتکاب کرنیوالے کیلئے مقتول کی میراث میں کوئی حصہ نہیں خواہ اس نے عمداً قتل کیا ہو یا بلا ارادہ یہ حنفیہ کا موقف ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قاتل نے میراث کے جلد حصول کی کوشش ہے لہٰذا اسے اپنے مقصود کے حصول سے محروم رکھا جائے گا۔

امام مالک کہتے ہیں: قتل خطا کی صورت میں قاتل وراثت سے محروم نہیں ہوگا بجز دیت کے کیونکہ اس صورت میں ارادۂ قتل ہی نہیں پایا گیا اور حصول میراث میں جلدی کا قصد تو ارادۂ قتل پر مبنی ہوتا ہے پھر یہ بھی ہے کہ خطا کار (شرعاً) معذور ہے اور مستحق عقاب نہیں کہ شارع اسلام کی رحمت کی بدولت اس سے خطا (کی مسئولیت) اٹھالی گئی ہے۔ بناء بریں قتل خطا کا مرتکب حرمان میراث کی سزا نہیں پائے گا البتہ وہ دیت میں سے میراث سے محروم رہے گا۔ یہ اس لیے کہ دیت عاقلہ اسکی طرف سے برداشت کررہی ہے اور دیت کا وارث قرار پانے کی صورت میں مجرم کا قتل سے استفادہ کرنا لازم آئیگا جو کہ ناجائز ہے۔

---

[1] المبسوط: ج ۲۶، ص ۶۰

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

حنفیہ کے نزدیک قتل خطاء کی صورت میں بھی اس امر کا شائبہ (اتہام) موجود ہے کہ قاتل نے جلد حصول میراث کا ارادہ کیا ہو کیونکہ ہو سکتا ہے وہ (یہ ارادہ رکھتے ہوئے) اپنی طرف سے خطاء کا (محض) مظاہرہ کر رہا ہو لہٰذا سزائے حرمان کے سلسلہ میں یہ شائبہ (توہم) متحقق سمجھا جائے گا۔ اسی طرح ہر وہ قاتل (بھی میراث سے محروم ہوگا) جو خطاکار کے حکم میں ہو، جیسے سویا ہوا شخص اپنے مورث پر گر پڑے اور اسے ہلاک کر دے کیونکہ ہو سکتا ہے وہ شخص سونے کا بہانہ کر رہا ہو اور درحقیقت اپنے مورث کو ہلاک کر کے جلد میراث حاصل کرنا چاہتا ہے اسی طرح اگر کوئی شخص بلند سطح (یا چھت) سے اپنے مورث پر گر کر اسے قتل کر دے یا اپنے جانور پر سوار ہو اور مورث کو کچل دے تو وہ بھی میراث سے محروم ہو جائے گا کیونکہ مقتول براہ راست اسی کے فعل سے ہلاک ہوا ہے اور اس سے جلد حصول میراث کا سد متوہم ہے [1]

نابالغ اور مجنون کو سزائے حرمان

اگر کوئی بچہ یا پاگل اپنے مورث کو قتل کر دے تو حنفیہ کے نزدیک اسے وراثت سے محرومی کی سزا نہیں دی جائے گی۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ میراث سے محرومی اس قتل کی سزا ہے جو شرعاً ممنوع اور ناجائز ہو اور بچے یا پاگل کا کوئی فعل شرعاً حرام نہیں قرار پاتا کیونکہ فعل حرام وہ ہے جس سے باز رہنا از روئے خطاب شارع واجب ہو اور یہ خطاب ان (دونوں) کے حق میں ثابت نہیں (کہ وہ فہم خطاب کی اہلیت نہیں

---

[1] المبسوط، ج ۳۰، ص ۴۷: مصنف کا خیال ہے کہ اس معاملہ میں مالکیہ کی رائے (زیادہ) قابل قبول ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

رکھتے)، پھر یہ بھی ہے کہ سزائے حرمان کی بنیاد مجرم کا جلد حصول میراث کا قصد ہے اور (اس سلسلہ میں) پاگل یا بچے کا قصد شرعاً معتبر نہیں کیونکہ میراث سے محرومی کی سزا میں اس امر کا اعتبار کیا جاتا ہے کہ مجرم سے (بے احتیاطی) اور فعل ممنوع سے اجتناب نہ کرنے کا قصور سرزد ہوا ہے اور خطا کار (قتل خطا کے مرتکب) سے تو اس قصور کا تحقق ممکن ہے کیونکہ وہ اس بات کا اہل ہے کہ اس کی طرف تقصیر کی نسبت کی جا سکے لیکن بچے اور پاگل سے ایسا ممکن نہیں کہ وہ شرعاً اہلیت تقصیر ہی نہیں رکھتے۔

جائز فعل کے نتیجہ میں وقوع پذیر ہونے والے قتل پر سزائے حرمان

اگر کوئی باپ اپنے بیٹے کا ختنہ کرے یا پچھنے لگائے اور بچہ اس وجہ سے مر جائے تو وہ مقتول کی میراث سے محروم نہ ہوگا کیونکہ جو فعل اس نے انجام دیا وہ اس کے لیے شرعاً مباح تھا اور میراث سے محرومی تو صرف قتل ناروا کی سزا ہے۔

اگر باپ اپنے بیٹے کو تادیب کی خاطر ضرب لگائے اور نتیجۃً بیٹے کی موت واقع ہو جائے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک باپ اس کی دیت کا ضامن اور میراث سے محروم ہوگا جب کہ صاحبین کے نزدیک اس پر تاوان عائد ہوگا نہ سزائے حرمان۔ البتہ اگر باپ کی اجازت سے استاذ نے بچے کو مارا اور وہ مر گیا تو بالاتفاق کوئی تاوان واجب نہ ہوگا۔ امام ابوحنیفہؒ کے قول کی توجیہ یہ ہے کہ بیٹے کی تادیب میں باپ کے پیش نظر اپنی ذاتی منفعت ہوا کرتی ہے اور (قاعدہ کی رو سے) انسان کی ذاتی منفعت کے لیے جائز ہونے والا فعل دوسرے کی سلامتی (کی شرط) سے مقید ہوتا ہے۔ جیسا کہ خاوند کا بیوی پر حق تعزیر، شکار کی طرف تیر مارنا اور راستہ میں چلنا وغیرہ۔ رہا استاذ تو وہ بچے کی تادیب چونکہ اپنی ذاتی منفعت کے لیے نہیں کرتا

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اس لیے اس کا یہ حق تادیب سلامتی کی شرط سے مقید نہیں، اور ختنہ کرنے اور پچھنے لگانے کی صورت میں سزائے حرمان نافذ نہ ہونے کا سبب بھی یہی ہے کہ یہ کام بیٹے کی منفعت کے ہیں[1] (باپ کی ذاتی منفعت ان میں کوئی نہیں)

رابعاً۔ کفارہ کفارہ بروزن فعالۃ، لفظ کفر بمعنی ستر یعنی چھپانا اور ڈھانپنا سے ماخوذ ہے اسی لیے رات کو بھی کافر (بمعنی پردہ پوش) کہتے ہیں۔ مقولہ ہے: فی لیلۃ کفر النجوم غمامھا یعنی ایسی تاریک رات میں جس کے بادلوں نے ستاروں کو ڈھانپ لیا ہے۔ اور "تکفر بثوبہ" کے معنی ہیں اس نے اپنا لباس پہن لیا (اس اعتبار سے کفارہ کا معنی وہ چیز جو گناہ کو ڈھانپ لے، اس کا ازالہ کر دے)

کفارۂ یمین حنث یعنی قسم توڑنے کا کفارہ یہ ہے۔

ا۔ ایسا غلام جس کے آزاد کرنے سے ظہار کا کفارہ ادا ہو جاتا ہے۔ یہاں بھی کفایت کرے گا۔

ب۔ دس مساکین کو کپڑا پہنانا، ہر مسکین کو ایک کپڑا یا اس سے زیادہ دینا، کم از کم اتنا کپڑا ہو جسے پہن کر نماز ادا کی جا سکے۔ اور اگر چاہے تو دس مساکین کو کھانا کھلا دے جیسا کہ کفارۂ ظہار میں کھانا کھلایا جاتا ہے۔

اس بارے میں اصل (دلیل) یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فکفارتہ اطعام عشرۃ مساکین من اوسط ما تطعمون اھلیکم او کسوتھم او تحریر رقبۃ فمن لم یجد فصیام ثلاثۃ ایام ذلک کفارۃ ایمانکم اذا حلفتم یعنی قسم توڑنے کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے درمیانی قسم کا کھانا جو تم اپنے گھر والوں کو کھلایا کرتے ہو یا ان

---

[1] المبسوط: ج ۳۰: ص ۴۸۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

(مسکینوں) کو کپڑا پہنا دینا، یا ایک غلام آزاد کر دینا، اور اگر (یہ سب کچھ) میسر نہ آئے تو تین دن کے روزے رکھنا، یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا جبکہ (سمجھ بوجھ کر) قسم کھا بیٹھو۔ اس آیت میں حرف "او" تخییر کیلئے ہے لہٰذا ان تینوں امور میں سے کوئی ایک چیز واجب ہے۔

ج۔ اگر ان تینوں اشیاء کی استطاعت نہ ہو تو پے در پے تین روزے رکھے یہ حنفیہ کا موقف ہے جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک روزے رکھنے والے کو اختیار ہے چاہے مسلسل رکھے یا وقفہ وقفہ سے کیونکہ اس بارے میں وارد ہونے والی نص مطلق ہے [1]

کفارۂ ظہار

ظہار (یعنی اپنی بیوی کو یا اس کے کسی عضو کو محرمات نسبی یا رضاعی کے کسی ایسے عضو سے تشبیہ دینا جس کو دیکھنا حرام ہے) کی صورت میں مندرجہ ذیل کفارہ لازم آتا ہے۔

ا۔ ایک غلام آزاد کرنا۔

ب۔ عدم استطاعت کی صورت میں دو ماہ کے مسلسل روزے رکھنا۔

ج۔ اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو ساٹھ مساکین کو کھانا کھلانا۔

یہ ترتیب اس لیے ضروری ہے کہ کفارہ ظہار کے بارے میں وارد ہونے والی نص اسی ترتیب کا فائدہ دیتی ہے۔ اور یہ بھی ضروری ہے کفارہ کی ادائی بہرصورت بیوی کو ہاتھ لگانے (جماع اور دواعی جماع) سے پہلے ہو غلام آزاد کرنے اور روزے رکھنے کے بارے میں تو نص قرآنی نے اس کی تصریح کر دی ہے رہا کھانا کھلانا تو اس کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ کفارہ (دراصل) ظہار سے پیدا ہونے والی حرمت (بیوی کے شوہر پر حرام ہونے) کو ختم کرنے کے لیے ہے اس لیے وطی

[1] فتح القدیر، ج ۴، ص ۱۸

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

سے پیشتر اس کا ادا کرنا ضروری ہے تاکہ وطی حلال ہو۔[1]

کفارۂ قتل عمد

حنفیہ کہتے ہیں: قتل عمد میں کفارہ واجب نہیں خواہ قصاص لیا جائے یا نہ لیا جائے ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

۱۔ کفارہ (اپنی مخصوص نوعیت کے لحاظ سے) عبادت اور عقوبت کے درمیان ایک بین بین حیثیت رکھتا ہے (کہ ایک لحاظ سے یہ عبادت ہے اور ایک لحاظ سے سزا ہے) اس لیے ضروری ہے کہ کفارہ کا سبب بھی حرمت اور جواز کے بین بین ہو کیونکہ عبادت کا تعلق مباح سے اور عقوبت کا حرام سے ہے۔ اور قتل عمد ایک خالص (و مستقل) گناہ کبیرہ ہے لہٰذا کفارہ کو اس کے ساتھ وابستہ نہیں کیا جا سکتا جس طرح دیگر تمام کبیرہ گناہوں مثلاً زنا، چوری اور سود خوری میں کفارہ واجب نہیں۔ قتل عمد کو اس معاملہ میں قتل خطاء پر قیاس نہیں کیا جا سکتا کیونکہ قتل خطاء کا گناہ کم اور ہلکا ہے اور کسی ادنیٰ (معمولی) گناہ کی تلافی کے لیے کفارہ کی مشروعیت بڑے گناہ کے لیے اس کے وجوب پر دلالت نہیں کرتی۔

۲۔ قتل خطاء کے بارے میں قرآن کریم میں (سخت اور) محکم وعید آئی ہے اور یہ کہنا ممکن نہیں کہ کفارہ ادا کرنے سے قتل عمد کا گناہ محو ہو جاتا ہے کیونکہ اس بارے میں نص قطعی سے شدید عذاب کی وعید ثابت ہے۔

۳۔ عمل کفارہ کی مقدار شرعاً مقرر ہے لہٰذا (قتل خطاء پر) قیاس کے ذریعہ

---

[1] فتح القدیر: ج ۳: ص ۲۳۳: کفارہ ظہار کے بارے میں نص قرآنی سورۂ مجادلہ میں ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اس کا اثبات جائز نہیں۔

۴۔ ارشاد باری تعالیٰ فجزآءہٗ جھنم۔۔۔۔الآیۃ میں شرط وجزا کے اسلوب سے عیاں ہوتا کہ ہے قتل عمد کی پوری سزا اس آیت میں مذکور ہے۔

اب اگر اس پر کفارہ اضافہ کر دیا جائے تو یہ نص قرآنی کی تنسیخ ہوگی جو قیاس ورائے کے ذریعہ درست نہیں [۱]

۵ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں سہو کے مرتکب پر سجدۂ سہو لازم ٹھہرایا ہے اور عامد (یعنی قصداً ایسا عمل کرنے والا جو موجب سجدہ سہو ہو) پر سجدہ سہو لازم نہیں حالانکہ اس کا قصور زیادہ شدید ہے۔

ب۔ امام شافعی کے نزدیک قتل عمد میں کفارہ واجب ہے کہ قتل خطاء کی نسبت یہاں کفارہ کی زیادہ ضرورت ہے کیونکہ کفارہ کا مقصد گناہ کی تلافی کرنا ہے اور عمداً قتل کرنے والے کا جرم قتل خطاء سے بہت زیادہ ہے (لہٰذا اس کی تلافی کے لیے کفارہ بدرجۂ اولیٰ واجب ہونا چاہیئے)

خامساً: باہمی رضامندی یا شبہ کی بناء پر سقوط قصاص کی صورت میں مالی تاوان

اس کا ثبوت اللہ تعالیٰ کے ارشاد: فمن عفی لہ من اخیہ شیٔ فاتباع بالمعروف واداء الیہ باحسان یعنی جس کو اپنے بھائی کی طرف سے کچھ معافی ہو جائے تو بھلائی کے ساتھ تقاضا اور احسان کیساتھ ادائیگی ہونی چاہیئے۔ مطلب یہ ہے کہ جس کو اس کے مقتول بھائی کے خون کا کچھ معاوضہ پیش کیا جائے، کیونکہ لفظ عفو کا معنی ہے

---

[۱] الزیلعی: ج ۶: نیز دیکھیے الجصاص: ج ۲: ص ۲۹۹

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

فضل یعنی زیادتی۔ جیسا کہ فرمایا یسئلونک ماذا ینفقون؟ قل العفو یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ (خدا کی راہ میں) کیا خرچ کریں آپ فرما دیجیے کہ العفو یعنی جو کچھ (تمہاری ضرورت سے) بچ رہے۔

یوں مذکورہ آیت سے مراد یہ ہے کہ اگر قاتل ادائیگی دیت پر آمادہ ہو تو ولی مقتول کیلئے مستحسن ہے کہ اس معاملہ میں اس کی مدد کرے (یعنی دیت قبول کرلے) اور قاتل پر لازم ہے کہ بھلائی کے ساتھ ادائیگی کرے جب کہ ولی اس کے ساتھ تعاون کر رہا ہو[1]

باہمی مصالحت اور رضامندی کی صورت میں دیت قاتل کے مال میں واجب ہوگی گویا کہ اس نے عقد کے ذریعہ یہ مال اپنے آپ پر لازم کرلیا ہے رہا قصاص متعذر ہونے کی صورت میں (قاتل پر) وجوب دیت تو یہ اس لیے کہ (قتل عمد کی) اس دیت میں زجر کا معنی پایا جاتا ہے جس کا تحقق اس صورت میں ممکن ہے کہ قاتل کے مال میں سے ایک کثیر حصہ بطور دیت ادا ہو کر اس کے لیے تنگی و مشقت کا باعث بنے۔

قتل جنین کے احکام

ماں کے پیٹ میں بچے کو جنین اس لیے کہتے ہیں کہ وہ پیٹ میں پوشیدہ ہوتا ہے۔

اگر کسی شخص نے حاملہ عورت کے پیٹ پر کوئی چیز ماردی جس کی وجہ سے

---

[1] المبسوط: ج ۲۶: ص ۶۰

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

جنین مردہ حالت میں باہر نکل آیا تو اس مجرم پر ایک غرہ واجب ہوگا۔

غرہ لغت میں خیار یعنی بہترین کے معنی میں آتا ہے۔ غرۃ المال کا مطلب ہے بہترین پسندیدہ مال جیسے اچھی نسل کے گھوڑے اور اونٹ۔ غرہ کسی چیز کے ابتدائی حصے کو بھی کہتے ہیں۔ جیسے غرۃ الشہر یعنی مہینے کا ابتدائی حصہ، انسان کا چہرہ بھی چونکہ اجزائے جسم میں سب سے پہلے ظاہر ہونے والی چیز ہے اس لیے غرہ کہلاتا ہے۔

بعض اہل لغت کے نزدیک غرہ سفید غلام کو کہتے ہیں اسی سے ہے غرۃ الفرس یعنی گھوڑے کی پیشانی کی سفیدی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: امتی غر محجلون یوم القیمۃ یعنی میری امت قیامت کے روز سفید پیشانیوں والی ہوگی۔

جنین پر زیادتی میں جو تاوان واجب ہوتا ہے اسکو غرہ اس لیے کہتے ہیں کہ دیت کے باب میں سب سے پہلی مقداریہی ہے۔ اصطلاح شرع میں غرہ غلام یا لونڈی کو کہتے ہیں اگر جنین مذکر ہو تو اس کی مقدار مرد کی دیت کا نصف عشر (بیسواں حصہ) اور اگر مؤنث ہو تو زنانہ دیت کا دسواں حصہ ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے مردہ حالت میں اسقاط جنین کے حکم سے متعلق صحابہ کرام سے مشورہ کیا تو مغیرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صورت میں غرہ یعنی غلام یا لونڈی بطور جرمانہ واجب فرمائی تھی۔ حضرت عمرؓ نے مغیرہ سے کہا کہ تمہاری اس روایت کی تائید میں گواہی کون دے گا! دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے مغیرہ سے فرمایا۔ تم یہاں سے اس وقت تک نہیں جا سکتے جب تک اپنے قول کی تصدیق میں کوئی شہادت

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

نہ پیش کر دو۔ حضرت مغیرہؓ کہتے ہیں میں باہر نکلا اور محمد بن مسلمہؓ کو دیکھا تو انہیں اپنے ساتھ لے آیا انہوں نے گواہی دی کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی فیصلہ دیتے سنا ہے۔

امام مالک، ابن شہاب ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن بن عوف اور حضرت ابو ہریرۃ کے واسطے سے روایت کرتے ہیں بنو ہذیل کی ایک عورت نے دوسری پر پتھر دے مارا جس سے اس کا جنین ساقط ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں غرہ یعنی غلام یا لونڈی کے وجوب کا فیصلہ فرمایا۔

امام مالک، ابن شہاب کے واسطے سے سعید بن مسیب سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچہ شکم کے قتل پر غرہ کی ادائیگی کا فیصلہ فرمایا۔ جس کے خلاف فیصلہ کیا گیا تھا وہ کہنے لگا۔ میں اس بچہ کا تاوان کیسے ادا کروں جس نے نہ کچھ کھایا پیا نہ کوئی بات کی اور نہ رویا، ایسا (خون) تو رائیگاں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ یہ شخص تو کاہنوں کی برادری سے تعلق رکھتا ہے [1]

---

[1] اس بارے میں الباجی کی شرح المنتقی میں آیا ہے۔ یہ غرہ کا فیصلہ اس صورت میں فرمایا گیا جب کہ جنین مردہ حالت میں شکم مادر سے باہر آیا۔ اور جس کے خلاف فیصلہ کیا گیا وہ بولا۔ میں ایسے بچے کا تاوان کیسے ادا کروں جس نے نہ کھایا، پیا نہ بات کی اور نہ ہی چیخا۔ رویا۔ ایسا خون تو رائیگاں یا باطل ہوتا ہے۔ یوں اس شخص نے اپنے خلاف سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر اعتراض کیا شاید اس کا گمان یہ ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمومی فیصلہ صادر فرمایا ہے جس میں جنین کی حالت کی بنا پر تخصیص ہو سکتی ہے اور وہ یہ سمجھا ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ ایسے جنین کے بارے میں دیا ہے جو زندہ حالت میں ماں کے بطن سے باہر آیا ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا یہ اعتراض مسترد کرتے ہوئے فرمایا یہ تو کاہنوں کا بھائی ہے۔ بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۱ پر

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

جنین کے اتلاف پر غرہ کا وجوب از روئے استحسان ہے جب کہ ظاہر قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ جنین میں کچھ واجب نہ ہو کیونکہ ضرب لگانے کے وقت بچہ شکم زندہ ہونے یا بے جان ہونے کا یکساں احتمال پایا جاتا ہے۔ اور شک و احتمال کی صورت میں تاوان واجب نہیں ہوتا جیسا کہ جانور کا جنین تلف ہو جانے پر بجز اس جانور کو پہنچنے والے نقصان کے اور کوئی تاوان واجب نہیں ہوتا۔ لیکن فقہاء کرام نے اس معاملہ میں حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی روایت کردہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بناء پر قیاس کو ترک کر دیا[1] اور استحساناً وجوب غرہ کا فتویٰ دیا۔

اور غرہ صرف اس صورت میں واجب ہوگا جب کہ جنین اپنی ماں کے شکم سے جدا ہو کر مردہ حالت میں باہر نکل آئے اور اس معاملہ (وجوب غرہ)

(بقیہ حاشیہ) اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد۔ واللہ اعلم۔ یہ تھی کہ اس شخص کے پاس کوئی علم نہیں بجز ایسی مسجع عبارت کے جنہیں کاہن لوگوں کو التباس میں ڈالنے کیلئے استعمال کیا کرتے ہیں۔ عیسیٰ بن دینار کہتے ہیں مجھے اس بارے میں کوئی علم نہیں اور محمد بن عیسیٰ کا خیال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف مسجع عبارت کے استعمال میں اسے کاہنوں سے تشبیہ دی، امام مالک کے علاوہ بعض دوسرے حضرات نے اسے یوں روایت کیا ہے کہ یہ شاعر کا قول نہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ برقرار رہا اور یہی حق فیصلہ ہے، اور کیوں نہ ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو یہ ہے: وما ینطق عن الھوی یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کرتے بلکہ وحی کی پیروی کرتے ہیں۔ (المنتقی: ج ۷ ص ۸۰)

[1] بدائع الصنائع ج ۷، ص ۳۲۵: نیز دیکھیئے المبسوط: ج ۲۶: ص ۸۷:

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

میں نر و مادہ کا حکم یکساں ہے کیونکہ اس بارے میں وارد ہونے والی نصوص میں عموم پایا جاتا ہے اور اس لیے بھی کہ زندہ مذکر و مؤنث میں فرق کی بنیاد دراصل آدمیت کے معنی میں باعتبار ملکیت کے تفاوت کے ہے کہ مرد مال اور نکاح دونوں کا مالک ہے جب کہ عورت بجز مال کے کسی اور چیز کی ملکیت (کا استحقاق) نہیں رکھتی۔ یوں مرد میں بہ نسبت عورت کے آدمیت کے زیادہ خصائص پائے جاتے ہیں اور جنین میں (تفاوت کی یہ اساس) معدوم ہے کیونکہ وہ سوائے اعتاق (آزاد کرنا) اور اس کے توابع اور ثبوت نسبت کے کوئی صلاحیت نہیں رکھتا اور میراث و وصیت کے بغیر کسی اور طریقہ سے مال کی ملکیت کا استحقاق نہیں رکھتا لہٰذا اس سلسلہ میں مذکر و مؤنث دونوں برابر ہیں، پھر یہ بھی ہے کہ بعض اوقات جنین کے مذکر یا مؤنث ہونے کی پہچان نہیں ہو سکتی اس لیے سہولت کی خاطر دونوں کے تاوان کی مقدار یکساں رکھی گئی ہے [1]

اگر جنین ماں کے پیٹ سے زندہ حالت میں باہر آیا اور پھر مر گیا تو اس میں پوری دیت واجب ہوگی اور جنین کی زندگی بقول امام مالک چیخنے اور رونے سے ثابت ہوتی ہے اس لیے اگر بچہ شکم مادر سے باہر آکر روئے اور پھر مر جائے تو اس کی پوری دیت ادا کرنا ہوگی۔

بعض فقہاء کے نزدیک جنین کے اتلاف پر (بہر صورت) غرہ واجب ہوتا ہے خواہ ضرب عمداً ہو یا خطاءً۔ امام مالکؒ کا قول ہے کہ قتل جنین میں قصاص واجب نہیں ہوتا۔ اشہب کہتے ہیں: اس معاملہ میں عمد بھی خطاء کی

---

[1] الزیلعی: ج ۶ ص ۱۴۰:

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

طرح ہے کیونکہ جنین کی موت دوسرے شخص (ماں) کو ضرب پہنچنے سے واقع ہوئی ہے یعنی ضارب نے جنین کی ماں کے شکم پر ضرب لگائی جس کے نتیجے میں جنین ہلاک ہوگیا اس کا ارادہ جنین کو ضرب لگانے کا نہ تھا اس لیے اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ اشہب کے قول کی توجیہ یہ ہے کہ ضارب جنین کو قتل کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا اس کی مثال تو ایسی ہے جیسے کسی نے ایک شخص کو قتل کرنے کی نیت سے تیر پھینکا مگر (نشانہ خطا ہوگیا اور) تیر کسی دوسرے آدمی کو جا لگا جسے مارنے کا ارادہ نہ تھا تو اس صورت میں صرف دیت واجب ہوگی۔

ابن قاسم نے مجرد میں کہا ہے کہ اگر ضارب نے جنین کو مارنے کی نیت سے ماں کے شکم یا پیٹھ پر ضرب لگائی یا ایسے انداز سے چوٹ لگائی کہ اس کی نظر میں یہ جنین کو جا لگے گی (اور نتیجۃً جنین ہلاک ہوگیا) تو اس صورت میں قسامت کی بنیاد پر قصاص کا فیصلہ کیا جائے گا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ضارب کا جنین کو قتل کرنے کا ارادہ اس سے ظاہر ہے کہ اس نے ماں کے بدن پر ایسی جگہ ضرب لگائی جہاں سے یہ جنین کو پہنچ سکتی ہے اور اگر وہ اپنے اس ارادۂ (قتل) سے انکار کرے تو اس کا قول نہ مانا جائے گا۔

فقہاء نے اتلاف جنین کی مختلف وجوہ بیان کی ہیں جن کا بیان حسب ذیل ہے۔

۱۔ اگر ماں کے پیٹ پر ضرب لگانے سے جنین زندہ ساقط ہوا، پھر مر گیا تو مجرم پر پورا خون بہا عائد ہوگا۔ کیونکہ اس نے خطاء سے یا شبہ عمد کے طور پر ایک انسان کو ہلاک کیا ہے لہٰذا پوری دیت واجب ہوگی۔

۲۔ اگر جنین مردہ گر پڑا اور اس کے بعد ماں بھی مر گئی تو مارنے والے پر ماں

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کے قتل کا خون بہا اور جنین کو ضائع کرنے کا تاوان (غرہ) لازم ہوگا کیونکہ فعل تعدد اثر کے باعث خود بھی متعدد شمار ہوتا ہے (یعنی اگر کسی فعل کا نتیجہ یا اثر ایک سے زائد صورتوں میں ظاہر ہو تو وہ فعل خود بھی متعدد متصور ہوگا)۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک شخص نے کوئی تیر وغیرہ پھینکا جو ایک انسان کو جا لگا اور اسے ہلاک کرنے کے بعد دوسرے شخص کو جا لگا اور اسے بھی قتل کر دیا اس صورت میں اگر مجرم نے خطاءً تیر پھینکا تھا تو اس پر دو دیتیں ہوں گی اور اگر عمداً پھینکا تھا تو قصاص اور خون بہا دونوں واجب ہوں گے۔

۳۔ اگر ضرب کی وجہ سے حاملہ عورت پہلے مر گئی پھر اس کے پیٹ سے مردہ بچہ نکلا تو ضارب پر صرف عورت کی دیت واجب ہوگی کیونکہ بظاہر جنین کی ہلاکت کا سبب اس کی ماں کی موت بنی ہے (یعنی جنین براہ راست ضرب لگنے سے نہیں مرا) کہ جنین کی زندگی ماں کی زندگی سے اور اسکا تنفس ماں کے تنفس سے وابستہ ہے اور ماں کی موت سے بچہ شکم گھٹ کر مر جاتا ہے لہٰذا یہ صورت اس سے مختلف ہے جس کے بارے میں نص وارد ہوئی ہے کہ یہاں (ضرب کی وجہ سے جنین کی ہلاکت کا) احتمال بہت کم ہے اور شک کی حالت میں تاوان نہیں ہوتا۔

امام شافعیؒ کہتے ہیں: اس صورت میں عورت کی دیت کے علاوہ جنین کے عوض غرہ واجب ہوگا کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ بچہ کی موت بھی ضرب کی وجہ سے واقع ہوئی ہے۔ اور یہ ایسا ہی ہے گویا ماں نے مردہ جنین کو گرایا جب کہ وہ خود زندہ تھی۔ ابن حزم امام مالک سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر حاملہ عورت قتل کر دی جائے تو اس کے جنین میں کچھ واجب نہ ہوگا یہاں تک کہ وہ اسے ساقط کر دے

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنین میں القاء (یعنی شکم باہر ڈالنے) کو شرط قرار نہیں دیا بلکہ مطلقاً فرمایا کہ جنین میں غرہ غلام یا لونڈی واجب ہے۔ اس بنا پر ابن حزم کی رائے یہ ہے کہ جنین میں غرہ عائد ہوگا خواہ ماں اسے ساقط کر دے یا نہ کرے [1]

۴۔ اگر ضرب کی وجہ سے ماں مر گئی اور اس کے بعد جنین زندہ حالت میں باہر نکل آیا اور بعد کو مر گیا تو ضارب پر دیتیں واجب ہوں گی ایک ماں کی اور دوسری بچے کی، کیونکہ اس نے دونوں کو قتل کیا ہے یہ ایسا ہی ہے کہ گویا ماں نے زندہ بچہ کو جنم دیا اور پھر دونوں مر گئے [2]

امام مالک اور ان کے جمہور اصحاب کا مسلک یہ ہے کہ اگر ماں مر جائے اور اس کے بعد جنین زندہ باہر آئے پھر مر جائے تو جنین کے بارے میں کچھ واجب نہ ہوگا بلکہ صرف ماں کی دیت عائد ہوگی۔ اس قول کی توجیہ یہ ہے کہ جنین اس حکم میں اپنی ماں کے تابع ہے لہٰذا اس کے لیے الگ فیصلہ نہیں ہوگا جیسا کہ ذبیحہ کا معاملہ ہے۔

تیز انفصال (ماں سے جدا ہونے) سے پیشتر جنین کا تلف ہو جانا بمنزلہ اس کا عضو (تلف ہو جانے) کے ہے اور اگر انسان کا کوئی عضو موت سے پہلے ضائع ہو جائے تو (ضائع کرنے والے پر) اس کا تاوان واجب ہوتا ہے لیکن موت کے بعد تلف ہونے کی صورت میں عضو کا تاوان واجب نہیں ہوتا۔

یہ فتویٰ دیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص زور سے چیخ مار کر حاملہ عورت کو ڈرا دے

---

[1] المحلی: ج ۱۱: ص ۳۵

[2] الزیلعی: ج ۶: ص ۴۰

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

جس کے نتیجے میں اس کا جنین باہر نکل آئے تو تاوان واجب نہ ہوگا لیکن اگر وہ ضرب سے خوف زدہ کر کے عورت کا بچہ شکم ساقط کرا دے تو مجرم پر تاوان عائد ہوگا۔

ابن عابدین کہتے ہیں: اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ (ضرب کے ساتھ) ڈرانے کی صورت میں (جنین کی) موت مجرم سے صادر ہونے والے فعل تخویف کی طرف منسوب ہوگی جب کہ صیاح (یعنی چیخ) سے واقع ہونے والی موت اس خوف کا نتیجہ ہے جو بچہ کی ماں سے صادر ہوا (لہٰذا اس صورت میں جنین کی موت ماں کے خوف کی طرف منسوب ہوگی مجرم کی چیخ کی طرف نہیں کیونکہ اس کی چیخ اور جنین کی موت کے درمیان براہ راست سببیت موجود نہیں۔

چنانچہ فقہاء نے یہ تصریح کی ہے کہ اگر کوئی شخص بڑے آدمی کے آگے زور سے چیخا جس کے نتیجے میں وہ آدمی ہلاک ہوگیا تو اس کی ضمان واجب نہیں اور اگر ایک شخص نے کسی آدمی کے آگے اچانک زور سے چیخ ماری جس سے وہ مرگیا تو اس صورت میں دیت عائد ہوگی، میں (ابن عابدین) کہتا ہوں ان دونوں صورتوں میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ پہلی صورت میں موت اس شخص کی اپنی ذات سے پیدا ہونے والی خوف کی کیفیت کا نتیجہ ہے جب کہ دوسری صورت میں موت براہ راست مجرم کی اچانک چیخ کے نتیجے میں واقع ہوئی۔

(اگر سبب موت کے بارے میں ملزم اور اولیائے مقتول کے درمیان اختلاف پیدا ہو جائے تو) ملزم کا یہ قول معتبر ہوگا کہ متوفی کی موت خوف (کی کیفیت) کا نتیجہ ہے اور اولیائے مقتول کو اس امر کا ثبوت مہیا کرنا ہوگا کہ اسکی موت (براہ راست) مجرم کے فعل تخویف سے واقع ہوئی ہے۔

بنا بریں اگر ایک شخص کسی عورت کے آگے اچانک زور سے چیخا اور اس

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

چیخ کے اثر سے اس کا جنین ساقط ہو گیا تو مجرم پر تاوان عائد ہو گا اور اگر اس کی چیخ کے نتیجہ میں کسی دوسری عورت (جس کے آگے چیخ نہیں ماری) کا بچہ شکم باہر نکل آیا تو کوئی ضمان واجب نہ ہو گی کیونکہ چیخ مارنے والے نے اس دوسری عورت پر کوئی زیادتی نہیں کی [1]

مقدار غرہ

غرہ کی مقدار مردانہ دیت کا بیسواں حصہ یا زنانہ، تاوان کا دسواں حصہ ہے اور اس کی قیمت اہل ذہب (جن کے پاس سونا ہو) کے لیے پچاس دینار اور اہل ورق (چاندی والوں) کے لیے چھ سو درہم اور ایک قول کی رو سے پانچ سو درہم مقرر کی گئی ہے۔

غرہ کی قیمت اونٹوں کی صورت میں لگائے جانے کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک اونٹوں کے ذریعہ غرہ کی قیمت کا تعین جائز نہیں جب کہ بعض فقہاء اسے جائز رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اہل ابل (اونٹ والوں) پر پانچ انواع کے اونٹ واجب الادا ہوں گے (۱) بنت مخاض (یعنی دو سالہ اونٹنی) (۲) بنت لبون (یعنی تین سالہ اونٹنی)۔ (۳) ابن لبون (تین سالہ نر اونٹ) (۴) حقہ (چار سالہ اونٹ) (۵) جذعہ (پانچ سالہ اونٹ۔ یہ غلام یا باندی کی کل قیمت ہے جو غرہ کی تحدید سے متعلق حدیث میں بیان ہوئی ہے۔

امام محمد بن حسن الشیبانی موطا میں اپنی سند سے روایت کرتے ہیں کہ امام مالک نے ابن شہاب، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کے واسطے سے ابوہریرہ کی

---

[1] ابن عابدین: ج ۵: ص ۵۷۸:

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

روایت ہم سے بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بنی ہذیل کی دو عورتیں باہم لڑ پڑیں ان میں سے ایک نے دوسری پر کوئی چیز پھینک ماری جس سے اس (مضروبہ) کا جنین ساقط ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاوان میں غرہ غلام یا لونڈی کی ادائیگی کا حکم دیا۔ امام محمدؒ کہتے ہیں: اس سے ہم یہ (حکم) اخذ کرتے ہیں کہ اگر کسی آزاد عورت کے پیٹ پر ضرب لگائی جائے جس سے اس کا بچہ شکم مردہ حالت میں باہر نکل آئے تو اس کا تاوان غرہ یعنی غلام یا لونڈی یا پچاس دینار یا پانچ سو درہم ہے جو مردانہ دیت کا بیسواں حصہ بنتے ہیں۔ اگر (مجرم) اہل ابل (اونٹ والوں) سے ہو تو اس سے پانچ اونٹ اور اگر اہل غنم (بکریاں رکھنے والوں) سے ہو تو ایک سو بکریاں یعنی دیت کا بیسواں حصہ وصول کیا جائے گا۔[1]

امام مالک کے بیان سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ غرہ (اصل میں تو) ایک غلام یا لونڈی ہی ہے اور مذکورہ بالا اشیاء کی صورت میں اس کی قیمت کا تعین مجنی علیہ سنت کی قبیل سے نہیں بلکہ (یہ تعین قیمت) اجتہاد کی ایک قسم ہے۔ چنانچہ اگر مجرم نے تاوان میں ایسا غرہ (باندی یا غلام) ادا کیا جس کی قیمت پچاس دینار یا چھ سو درہم یا پانچ سو درہم ہو تو یہ اس سے قبول کر لیا جائے گا۔ اور اگر اس سے کم قیمت کا ہوا تو قبول نہ کیا جائے گا، الا یہ کہ مجنی علیہ کے ورثاء اس پر رضامند ہو جائیں یہ بھی کہا گیا ہے کہ مجرم کو اختیار ہے کہ چاہے تاوان میں غرہ جس کی قیمت پچاس دینار، یا چھ سو درہم یا پانچ سو درہم ہو دے دے یا غرہ کی قیمت بصورت نقدی

---

[1] الزیلعی: ج ۶: ص ۱۴۰

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ادا کر دے [1]

اتلاف جنین کا تاوان، غرہ ایک سال کے عرصہ میں واجب الادا ہو گا کیونکہ امام محمد بن الحسن سے روایت ہے کہ ہم کو خبر پہنچی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غرہ کی ادائیگی مجرم کی مددگار برادری پر ایک سال میں لازم کی۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ دیت نفس کی طرح غرہ بھی تین برس کے عرصہ میں ادا کرنا واجب ہوگا۔ کیونکہ یہ بھی (ایک طرح) جان کا عوض ہے۔ [2]

امام مالک کے نزدیک غرہ مجرم کے ذاتی مال میں واجب ہوگا۔ اگر مجرم کی ضرب سے دو (توأم) جنین یا زیادہ تلف ہو گئے تو اشہب کی روایت کی رو سے دو غرے واجب ہوں گے۔

"المجموعۃ" میں امام مالک سے اس کی یہ توجیہ مروی ہے کہ ضائع ہونے والا ہر جنین ایک مستقل بچہ ہے جو اگر تنہا ساقط ہوتا تو اس میں ایک غرہ واجب ہوتا اسی طرح اگر اس کے ساتھ دوسرا جنین بھی ضائع ہوا ہے تو ایک اور غرہ واجب ہوگا۔

غرہ کا وجوب مقتضائے قیاس کے خلاف (اور نص حدیث پر مبنی) ہے۔ چنانچہ روایت ہے کہ ایک شخص نے امام زفر سے سوال کیا کہ جنین کے اتلاف کی دو صورتیں ہیں) یا تو (وہ زندہ ہو اور) مجرم کی ضرب کے نتیجے میں ہلاک ہو اس صورت میں تو کامل دیت واجب ہونی چاہیئے یا اتلاف کے وقت اس میں روح ہی نہ پھونکی گئی ہو تو اس صورت میں کچھ بھی واجب نہیں ہونا چاہیے؟ زفر یہ سن کر چپ ہو گئے سائل بولا، میں نے آپ کو اپنا سوال معاف کر دیا (یعنی واپس لے لیا) پھر امام زفر امام ابو یوسفؒ کے پاس

---

[1] المنتقی: ج ۷، ص ۸۰

[2] ابن عابدین: ج ۵، ص ۵۷۹ نیز دیکھئے، الزیلعی، ص ۴۰،

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

آئے تو انہوں نے سنتے ہی کہا: التعبد التعبد یعنی یہ تعبد کا معاملہ ہے کہ یہ حکم سنت سے ثابت ہے بغیر اس کے کہ عقل سے اس کا ادراک کیا جا سکے۔[1]

جانور کا جنین تلف کرنے پر صرف جنین کی ماں کو پہنچنے والے نقصان کا تاوان عائد ہوتا ہے اور اگر اس کو نقصان نہ پہنچا ہو تو کچھ واجب نہ ہوگا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر کوئی شخص بکری کو ضرب لگائے جس سے بکری کا جنین مردہ حالت میں باہر نکل آئے تو ضارب پر صرف بکری کو پہنچنے والے نقصان کی تلافی واجب ہوگی اور جنین کا کوئی جرمانہ اس پر عائد نہ ہوگا۔

غرہ کی ادائیگی کس پر واجب ہے

غرہ مجرم کی عاقلہ (مددگار برادری) کو ادا کرنا ہوگا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (بنی ہذیل کی دو عورتوں کے تنازعے میں) ضرب لگانے والی عورت کی مددگار برادری پر مقتولہ کی دیت اور جنین کا تاوان ڈالا تھا چنانچہ روایت ہے کہ اس فیصلہ پر قاتلہ کی عاقلہ نے کہا: کیا ہم ایسے نفس کی دیت ادا کریں جو نہ چیخا، نہ رویا اور نہ اس نے کھایا پیا، ایسا خون تو رائیگاں جاتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جنین کا تاوان عاقلہ پر ڈالا گیا تھا اس لیے انہوں نے یہ تاوان اپنی جانب منسوب کرتے ہوئے اس کی ادائیگی سے انکار کیا۔ پھر یہ بھی ہے کہ یہ تاوان جان کا بدل ہے (بدیں جہت کہ جنین ایک مستقل جان رکھتا ہے) لہٰذا دیت کی ادائیگی بھی عاقلہ پر واجب ہے۔ امام مالک کے نزدیک غرہ مجرم کے مال سے وصول کیا جائے گا کیونکہ یہ (عورت کے) جزو کا بدل ہے (مستقل جان کا بدل نہیں)

---

[1] ابن عابدین: ج ۵: ص ۵۷۹

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

غرہ کا وارث کون ہوگا

اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ غرہ کا مالک کون ہوگا؟ جنین کے ماں یا باپ، یا وراثت کے (جملہ) شرعی حقدار۔

بعض فقہاء جن میں امام ابوحنیفہ، شافعی، مالک اور ان کے اصحاب شامل ہیں کا موقف یہ ہے کہ غرہ بھی چونکہ دیت ہے اس لیے دیگر جملہ دیات کی طرح یہ بھی کتاب اللہ کے احکام کے مطابق ورثاء میں تقسیم ہوگا۔

بعض کے نزدیک غرہ جنین کے ماں باپ یا جو بھی ان میں سے زندہ ہو اس کی ملک ہوگا، ابن سیرین کی یہی رائے ہے، ایک روایت میں امام مالک سے بھی یہی منقول تھا لیکن بعد میں انہوں نے پہلے قول کی طرف رجوع کر لیا۔

بعض دیگر فقہاء جن میں لیث بن سعد اور ربیعہ شامل ہیں، کہتے ہیں کہ جنین کا تاوان صرف ماں کو ملے گا۔ یہ قول امام مالک کی طرف بھی منسوب کیا گیا ہے[1] اس کی وجہ یہ ہے کہ جنین ماں کے اجزائے جسم میں سے ایک جزو ہے اور اس پر زیادتی دراصل ماں پر زیادتی ہے۔ اس لیے دیگر اجزاء کے ارش کی طرح جنین کے تاوان کی حقدار بھی ماں ہی ہے۔

ابن حزم پہلے فریق کے جواب میں کہتے ہیں کہ: تمہارا یہ کہنا کہ غرہ دیت ہے اور اس کا حکم وہی ہے جو دیت کا ہے اور چونکہ دیت میراث کے حقداروں میں تقسیم ہوتی ہے اس لیے غرہ بھی ورثاء کی ملکیت ہوگا یہ قیاس (پر مبنی) ہے اور قیاس (اہل ظاہر کے نزدیک) فاسد ہے۔ رہی نص تو وہ ایسے شخص پر واجب ہونے والی دیت کے بطور وراثت تقسیم ہونے کے بارے میں ہے جس نے عمداً یا خطاء قتل کیا ہو، نہ کہ وہ شخص جس نے کسی کو قتل نہ کیا ہو اور وہ جنین جس میں نفخ روح نہیں ہوا اس کا قتل ہونا

---

[1] بدائع الصنائع: ج ۷: ص ۳۲۶؛ نیز دیکھئے المبسوط: ج ۲۶: ص ۸۸

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ہی متصور نہیں لہٰذا مقتول کی دیت پر جنین (غیر مقتول) کے تاوان کا قیاس باطل ہے۔

(ہمارا) مؤقف یہ ہے کہ اگر حمل (جنین) کا ایک سو بیس دن سے زائد عرصہ کا ہونا متیقن ہو تو اس صورت میں غرہ ورثاء کا حق ہوگا جو جنین کے زندہ پیدا ہو کر مرجانے کی صورت میں اس کے وارث ہوتے۔ لیکن اگر جنین کا ایک سو بیس سے سے زیادہ دونوں کا ہونا متیقن نہ ہو تو پھر غرہ صرف اس کی ماں کی ملکیت ہوگا[1] اور مارنے والا (مجرم) غرہ کا وارث نہیں ہوگا (کیونکہ وہ قاتل ہے اور قاتل اپنے مقتول کی میراث سے محروم ہو جاتا ہے اگرچہ باپ ہو) حتیٰ کہ اگر ایک شخص نے اپنی حاملہ بیوی کے پیٹ میں مارا جس سے اس کا بیٹا مردہ حالت میں ساقط ہو گیا تو باپ کی مددگار برادری پر غرہ واجب ہوگا اور وہ اس غرہ سے اپنے مردہ بیٹے کی میراث نہیں پائے گا البتہ دیگر ورثاء اس کے حقدار ہوں گے۔ اور مجرم غرہ کا وارث اس لیے نہیں ہوتا کہ اس نے بغیر حق شرعی کے براہ راست قتل کا ارتکاب کیا ہے اور ایسے قاتل کے لیے میراث نہیں ہوتی۔

اتلاف جنین پر کفارہ کا حکم

کیا جنین کو قتل کرنے پر کفارہ واجب ہوتا ہے؟

اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ حنفیہ کے نزدیک جنین کے اتلاف میں کفارہ واجب نہیں ہے کیونکہ کفارہ میں عقوبت کا معنی پایا جاتا ہے کہ اس کی مشروعیت زجر کیلئے ہوئی ہے پھر کفارہ میں عبادت کا معنی بھی پایا جاتا ہے اس لیے روزہ کی صورت میں ادا کیا جاتا ہے۔

---

[1] المحلی: ج ۱۱، ص ۳۹؛ نیز دیکھیے مصنف کی کتاب "الجرائم فی الفقہ الاسلامی" ص ۴۱

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اور نص شرعی سے صرف ایسی جان کے عوض کفارہ کا وجوب معلوم ہوا جو نفس مطلقہ یعنی من کل الوجوہ فرد کامل ہے پس نفس مطلقہ سے یہ حکم متجاوز نہ ہوگا (اور جنین ایک پہلو سے علیحدہ اور مستقل جان ہے تو دوسری جہت سے اپنی ماں کا جزو ہے لہٰذا وہ ہر طرح سے نفس کاملہ نہیں ہے اس لیے جنین کے اتلاف میں کفارہ واجب نہیں ہے)۔

امام شافعی کہتے ہیں کہ جنین کے اتلاف میں کفارہ واجب ہے کیونکہ وہ ایک پہلو سے مستقل جان ہے اس لیے احتیاطاً اس کے عوض کفارہ واجب ہوگا کہ کفارہ میں عبادت کا پہلو بھی پایا جاتا ہے۔ ابن حزم کا بھی یہی قول ہے۔ ابن جریج کہتے ہیں۔ میں نے عطاء سے پوچھا: اگر ایک شخص کسی ایسی جان کو قتل کرے جو پیدا ہو کر رو بھی نہ سکے تو اس پر کیا واجب ہے (عطا نے جواب دیا میری رائے یہ ہے کہ وہ (بطور کفارہ) ایک غلام آزاد کرے یا روزے رکھے۔

معمر ایسے شخص کے بارے میں جو اپنی حاملہ بیوی کے پیٹ پر ضرب لگا کر جنین ساقط کر دے زہری سے روایت کرتے ہیں کہ اس پر غرہ ادا کرنا اور غلام آزاد کرنا واجب ہے اور وہ غرہ میں کسی چیز کا وارث نہ ہوگا جنین کے دوسرے وارث (اس (غرہ) کے حقدار ہوں گے۔ ان کی دلیل مجاہد کی یہ روایت ہے کہ ایک عورت نے دوسری حاملہ عورت کا پیٹ ملا جس سے اس کا جنین ساقط ہو گیا، معاملہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ نے مجرمہ (عورت) کو کفارہ میں غلام آزاد کرنے کا حکم دیا۔

ابن حزم اس معاملہ میں (جنین کی حالت کے اعتبار سے) فرق کرتے ہوئے کہتے ہیں: ایک شخص نے کسی حاملہ عورت کے شکم پر ضرب لگا کر اس کا جنین ساقط کر دیا اب اگر یہ جنین چار ماہ سے کم مدت کا (ناتمام) ہے تو اس میں کفارہ

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

واجب نہیں لیکن ضارب پر غرہ عائد ہوگا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا ہے (کفارہ اس لیے واجب نہیں کہ) اس نے کسی (زندہ) جان کو قتل نہیں کیا بلکہ صرف جنین کی حالت میں ساقط کر دیا ہے اور چونکہ اس نے کسی انسان کو عمداً یا خطأً قتل نہیں کیا لہٰذا اس پر کفارہ لازم نہیں کیونکہ کفارہ تو صرف خطأً قتل کرنے کی صورت میں عائد ہوتا ہے اور قتل اس کا ہوتا ہے جس میں روح پائے جائے اور چار ماہ سے کم عمر جنین میں روح نہیں پھونکی جاتی۔ لیکن اگر یہ جنین پورے چار ماہ یا اس سے زائد عرصہ کا ہو اور کسی شک و شبہ کے بغیر رحم مادر میں اس کی حرکت کرنا متیقن ہو جائے (بایں طور) کہ چار عادل دائیاں اس کی شہادت دے دیں تو پھر اس کے اسقاط میں غرہ صرف بصورت غلام یا لونڈی عائد ہوگا جو کہ مقتول جنین کی دیت ہے۔ نیز مجرم کو کفارہ میں غلام آزاد کرنا ہوگا اور اگر کوئی غلام میسر نہ آئے تو دو ماہ کے مسلسل (متواتر) روزے رکھے کیونکہ اس نے ایک مؤمن (جان) کو خطأً قتل کیا ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی صحیح حدیث میں مروی ہے کہ جنین میں ایک سو بیس راتوں کے بعد روح پھونکی جاتی ہے [1]

---

[1] المحلی ج ۱۱: ص ۳۶۰،۳۵: (جدید اشاعت) دیکھئے: الزیلعی ج ۶: ص ۱۳۲: نیز ملاحظہ ہو الدرر الحکام ج ۲: ص ۱۰۸ فتاویٰ صغریٰ میں ہے: اگر کسی عورت نے عمداً اسقاط حمل کے لیے دوا پی لی جس سے زندہ جنین ساقط ہوا اور پھر مر گیا تو اس کی مددگار برادری پر تین سال میں دیت واجب الادا ہوگی اگر اس کی عاقلہ نہ ہو پھر اسکے ذاتی مال سے دیت وصول کی جائیگی اور وہ اس دیت میں سے کسی شئے کی وارث نہ ہوگی اور اس پر کفارہ بھی واجب ہوگا۔ اگر اس نے مردہ جنین ساقط کر دیا تو اس کی عاقلہ پر ایک سال میں غرہ واجب الادا ہوگا۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

عورت کا خود اپنا حمل ضائع کرنا

اگر ایک حاملہ عورت نے عمداً بچہ ساقط کرنے کے ارادہ سے کوئی دوا پی، یا اپنی شرمگاہ میں کوئی ایسا (دستی) فعل کیا جس سے بچہ ساقط ہو گیا تو اس کی مددگار برادری غرہ کی ضامن ہو گی بشرطیکہ اس نے اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر ایسا کیا ہو کیونکہ اس نے زیادتی کا ارتکاب کر کے جنین کو (بالارادہ) تلف کیا ہے لہٰذا وہ مستوجب تاوان ہے جو اس کی طرف سے مددگار برادری ادا کرے گی۔ اور مجرمہ کو غرہ میں سے وراثت نہیں ملے گی کیونکہ وہ ناحق قتل کی مرتکب ہوئی ہے اور قاتل میراث کا حقدار نہیں ہوتا، بخلاف اس کے اگر حاملہ عورت نے شوہر کی اجازت سے ایسا عمل کیا (جس سے بچہ ساقط ہو گیا) تو اس پر تاوان واجب نہ ہو گا کیونکہ وہ زیادتی کی مرتکب نہیں ہوئی۔

بعض فقہاء جن میں سفیان ثوری اور ابراہیم نخعی شامل ہیں کے نزدیک اس عورت پر (کفارہ میں) غلام آزاد کرنا لازم ہو گا ابن حزم کی بھی یہی رائے ہے بشرطیکہ جنین میں روح پھونکی جا چکی ہو۔

اگر کسی حاملہ عورت نے اپنے بدن کی اصلاح کے لیے کوئی دوا پی جس کے نتیجے میں بچہ ساقط ہو گیا تو اس پر کچھ واجب نہ ہو گا (کیونکہ اس کا مقصد اسقاط حمل نہ تھا)

مبحث دوم

جان سے کم پر عمداً زیادتی

جس طرح نفس انسانی کے خلاف عمداً (بصورت قتل) زیادتی کرنے سے قصاص واجب ہوتا ہے اسی طرح عمداً جان لینے سے کم درجے کی زیادتی بھی موجب قصاص ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: وكتبنا عليهم فيها أن

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

النفس بالنفس والعین بالعین والانف بالانف والاذن بالاذن والسن بالسن والجروح قصاص فمن تصدق بہ فھو کفارۃ لہ ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الظلمون

یعنی ہم نے ان (یہود) پر یہ حکم (تورات میں) لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت اور زخموں کے لیے قصاص ہے تو جو شخص (بدلہ) معاف کر دے تو یہ (معافی) اس کے گناہوں کا کفارہ بن جائے گی اور جو اللہ کی نازل کردہ کتاب کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو وہ لوگ ظالم ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے (وجوب قصاص کے لیے) تمام انسانی جانوں کو مساوی قرار دیا ہے امیر و فقیر اور چھوٹے، بڑے کے درمیان کوئی فرق نہیں تمام انسان وجوب قصاص میں یکساں ہیں پس اگر بالارادہ قتل کا ارتکاب کیا گیا تو قاتل پر قصاص واجب ہوگا۔

جان تلف کرنے سے کم زیادتی کی صورت میں اگر محل جرم اور محل قصاص باعتبار منافع کے مساوی ہوں (یعنی جس عضو پر قصاص واجب ہے وہ اس عضو کے مماثل ہو جس پر زیادتی کی گئی) اور فعل جرم و فعل سزا میں مماثلث کا تحقق ممکن ہو تو قصاص لیا جائے گا چنانچہ جس شخص نے کسی دوسرے کی آنکھ (عمداً) پھوڑی، قصاص میں اس طریقہ سے اس کی آنکھ بھی پھوڑی جائے گی۔ اور جس نے کسی دوسرے کا کان کاٹا، بدلے میں اس کا کان بھی اسی طرح کاٹا جائے گا بشرطیکہ جرم اور سزا کے درمیان مماثلت کی رعایت ممکن ہو، کیونکہ قتل سے کم درجے کے جرائم میں جرم و سزا کے درمیان حتی المقدور مماثلت کا اعتبار ضروری ہے اور مماثلت نہ رہنے سے قصاص کا وجوب ختم ہو جاتا ہے۔ جان سے کم میں مماثلت کے شرعاً معتبر ہونے پر نصوص اور عقلی دلائل حسب ذیل ہیں۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ارشاد خداوندی ہے: وکتبنا علیھم فیھا ان النفس بالنفس والعین بالعین الی آخرہ قصاص یعنی ہم نے ان پر یہ فرض کر دیا کے جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں میں قصاص ہے۔ یہ آیت بظاہر شریعت موسوی سے متعلق ہے لیکن ہم سے پہلی شرائع ہمارے لیے بھی شریعت (کا حکم رکھتی) ہیں کیونکہ اصول میں طے شدہ قاعدہ ہے کہ سابقہ شریعت کے احکام ہم پر بھی لاگو ہوتے ہیں جب تک انہیں منسوخ کرنے والا حکم نہ آجائے۔

اس آیت میں گو کہ ہاتھ اور پاؤں کا ذکر نہیں لیکن آنکھ، ناک، کان اور دانت میں وجوب قصاص کا حکم (باقی اعضاء مثلاً) ہاتھ اور پاؤں (وغیرہ) میں بھی وجوب قصاص پر دلالت کرتا ہے۔ ابن عربی رقمطراز ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں آنکھ، ناک، کان اور دانت کا حکم بیان فرمایا اور ہاتھ کا ذکر نہیں کیا، اس کی تین وجوہات بیان کی گئی ہیں۔

ا۔ اس لیے کہ ہاتھ انسان کا آلۂ کار ہے جس کے ذریعے تمام افعال انجام پاتے ہیں۔

ب۔ دونوں ہاتھوں کی حالت مختلف ہونے کے باعث ہاتھ کا ذکر چھوڑ دیا گیا کیونکہ بایاں ہاتھ (بلحاظ قوت کار کے) دائیں ہاتھ کے مساوی نہیں بخلاف آنکھوں اور کانوں کے جن میں دائیں اور بائیں کا (بالذات) کوئی فرق نہیں اس (اختلاف حالی کی) بنا پر آیت میں ہاتھ کی تصریح نہیں کی گئی تاکہ والجروح قصاص (یعنی زخموں کے لیے قصاص ہے) کے عمومی بیان میں داخل ہو جائے۔ اور اس میں (وجوب قصاص کا) فیصلہ دیگر شواہد کی روشنی میں غور و فکر سے کیا جائے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ج - ہاتھ کے بدلے ہاتھ کاٹنے میں غور و فکر کی ضرورت نہیں جبکہ آنکھ، ناک اور دانت کے قصاص میں غور و فکر کی ضرورت پیش آتی ہے اس لیے ان (میں وجوب قصاص) کی تصریح کر دی گئی۔

۲- اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدی علیکم[1] یعنی جو تم پر زیادتی کرے تم اس پر زیادتی کر لو (لیکن) اس قدر جتنی زیادتی اس نے تم پر کی ہو۔

۳- اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم بہ[2] یعنی اگر تم سزا دو تو ایسی ہی سزا دو جیسی تمہیں تکلیف پہنچائی گئی تھی۔

۴- نیز فرمایا: من عمل سیئۃ فلا یجزی الا مثلھا[3] یعنی جو شخص برا عمل کرے تو اسے بدلہ نہ ملے گا مگر اسی (برائی) کے برابر۔

(ان تمام آیات سے قصاص اعضاء میں مماثلت، کی رعایت لازمی ہونے پر دلالت ملتی ہے)

رہی (وجوب مماثلت پر) عقلی دلیل تو یہ ہے کہ جان سے کم (اعضاء) کا حکم وہی ہے جو اموال کا ہے کیونکہ اعضاء جسم بھی مال کی طرح نفس کی حفاظت کے لیے بنائے گئے ہیں چنانچہ بچے کا وصی جس طرح اس کے مالی حقوق وصول کرنے کا مجاز ہے اسی طرح بچے کی طرف سے اعضاء کا قصاص بھی لے سکتا ہے۔

بنا بریں جس طرح اتلاف مال میں مماثلت معتبر ہے اسی طرح اعضاء کے

---

[1] سورۃ البقرۃ: ۱۹۴

[2] سورۃ النحل: ۱۲۶

[3] سورۃ الانعام: ۱۶۰

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

قصاص میں بھی مماثلت کا اعتبار لازم ہے۔

علاوہ ازیں جان سے کم (اتلاف) کا قصاص لینے میں یہ شرط بھی ہے کہ استیفاء مثل (یعنی جرم کے مماثل سزا کا اجراء) ممکن ہو کیونکہ اگر استیفاء قصاص میں مماثلت کی رعایت ممکن نہ ہو تو لازماً قصاص کا نفاذ ہی ممتنع ہو جائیگا۔

بنا بریں قصاص صرف اس صورت میں لیا جائے گا جب کہ عضو مقطوع کو مفصل (جوڑ) سے کاٹا گیا ہو جیسے ہاتھ کا جوڑ، کہنی کا جوڑ، شانے سے بازو کا جوڑ گھٹنے اور ٹخنے کا جوڑ یا سرین سے ٹانگ کا جوڑ وغیرہ اور اگر کوئی عضو جوڑ سے نہ کاٹا گیا ہو۔ (یا کوئی ایسی حد نہ ہو جہاں قطع عضو کا عمل رک جائے) تو اس صورت میں قصاص نہیں جیسے اگر مجرم کسی شخص کا ہاتھ کلائی سے یا بازو، یا پنڈلی یا ران کاٹ ڈالے تو اس سے قصاص نہ لیا جائے گا کیونکہ مفاصل سے کاٹے جانے کی صورت میں تو استیفاء مثل ممکن ہے، اس کے علاوہ مماثلت کی رعایت ممکن نہیں (لہٰذا قصاص واجب نہ ہوگا)۔

بنا بریں کلائی، بازو، پنڈلی، ران اور سرین کا گوشت کاٹنے میں قصاص نہیں اور نہ ہی رخساروں کا گوشت اور پیٹ یا پیٹھ کا گوشت کاٹنے میں قصاص ہے اسی طرح سر اور ہاتھوں کی جلد کاٹ ڈالنے میں بھی قصاص نہیں ہے کیونکہ ان میں استیفاء مثل ممکن نہیں۔

مذاہب ثلاثہ اور امام احمد کے متاخر اصحاب کا کہنا ہے کہ لطمہ (یعنی تھپڑ مارنا)، وکزۃ (یعنی مکا مارنا) وجأۃ (یعنی ہاتھ سے مارنا)، اور دقۃ (یعنی دھونس دینا)، موجب قصاص نہیں بلکہ مستوجب تعزیر ہے اور یہ رائے تقاضائے

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

قیاس، نصوص[1] اور اجماع صحابہ سے باہر (خارج) ہے۔

قتل سے کم درجے کے جرائم میں اشتراک

اگر دو آدمیوں نے مل کر ایک شخص کا ہاتھ یا پاؤں یا (کوئی) انگلی کاٹ ڈالی یا اس کی سننے یا دیکھنے کی صلاحیت زائل کر دی یا اس کا دانت اکھاڑ دیا تو اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

۱۔ حنفیہ کے نزدیک ان دونوں (مجرموں) میں سے کسی پر قصاص عائد نہ ہوگا بلکہ ان کی تعداد کے مطابق (ہر ایک پر) نصف یا تہائی کی نسبت سے کاٹے جانے والے عضو کا تاوان واجب ہوگا۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ ایک ہاتھ اور متعدد ہاتھوں کے درمیان، ذات، منفعت اور فعل ہر لحاظ سے مماثلت مفقود ہے (لہٰذا ایک ہاتھ کے بدلے متعدد ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے۔)

۱۔ ذات (عضو) کے اعتبار سے اگر تندرست اور بیکار ہاتھ کے مابین فقدان مماثلت کے باعث قصاص جاری نہیں ہوتا تو ایک ہاتھ کے بدلے متعدد ہاتھ کیونکر کاٹے جا سکتے ہیں؟

۲۔ منفعت کے لحاظ سے یہ فرق ہے کہ عام طور پر دو یا زیادہ ہاتھوں کی منفعت ایک ہاتھ سے زیادہ ہوا کرتی ہے۔

۳۔ اور فعل (جرم و سزا) میں مماثلت (کا تحقق) اس لیے (ممکن) نہیں کہ ان دونوں (مجرموں) میں سے ہر ایک نے ہاتھ کا کچھ حصہ کاٹا ہے (پورا ہاتھ

---

[1] دیکھیے اعلام الموقعین: ج ۱ ص ۳۱۸: جس میں اختلاف کی تفصیل بیان کی گئی ہے اسی طرح جبلۃ بن ایہم کا قصہ ہے کہ اس نے فزاری کو طواف کے دوران تھپڑ مارا تو حضرت عمرؓ نے یہ موقف اختیار کیا کہ فزاری (شخص متضرر) جبلہ کو بدلہ میں تھپڑ مارے گا یا جبلہ اسے معافی دینے پر راضی کرلے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

نہیں کاٹا) کیونکہ ہاتھ کے حصے کیے جا سکتے ہیں) تو گویا ایک مجرم نے (مقطوع) ہاتھ کی ایک جانب سے چھری چلائی اور دوسرے مجرم نے دوسری جانب سے (اور یوں دونوں نے مل کر ہاتھ کاٹا) جبکہ قصاص میں دونوں کے پورے (سالم) ہاتھ (ایک حصہ ہاتھ کے عوض میں) کاٹے جاتے ہیں اور ظاہر ہے کہ پورا ہاتھ کاٹنا، ہاتھ کا کچھ حصہ کاٹنے سے زیادہ (عمل) ہے اور جبکہ کسی ایک جہت سے مماثلت کا فقدان بھی نفاذ قصاص سے مانع بن جایا کرتا ہے تو متعدد وجوہ سے فقدان مماثلت مانع قصاص کیوں نہ ہوگا؟۔

باقی رہا حضرت علیؓ کا وہ ارشاد گرامی (جو فریق مقابل کی جانب سے بطور دلیل آگے بیان ہوگا) تو اس میں کوئی حجت نہیں کیونکہ آپ کا وہ ارشاد سیاست شرعیہ پر مبنی ہے اس دلیل سے کہ آپ نے قطع کی نسبت اپنی جانب کی ہے۔

۲۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں: ایک شخص کا ہاتھ کاٹنے والے تمام مجرموں پر قصاص واجب ہوگا جس طرح کہ متعدد شرکائے قتل پر قصاص عائد ہوتا ہے ان کی دلیل یہ روایت ہے کہ دو افراد نے حضرت علیؓ کے سامنے ایک شخص کے خلاف چوری کی گواہی دی آپؓ نے حکم دیا کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے اس کے بعد وہ دونوں گواہ ایک اور شخص کو لے کر آئے اور کہنے لگے ہم نے سابقہ گواہی میں غلطی کی تھی، اصل چور یہ شخص ہے۔ حضرت علی نے دوسرے شخص کے بارے میں ان کی گواہی مسترد کرتے ہوئے پہلے شخص کے لیے ان پر تاوان عائد کیا اور فرمایا! اگر مجھے اس بات کا علم ہوتا کہ تم نے جان بوجھ کر اس شخص کے خلاف شہادت دی تھی تو میں تم دونوں کے ہاتھ کاٹ

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

دیتا۔ (اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ) حضرت علیؓ نے ایک ہاتھ کے بدلے دو ہاتھ کاٹنے کو جائز رکھا اور صحابہ کرام کی موجودگی میں یہ ارشاد فرمایا جس پر کسی نے انکار (اعتراض) نہ کیا لہٰذا یہ اجماع قرار پایا، پھر یہ بھی ہے کہ ہاتھ نفس کے تابع ہے اور ظاہر ہے کہ ایک جان کے عوض متعدد جانیں لی جاتی ہیں لہٰذا ایک ہاتھ کے بدلے متعدد ہاتھ بھی کاٹے جانے چاہئیں کیونکہ تابع کا حکم وہی ہوتا ہے جو اصل کا ہو۔

اور (مصنف کے خیال میں) یہی رائے مقتضائے عقل سے قریب تر (معلوم ہوتی) ہے۔

ایک شخص کا متعدد افراد پر زیادتی کرنا

اگر ایک شخص نے دو آدمیوں کے دائیں ہاتھ کاٹ دیئے تو اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

حنفیہ کا موقف ہے کہ قصاص میں مجرم کا دایاں ہاتھ کاٹا جائے گا پھر اگر دونوں ضرر رسیدگان نے دعویٰ قصاص کیا تو ان کو حق ہے کہ مجرم کا دایاں ہاتھ کاٹ دیں اور اس سے تاوان وصول کر کے نصفا نصف آپس میں تقسیم کر لیں۔ ان (حنفیہ) کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ دونوں مضرت رسیدگان کے لیے حق مطالبہ کا موجب (سبب استحقاق) یکساں ہے لہٰذا دونوں کے حق میں (قصاص و دیت کا) یکساں فیصلہ[1] ہوگا۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں اگر مجرم نے دونوں افراد کے دائیں ہاتھ یکے بعد دیگرے کاٹے تو پہلے جرم کے بدلے اس سے قصاص لیا جائے گا اور دوسرے ضرر رسیدہ کو وہ تاوان ادا کرے گا۔ جیسا کہ قتل کے معاملہ میں انکی رائے ہے۔ اور اگر مجرم نے دونوں کے ہاتھ

---

[1] بدائع الصنائع: ج ۷، ص ۲۹۹

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ایک ساتھ کاٹے تو ان دونوں کے درمیان قرعہ اندازی کی جائے گی جس کے نام قرعہ نکلے، اس کے ہاتھ کے بدلے تو مجرم سے قصاص لیا جائے اور دوسرے مضرت رسیدہ کو وہ تاوان ادا کرے جیسا کہ دو افراد کو بیک وقت قتل کرنے کی صورت میں ہوتا ہے۔

امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ یکے بعد دیگرے دو آدمیوں کے ہاتھ کاٹنے کی صورت میں مجرم کا ہاتھ پہلے شخص کا حق بن گیا لہٰذا اس سے دوسرے کا حق ادا نہیں ہو سکتا بلکہ وہ دیت وصول کرنے کا حقدار ہوگا، اور بیک وقت دونوں کے ہاتھ کاٹنے کی صورت میں مجرم کا ہاتھ بلا تعیین کسی ایک مضرت رسیدہ کا حق ہے اس لیے مستحق اوّل کے تعین کی خاطر قرعہ انداز کا طریق کار اختیار کیا جائے گا[1]

اگر دونوں مضرت رسیدگان میں سے ایک نے حاضر ہو کر (قصاص کا) مطالبہ کیا اور دوسرا غائب ہے تو اس حاضر (موجود الوقت) شخص کو حق ہے کہ مجرم سے قصاص لے لے اور غائب کا انتظار نہ کرے کیونکہ ان میں سے ہر ایک کا حق مجرم کے پورے ہاتھ کے خلاف ثابت ہے اور پورے ہاتھ سے استیفاء قصاص کی مانع تو صرف شرکاء کی باہمی مزاحمت بنتی ہے لیکن چونکہ غائب شخص حاضر سے مزاحمت نہیں کر سکتا اس لیے حاضر اپنا حق (قصاص) وصول کرنے کا مجاز ہے۔

---

[1] قرعہ اندازی کسی ایسے امر کا تعین اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر کو سونپ دینے سے عبارت ہے جس کا تعین ہمارے بس میں نہیں۔ اور یہ (قرعہ اندازی) جمہور فقہاء کے نزدیک دو مساوی الحجت چیزوں کے درمیان تحقیق عدل کی خاطر سنت ہے تاکہ دلوں کو اطمینان نصیب ہو اور ان کے درمیان حق کی تقسیم کرنے والے شخص سے تہمت رفع ہو جائے۔ قرعہ اندازی کے قائلین قرآن و سنت سے اسکی حجیت پر استدلال کرتے ہیں جبکہ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب قرعہ اندازی کو قمار اور ازلام کے مشابہ ٹھہراتے ہوئے حرام قرار دیتے ہیں۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

پھر یہ بھی ہے کہ موجود الوقت شخص کا حق مجرم کے پورے ہاتھ میں ثابت ہے اور وہ اپنے حق کا مطالبہ کر رہا ہے۔

رہا غائب تو اس کا حاضر ہونا محض امر محتمل ہے جب کہ یہ احتمال بھی پایا جاتا ہے کہ آیا وہ حاضر ہونے کے بعد قصاص کا مطالبہ کرے گا یا مجرم کو معاف کر دے گا۔ لہٰذا ایک امر محتمل کی بناء پر موجود شخص کو اپنے حق (قصاص) کے استیفاء سے منع نہیں کیا جا سکتا۔

اگر کسی شخص نے ایک آدمی کے دونوں ہاتھ یا دونوں پاؤں کاٹ دیئے تو قصاص میں اس (مجرم) کے بھی دونوں ہاتھ یا پاؤں کاٹے جائیں گے کیونکہ جرم کے مماثل سزا کا اجراء ممکن ہے۔ اسی طرح اگر مجرم نے ایک شخص کا دایاں اور دوسرے کا بایاں ہاتھ کاٹ ڈالا تو دائیں ہاتھ والے شخص کے بدلے مجرم کا دایاں ہاتھ اور بائیں والے کے بدلے اس کا بایاں ہاتھ کاٹا جائے گا کیونکہ اس صورت میں بھی مماثلت کا تحقق ممکن ہے[1]

اگر کسی (مجرم) نے ایک شخص کی پوری انگلی جوڑ سے کاٹ ڈالی پھر دوسرے شخص کا ہاتھ کاٹا یا پہلے ایک شخص کا ہاتھ کاٹا اور پھر دوسرے کی انگلی کاٹی اور یہ دونوں زیادتیاں ایک ہی جانب کے ہاتھ یعنی دائیں یا بائیں میں ہوئیں تو اب اگر دونوں مضرت رسیدگان نے اکٹھے حاضر ہو کر قصاص کا مطالبہ کیا تو پہلے انگلی کا قصاص لیا جائے گا اور پھر ہاتھ والے شخص کو اختیار دیا جائیگا کہ چاہے تو اس باقی ماندہ (ناقص) ہاتھ سے قصاص لے لے یا مجرم کے مال میں سے اپنے ہاتھ کا تاوان وصول کرے۔

---

[1] دو مضرت رسیدگان کی صورت میں مضرت رسیدگان کے اکٹھے یا الگ الگ (یکے بعد دیگرے) مطالبہ پر نفاذ قصاص کی تفصیل کیلئے دیکھئے بدائع الصنائع: ج ۷، ص ۳۰۱۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اگر دونوں مدعیان یکے بعد دیگرے (دعویٰ قصاص لے کر) حاضر ہوئے اور پہلے دست بریدہ شخص آیا تو مجرم کا ہاتھ قصاص میں کاٹ دیا جائے گا اور بعد میں انگلی والا شخص اپنی (کٹی ہوئی) انگلی کا تاوان وصول کرنے کا حقدار ہوگا اور اگر انگشت بریدہ شخص پہلے (مطالبہ قصاص لے کر) حاضر ہوا تو مجرم کی انگلی سے قصاص لیا جائے گا اور بعد میں ہاتھ والا شخص مجرم کے عیب دار ہاتھ سے قصاص لینے یا تاوان وصول کرنے کا حقدار ہوگا۔

اگر ایک شخص نے کسی کا ہاتھ کاٹا اور پھر اسے قتل کر دیا تو اگر یہ قتل (ہاتھ کٹنے کا) زخم مندمل ہو جانے کے بعد واقع ہوا تو اس صورت میں بالارادہ ہاتھ کا اتلاف جرم قتل میں شامل (متصور) نہ ہوگا اور ولیٔ مقتول کو اختیار ہے اگر چاہے تو مجرم کا ہاتھ کاٹنے کے بعد اسے قتل کر دے اور چاہے تو صرف قتل ہی پر اکتفا کر لے یا اگر چاہے تو اس کی جان بخشی کر دے اور صرف ہاتھ کا قصاص لے لے۔ اگر دست بریدہ کے تندرست ہونے سے پیشتر ہی مجرم نے اسے قتل کر دیا تب بھی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہی حکم ہوگا کیونکہ مضرت رسیدہ کا حق مثل (یعنی جرم کے مماثل سزا) میں ہے اور زیر نظر صورت میں یہ (حق) ہاتھ کاٹنے اور قتل دونوں میں پایا جاتا ہے اور مماثلت کے ساتھ حق کا استیفاء ممکن ہے چنانچہ اگر ولی نے (پہلے) مجرم کا ہاتھ کاٹا اور پھر اسے قتل کیا تو اس طرح وہ مثل کا استیفاء کرے گا اور یوں جرم کے مماثل پورا پورا بدلہ متحقق ہو جائے گا بخلاف قتل خطاء کے کیونکہ وہاں مجنی علیہ کا حق مثل (نفس مجرم) میں نہیں بلکہ مال میں ہے اور مال نفس کا مثل نہیں ہے۔

صاحبینؒ کہتے ہیں کہ مذکورہ صورت میں ہاتھ کا قصاص نفس کے قصاص میں داخل (اور یکجا) ہے اور ولیٔ مقتول صرف مجرم کو قتل کر سکتا ہے ہاتھ نہیں کاٹ

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

سکتا، یہ اس لیے کہ جان سے کم (اعضاء) پر زیادتی سے تندرست ہوئے بغیر اگر مضرت رسیدہ کو قتل کر دیا جائے تو شریعت اسلامیہ کی رو سے (اس صورت میں) جان سے کم زیادتی کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ وہ قتل (کے ضمن) میں داخل سمجھی جائے گی جس طرح اگر کوئی شخص کسی کا ہاتھ خطاً کاٹ ڈالے اور پھر اس کا زخم اچھا ہونے سے پہلے ہی مضرت رسیدہ کو (بلا ارادہ) قتل کر دے تو اس پر صرف جان کی دیت عائد ہوگی (اور ہاتھ کا تاوان اس میں شامل سمجھا جائے گا۔

اگر ایک شخص نے کسی کا ہاتھ عمداً کاٹا اور اس کے بعد دوسرے شخص نے اس (دست بریدہ) کا ہاتھ شانے سے الگ کر دیا جس سے وہ مر گیا تو اس صورت میں امام اعظمؒ اور صاحبینؒ کے نزدیک قصاص اس دوسرے مجرم پر عائد ہوگا (پہلے شخص پر نہیں)۔ کیونکہ سرایت (زخم) کا اعتبار ان پیہم دردوں (تکلیفوں) سے کیا جاتا ہے جنہیں انسان (کا نفس) برداشت نہیں کر سکتا یہاں تک کہ ہلاک ہو جاتا ہے اور (شانے سے) بازو کاٹنا انگلی (کٹی ہوئی) کے درد کے لیے نفس تک سرایت کرنے میں مانع (بن جاتا) ہے لہٰذا سرایت کی نسبت (شانے سے) بازو کاٹنے کی طرف ہوگی اور یہ ایسا ہی ہوگا جیسے ایک شخص کسی آدمی کا ہاتھ کاٹے اور زخم اچھا ہو جانے کے بعد دوسرا شخص اس کا بازو کاٹ ڈالے جس سے وہ ہلاک ہو جائے تو اس صورت میں قصاص اس دوسرے (بازو کاٹنے والے) شخص پر عائد ہوگا لہٰذا پیش نظر صورت میں بھی ایسا ہی ہونا چاہیئے بلکہ یہ اولیٰ ہے [1]

امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کی رائے میں قصاص دونوں مجرموں پر عائد ہوگا

بدائع الصنائع: ج ۷: ص ۳۰۳:

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کیونکہ سرایت کا اعتبار درد کے حوالے سے) کیا جاتا ہے اور پہلے شخص کے ہاتھ کاٹنے کی تکلیف ضرر رسیدہ کے نفس تک پہنچ چکی تھی جس کی تکمیل دوسرے شخص کے فعل (بازو کاٹنے) سے ہوگئی لہٰذا سرایت (زخم) ان دونوں فعلوں کی طرف (یکساں) منسوب ہوگی اور دونوں مجرموں سے قصاص لیا جائے گا۔

اگر (کاٹا جانے والا ہاتھ صحیح اور) مجرم کا اپنا ہاتھ شل یا انگلیاں ناقص ہوں تو مجنی علیہ کو اختیار دیا جائے گا کہ چاہے تو اپنے تندرست ہاتھ کا قصاص اس ناکارہ ہاتھ سے لے لے (اور جرمانہ سے دست بردار ہو جائے) یا اپنے ہاتھ کا (پورا) تاوان وصول کر لے۔ چونکہ اس صورت میں استیفائے کمال حق متعذر رہے (کہ محل قصاص ہی ناقص و عیبدار رہے) اس لیے مضرت رسیدہ کو یہ اختیار رہے کہ چاہے اپنے حق سے کم پر چشم پوشی کر لے یا (قصاص چھوڑ کر) عوض کی جانب رجوع کر لے۔

اگر قبل اس کے کہ ضرر رسیدہ (اپنے اختیار کو کام میں لاتے ہوئے) قصاص لینے کا فیصلہ کر لے، مجرم کا ناقص ہاتھ بھی کسی وجہ سے جھڑ گیا تو حنفیہ کے نزدیک اس پر کچھ واجب نہ ہوگا (اور مظلوم کا قصاص یا تاوان اختیار کرنے کا حق ختم ہو جائے گا) کیونکہ اس کا اصل استحقاق (مجرم کے ہاتھ سے متعلق) قصاص میں متعین تھا جو وصولیٔ مال کے حق میں تب منتقل ہوتا کہ وہ تاوان اختیار کر لیتا (لیکن اس سے پہلے ہی اصل محل استحقاق ضائع ہو جانے کے باعث یہ انتقال ممکن نہیں رہا) اور جب محل قصاص ہی فوت ہو گیا تو (ضرر رسیدہ کا) حق (قصاص و وصولی مال) بھی ساقط ہو گیا، بخلاف اس صورت کے جب کہ مجرم کا ہاتھ قصاص یا سرقہ وغیرہ کے مانند کسی ایسے حق کی وجہ سے کاٹا گیا ہو جو اس پر شرعاً لازم تھا

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کہ اس صورت مجرم پر تاوان عائد ہوگا کیونکہ اس ہاتھ کے ذریعہ اس نے ایک حق واجب ادا کیا تو گویا یہ ہاتھ اس کے لیے (حکماً) سالم رہا۔

زیلعی کہتے ہیں کہ (قتل) نفس کی صورت اس کے برعکس ہے کیونکہ اگر مجرم پر کسی اور شخص کے لیے جان کا قصاص نافذ کر دیا جائے تو اب وہ کسی چیز کا ضامن نہ ہوگا کہ نفس مال کی مانند نہیں اس لیے (حق واجب کی ادائیگی) کے ساتھ وہ سالم متصور نہ ہوگا۔

علی ہذا القیاس دانت اور ان دیگر اطراف میں جن کا اتلاف موجب قصاص ہے اگر مجرم کا عضو مماثل (یعنی محل قصاص) ناقص یا عیب دار ہو تو مجنی علیہ تو عیب دار عضو سے قصاص لینے یا اپنے عضو کا پورا تاوان وصول کرنے کا اختیار رہوگا برہان الدین کہتے ہیں۔ یہ (اختیار) اس صورت میں ہے جب کہ عیب دار عضو سے مجرم کچھ فائدہ حاصل کرتا ہو لیکن اگر وہ ناکارہ عضو اس کے لیے (کسی طور) فائدہ مند نہیں ہے تو پھر وہ قصاص کا محل نہیں بلکہ ضرر رسیدہ کے لیے بلا اختیار عضو مقطوع کی پوری دیت متعین ہے اور اسی قول پر فتویٰ ہے۔

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے: اگر مقطوع ہاتھ میں کوئی ایسا زخم ہو جس سے ہاتھ کی دیت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی بایں طور کہ ایسا زخم ہو جو ہاتھ کی قوت گرفت کو کمزور نہیں کرتا تو ایسا زخم مانع قصاص نہیں لیکن اگر زخم کے ساتھ ہاتھ کی قوت گرفت اس قدر کمزور ہو چکی ہو کہ اس کی دیت آدھی رہ جائے تو ایسا ہاتھ بمنزلہ بیکار ہاتھ کے ہے اور ناکارہ ہاتھ کے بدلے صحیح ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

اگر ایک شخص نے کسی آدمی کے ایک عضو پر زیادتی کی اور اسی (زخم) کا اثر سرایت کر کے دوسرے عضو تک جا پہنچا تو اس بارے میں اصول یہ ہے کہ اگر جنایت ایک عضو پر واقع ہوئی ہو اور کسی ایسے دوسرے عضو میں سرایت

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کر جائے جس کا اتلاف موجب قصاص نہیں تو پہلے عضو پر واقع ہونے والی زیادتی بھی موجب قصاص نہ ہوگی۔ یہ حکم امام ابوحنیفہؒ کے اس قول پر مبنی ہے کہ اگر ایک شخص نے کسی کی انگلی کاٹ ڈالی جس سے اس کی ہتھیلی شل ہوگئی تو انگلی یا ہتھیلی کسی کا قصاص واجب نہیں بلکہ مجرم ہاتھ کی دیت ادا کرے گا اس بارے میں فقہاء کی اکثریت کے درمیان کوئی اختلاف نہیں اور یہ اس لیے ہے کہ اس صورت میں ضرر رسیدہ کے لیے قصاص کا استیفاء ممکن نہیں ہے نیز یہاں جرم ایک ہے لہٰذا اس سے دو مختلف تاوان یعنی (انگلی کا) قصاص اور (ہتھیلی کی) دیت واجب نہیں ہو سکتے۔ خصوصاً جب کہ محل واحد ہو کہ ہتھیلی انگلی کے ساتھ مل کر بمنزلہ ایک ہی عضو کے ہے۔

اسی طرح اگر مجرم نے کسی شخص کی انگلی کی ایک پور کاٹ ڈالی جس سے باقی انگلی یا پوری ہتھیلی (ہی) ناکارہ ہوگئی تو بھی یہی حکم ہوگا۔

جائز فعل کا ارتکاب

اگر امام نے (جرم سرقہ کی پاداش میں) چور کا ہاتھ کاٹا اور اس کے سبب وہ مر گیا تو امام یا بیت المال پر کوئی ضمان نہیں۔ اسی طرح اگر طبیب یا جراح یا پچھنے لگانے والے (حجام) نے مریض کا ہاتھ کاٹ دیا جس سے وہ ہلاک ہوگیا تو ان پر کوئی تاوان واجب نہیں اگرچہ ان صورتوں میں فعل کا نتیجہ بصورت قتل نکلا ہے لیکن ضرورت کی بناء پر تاوان عائد نہیں کیا جا سکتا کیونکہ چور پر حد شرعی کا نفاذ لازم ہے اور سرایت (زخم) سے بچنا حد نافذ کرنے والے کی استطاعت میں نہیں پس اگر اس صورت میں تاوان واجب قرار دیا جائے تو حکمران اور اطباء (تاوان کے خوف سے) اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے سے گریز کریں گے اور اس طرح حدود اللہ معطل ہو کر رہ جائیں گی۔

اگر شوہر نے اپنی بیوی کو سدھارنے اور سرکشی سے روکنے کے لیے مارا

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

جس سے وہ مرگئی تو خاوند پر تاوان عائد ہوگا کیونکہ اسے صرف تادیب کی اجازت ہے قتل (کرنے) کی نہیں اور تادیب کا نتیجہ اگر موت کی صورت میں نکلے تو یہ قتل (موجب ضمان) متصور ہوگا۔

اسی طرح اگر باپ یا وصی بچے کو تنبیہاً مار پیٹ کرے اور وہ ہلاک ہو جائے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ ضامن ہوگا ان کی دلیل یہ ہے کہ تادیب ایسے فعل کا نام ہے جس کے بعد مؤدب (جسے تادیب کی گئی) زندہ رہے لیکن اگر فعل تادیب (کا اثر) سرایت کر (کے ہلاکت پر منتج ہو) جائے تو اس سے ظاہر ہوگا کہ یہ تادیب اور تنبیہ نہ تھی بلکہ قتل تھا اور باپ یا وصی کیلئے بچے کو قتل کرنا جائز نہیں (لہٰذا ان پر تاوان عائد ہوگا)

صاحبینؒ کے نزدیک باپ اور وصی مستوجب ضمان نہ ہوں گے کیونکہ انہیں بچے کو تادیب کے لیے مارنے کی اجازت ہے (لہٰذا اس فعل تادیب کا نتیجہ بھی ان کے لیے جائز ہے کہ) فعل ماذون فیہ (یعنی ایسا فعل جس کی شریعت نے اجازت دی ہو) کا نتیجہ موجب تاوان نہیں ہوتا جیسے اگر امام کسی شخص کو تعزیری سزا دے اور وہ مرجائے تو امام پر کچھ واجب نہ ہوگا۔

اگر کسی استاد نے اپنے شاگرد کو (تربیت اور تادیب کی خاطر) مارا اور وہ مرگیا تو اگر استاد نے باپ یا وصی کی اجازت کے بغیر بچے کو مارا تھا تو اس پر تاوان واجب ہوگا کیونکہ وہ زیادتی کا مرتکب ہوا ہے لہٰذا اس زیادتی کے نتیجے میں واقع ہونے والی موت کا ذمہ دار ہوگا۔ لیکن اگر استاد نے باپ یا وصی کی اجازت سے بچے کو مارا تو اس صورت میں ضرورت (شرعی) اس پر تاوان عائد کرنے سے مانع ہے کیونکہ اگر استاد کو یہ معلوم ہو کہ سرایت (ضرب)

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کی صورت میں وہ مستوجب ضمان ہوگا حالانکہ سرایت سے بچنا اس کی استطاعت سے باہر ہے تو وہ بچوں کی تعلیم و تربیت ہی سے رک جائے گا اور یوں استاد کو مستوجب ضمان قرار دینے سے تعلیم کی راہیں مسدود ہو جائیں گی جب کہ لوگوں کو اس کی ضرورت ہے اس ضرورت کی بنا پر استاد کے حق میں سرایت (ضرب) کا اعتبار ساقط قرار دیا گیا ہے لیکن باپ کے حق میں یہ ضرورت نہیں پائی جاتی کیونکہ باپ کو مستوجب ضمان ٹھہرانا اس کے لیے بیٹے کی تادیب سے مانع نہیں ہے بوجہ اس فرط شفقت و عنایت کے جو وہ بچے کے لیے رکھتا ہے۔ پس ضرورت نہ پائے جانے کی صورت میں سرایت کا اعتبار ساقط نہیں ہوتا[1] (اور باپ یا وصی ضامن ٹھہرتا ہے)۔

قتل سے کم درجے کے جرائم پر گفتگو حسب ذیل امور کو محیط ہے۔

۱۔ اتلاف اعضاء و قائم مقام اعضاء۔

۲۔ اعضائے جسم کی ظاہری شکل باقی رہتے ہوئے ان کی افادیت اور کارکردگی کا ختم کرنا۔

۳۔ شجاج یعنی سر اور چہرے پر زخم لگانا۔

۴۔ جراحات، یعنی سر اور چہرے کے علاوہ باقی جسم پر زخم لگانا۔

ذیل میں ان چاروں امور پر تفصیلی بحث کی جائے گی۔

اوّلاً: اتلاف اعضاء و قائم مقام اعضاء

اس سے مراد ہے ہاتھ، پاؤں، انگلیاں، ناخن، ناک، کان، زبان، آلۂ تناسل، فوطے، کان اور ہونٹ کاٹنا

---

[1] بدائع الصنائع: ج ۷: ص ۳۰۵۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

آنکھیں پھوڑنا، آنکھوں کے پپوٹے اور پلکوں کے کنارے (اشفار) کاٹنا، دانت اکھاڑنا یا توڑنا نیز سر، داڑھی، ابرو اور مونچھوں کے بال تراشنا، ان تمام اشیاء میں پوری دیت واجب ہوتی ہے بشرطیکہ عضو متلف کی منفعت متصورہ مکمل طور پر ضائع ہو جائے اور اس کی دو صورتیں ہیں [1]

(۱) اتلاف عضو۔ (۲) اتلاف صلاحیت عضو مع بقائے شکل۔

اتلاف عضو وہ اعضائے بدن جن کے اتلاف سے پوری دیت واجب ہوتی ہے تین قسم پر ہیں:

۱۔ ایسے اعضاء جو جسم میں منفرد (یعنی اکیلے اکیلے) ہیں، اور وہ چھ اعضاء ہیں

ا۔ ناک خواہ پورا کاٹ دیا جائے یا صرف اس کا (اگلا) نرم حصہ کاٹا جائے۔

ب۔ زبان چاہے پوری کاٹ دی جائے یا اتنی کاٹی جائے جس سے قوت گویائی مکمل طور پر ختم ہو جائے۔

ج۔ آلۂ تناسل پورا کاٹنا یا صرف حشفہ (سپاری) کاٹنا دونوں کا حکم ایک ہے۔

اس سلسلہ میں حضرت سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فی النفس الدیۃ، وفی اللسان الدیۃ، وفی الذکر الدیۃ، وفی الانف الدیۃ وفی المارن الدیۃ۔ یعنی جان کے اتلاف میں دیت ہے، زبان میں دیت ہے، آلۂ تناسل میں دیت ہے، ناک میں دیت ہے اور مارن (ناک

---

[1] الزیلعی: ج ۶: ص ۱۲۹:

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کا نرم حصہ) کاٹنے میں دیت ہے اسی طرح روایت ہے کہ عمرو بن حزم کے (نام) مکتوب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر فرمایا کہ جان میں دیت ہے، ناک میں دیت ہے اور زبان میں دیت ہے۔ یہ اس لیے کہ ان اعضاء کے اتلاف سے ان کے منافع ختم ہو جاتے ہیں اور جمال وخوبصورتی بھی منافع متصورہ میں سے ہے۔ کہ ناک سے مقصود سونگھنا اور جمال دونوں ہیں۔ زبان کی منفعت گویائی ہے آلۂ تناسل جماع کے لیے اور حشفہ کی منفعت انزال ہے اور ان اعضاء کے کاٹنے سے یہ سب منافع ضائع ہو جاتے (اس لیے مذکورہ اعضاء میں سے ہر عضو کے اتلاف پر پوری دیت واجب ہوتی ہے)۔

د۔ پلیٹھ اگر ضرب پہنچنے سے دوہری (کبڑی) ہو جائے۔

ھ۔ پیشاب کرنے کا مقام۔

و۔ پاخانہ کا مقام (مقعد) اگر کسی شخص نے عورت کے ساتھ اس کی دبر میں بدفعلی کی، جس سے اس کی پاخانہ روکنے کی صلاحیت ضائع ہو گئی تو اس شخص پر پوری دیت عائد ہو گی اور اگر عورت کو پہنچنے والا نقصان ایسا ہو کہ وہ پیشاب اور پاخانہ دونوں کو روکنے سے قاصر ہو جائے تو اس صورت میں مجرم پر دو دیتیں واجب ہوں گی کیونکہ اس نے ہر دو اعضاء کے منافع مقصودہ مکمل طور پر ختم کر دیئے ہیں

۲۔ وہ اعضاء جو بدن میں جوڑا جوڑا پائے جاتے ہیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) ہاتھ (۲) پاؤں (۳) آنکھیں (۴) کان (۵) ہونٹ (۶) ابرو، جب کہ ان کے بال کاٹ دیئے جائیں اور دوبارہ پیدا نہ ہوں (۷) پستان،

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

(۸) پستانوں کی بھٹنیاں (۹) خصیتین (فوطے)۔ ان دو ہر سے اعضاء میں سے ہر جوڑے کے اتلاف پر مکمل دیت واجب ہونے کے سلسلہ میں) دلیل حضرت سعید بن مسیبؒ کی یہ روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: فی الاذنین الدیۃ، وفی العینین الدیۃ، وفی الرجلین الدیۃ یعنی دونوں کانوں میں (پوری) دیت ہے، دونوں آنکھوں میں دیت ہے اور دونوں پاؤں میں دیت ہے۔

یہ اس لیے کہ ان جفت اعضاء میں سے ہر جوڑے کے اتلاف سے اس کی جنس منفعت یا جمال مکمل طور پر زائل ہو جاتا ہے جیسے آنکھوں کی منفعت بصارت ہاتھوں کی منفعت وقف گرفت پاؤں کی منفعت رفتار، کانوں، بھوؤں اور ہونٹوں کا جمال اور زیریں ہونٹ کی لعاب روکنے کی منفعت پستانوں میں دودھ کی حفاظت اور بھٹنیوں سے دودھ پلانے کی منفعت اور خصیتین میں منی رکھنے کی منفعت۔

عمرو بن شعیب اپنے باپ دادا کے واسطے سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دونوں آنکھوں کے اتلاف پر مکمل دیت ہے، اور ایک آنکھ میں آدھی دیت ہے دونوں ہاتھوں میں پوری دیت اور ایک ہاتھ میں نصف دیت ہے۔

اسی طرح حضرت علیؓ کا یہ ارشاد مروی ہے کہ جو اعضاء بدن انسانی میں جوڑا جوڑا پائے جاتے ہیں آنکھیں، کان، بھویں، ہونٹ، ہاتھ، عورت کے پستان، فوطے اور پاؤں[1] (ان کے اتلاف میں پوری دیت ہے)

---

[1] المبسوط: ج ۲۶: ص ۸۰

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

۳ - وہ اعضاءِ بدن جو چار چار ہیں، اور یہ دو قسم کے ہیں۔

ا - دونوں آنکھوں کی پلکوں کے کنارے (وہ جگہ جہاں پر بال اگتے ہیں) جب کہ یہ ضائع ہونے کے بعد دوبارہ نہ پیدا ہوں (تو ان میں پوری دیت ہے) کیونکہ ان کے اتلاف سے آنکھوں کی منفعت اور جمال ختم ہو جاتے ہیں اور ایک شفر (کنارۂ پلک) کے اتلاف پر چوتھائی تاوان واجب ہوگا۔

ب - برنیاں یعنی پلکوں کے بال، جبکہ تلف ہونے کے بعد دوسری بار پیدا ہونے کے قابل نہ رہیں (تو ان میں کامل دیت ہے۔

۴ - وہ اعضائے بدن جن کی تعداد دس ہے جیسے ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیاں، چنانچہ ہاتھوں کی سب انگلیاں کاٹ ڈالنے پر مکمل دیت واجب الادا ہوگی کیونکہ اس سے ہاتھ کی قوت گرفت جس کا انحصار انگلیوں پر ہے ختم ہو جاتی ہے اور ہر انگلی کے اتلاف پر دیت کا دسواں حصہ واجب ہوگا کہ حضرت سعید بن مسیبؒ کی روایت کردہ حدیث میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ: فی کل اصبع عشر من الابل[1] یعنی ہر انگلی میں دس اونٹ (تاوان) ہے۔

عمومی قاعدہ اللہ تعالیٰ نے نص قرآنی وکتبنا علیھم فیھا ان النفس بالنفس الآیہ میں بنیادی اعضاء کا حکم (قصاص) بیان فرما دیا اور باقی اعضاء کا حکم قیاس پر چھوڑ دیا۔

چنانچہ ہر عضو بدن کے اتلاف پر قصاص واجب ہے بشرطیکہ استیفاء

---

[1] المبسوط: ج ۲۶: ص ۷۱:

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

(مثل) ممکن ہو اور قصاص کے نتیجے میں مجرم کی موت واقع ہو جانے کا اندیشہ نہ ہو۔ اسی طرح ہر وہ عضو جس کی منفعت تو ختم ہو جائے لیکن اس کی ظاہری شکل اپنی جگہ قائم رہے اس میں قصاص نہیں بلکہ دیت ہے۔ کیونکہ اس صورت میں قصاص نافذ کرنا ممکن نہیں[1]۔ اس سلسلہ میں مختلف اعضاء اور ان کی تعداد کا تفصیلی بیان حسب ذیل ہے۔

آنکھ قصاص کی بنیاد مماثلت پر ہے اس لیے (اتلاف اعضاء کی) ہر وہ صورت جہاں محل جرم اور محل قصاص اعضاء کے درمیان منافع کے اعتبار سے اور دونوں فعلوں (فعل جرم اور فعل سزا) کے درمیان مماثلت (کی رعایت) ممکن ہو وہاں مجرم سے قصاص لیا جائے گا۔ آنکھ پر زیادتی کا حکم بھی اسی اصول پر مبنی ہے چنانچہ کسی شخص کی آنکھ (عمداً) پھوڑنے والے مجرم پر قصاص عائد ہو گا بشرطیکہ اس (نفاذ قصاص) میں مماثلت (کو ملحوظ رکھنا) ممکن ہو۔ اگر کسی شخص نے دوسرے کی آنکھ پر کوئی چیز ماری جس سے مضروب کی آنکھ تو (ظاہری شکل کے اعتبار سے) اپنی جگہ باقی رہی لیکن اس کی روشنی اور بینائی جاتی رہی تو اس صورت میں مجرم سے قصاص لینے میں مماثلت کی رعایت ممکن ہے، لہٰذا قصاص عائد ہو گا۔ روایت ہے کہ حضرت عثمانؓ کے دور میں اس قسم کا ایک واقعہ پیش آیا۔ آپؓ نے صحابہ کرام کو جمع فرما کر اس سلسلہ میں مشورہ کیا تو ان کے پاس اس سلسلہ میں کوئی حکم نہ تھا۔

حضرت علی نے ایک شیشہ[2] منگوایا، اسے گرم کیا پھر مجرم کی ایک آنکھ پر روئی

---

[1] ابن عربی: ج ۲: ص ۶۲۷

[2] ابن عابدین: ج ۴: ص ۵۴۴ میں ہے کہ میں نے بعض علماء کی یہ تحریر دیکھی کہ یہاں شیشہ سے مراد صیقل شدہ فولاد ہے جس میں سے چہرہ نظر آتا ہے نہ کہ شیشے (زجاج) کا بنا ہوا آئینہ۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

رکھی شیشے کو پکڑ کر مجرم کی آنکھ کے قریب کیا گیا جس سے اس کی بینائی ختم ہو گئی[1]

بھینگی آنکھ

امام ابو یوسفؒ روایت کرتے ہیں کہ بھینگے شخص کی آنکھ پھوڑنے میں قصاص نہیں ہے کیونکہ بھینگا پن آنکھ کا نقص ہے اور ناقص آنکھ کے بدلے صحت مند آنکھ پھوڑنے میں مماثلت نہیں پائی جاتی جیسا کہ ناکارہ ہاتھ کے قصاص میں تندرست اور کارآمد ہاتھ کو نہیں کاٹا جاتا

یک چشم (کانے) کی آنکھ

اگر کسی یک چشم نے صحیح آنکھ والے شخص کی آنکھ پھوڑی تو حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ سے مروی ہے کہ اس (کانے) سے قصاص نہیں لیا جائے گا بلکہ اس پر تاوان عائد ہوگا کیونکہ قصاص کی صورت میں مضرت رسیدہ کی آدھی بصارت کے بدلے یک چشم کی مکمل بینائی ختم ہو جائے گی جو کہ مساوات کے منافی ہے۔

حضرت علیؓ اور امام شافعیؒ کے نزدیک کانے سے قصاص لیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: العین بالعین یعنی آنکھ کا بدلہ آنکھ ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں ضرر رسیدہ (کو اختیار ہے) چاہے تو مجرم کی آنکھ پھوڑ دے اور چاہے تو پوری دیت وصول کر لے کیونکہ جب دلائل میں تعارض ہو تو مجنی علیہ کو اختیار حاصل ہو جاتا ہے۔ البتہ عموم قرآن پر عمل کرنا اولیٰ ہے کہ یہی اللہ تعالیٰ کے ہاں محفوظ تر (راہ) ہے۔

اگر کانے کی آنکھ پھوڑ دی جائے (یا اس کی بصارت زائل کر دی جائے) تو علماء حنفیہ کے نزدیک پورا تاوان ادا کرنا واجب ہے جبکہ امام شافعیؒ اور

---

[1] بدائع الصنائع: ج ۷: ص ۳۰۸

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں مجرم پر نصف دیت عائد ہوگی، قیاس ظاہر کا تقاضا تو یہی ہے لیکن بعض علماء کہتے ہیں کہ کانے کی آنکھ کی منفعت (بصارت) دونوں تندرست آنکھوں کی منفعت کے برابر یا اس سے قریب تر ہے اس لیے مجرم پر پوری دیت واجب ہوگی۔

کیا بائیں آنکھ کا قصاص دائیں آنکھ سے لیا جائے گا؟ اس بارے میں اختلاف ہے۔

۱۔ امام ابوحنیفہؒ صاحبینؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا مؤقف یہ ہے کہ کسی بھی بائیں عضو (خواہ آنکھ ہو یا ہاتھ وغیرہ)، قصاص دائیں عضو سے نہیں لیا جائے گا اور دانت کے قصاص میں بھی مجرم کا وہی دانت توڑا جائے گا جو دانت اس نے ضرر رسیدہ کا توڑا ہے۔

۲۔ ابن شبرمہ کے نزدیک دائیں آنکھ سے بائیں کا اور بائیں آنکھ سے دائیں کا قصاص لیا جائے گا اسی طرح دونوں ہاتھ ایک دوسرے کے قصاص میں کاٹے جائیں گے اور دانت کا قصاص داڑھ سے اور داڑھ کا قصاص دانت سے لیا جائے گا۔

۳۔ حسن بن صالح کہتے ہیں، ایک ہاتھ کی انگلی کا قصاص دوسرے ہاتھ کی انگلی سے نہ لیا جائے گا لیکن ایک انگلی کا قصاص اسی ہاتھ کی دوسری انگلی سے لیا جائے گا کہ متضرر کے جس ہاتھ کی انگلی کاٹی گئی ہے اگر مجرم کے اس ہاتھ میں وہ انگلی موجود ہی نہ ہو تو اس کے ساتھ والی انگلی قصاص میں کاٹ دی جائے گی اسی طرح اگر مجرم کا وہ دانت ہی نہ ہو جو دانت اس نے مضرت رسیدہ کا توڑا ہے تو اس کے ساتھ والا دانت، خواہ داڑھ ہی کیوں نہ ہو، توڑ دیا جائے گا اسی طرح بائیں آنکھ کا قصاص دائیں آنکھ سے لیا جائے گا بشرطیکہ

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

مجرم کی بائیں آنکھ نہ ہو، لیکن دائیں اور بائیں ہاتھ کو ایک دوسرے کے عوض نہ کاٹا جائے گا۔

اس سلسلہ میں ابوبکر جصاص لکھتے ہیں: اس میں (کوئی) اختلاف نہیں کہ اگر عضو متضرر رسیدہ کا مماثل عضو مجرم کے جسم میں موجود ہو تو اس صورت میں مجنی علیہ کسی اور عضو سے قصاص کا حق نہیں رکھتا اور نہ ہی (فریقین کی) باہمی رضامندی سے کسی دوسرے عضو سے قصاص میں کاٹنے کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ارشاد خداوندی: والعین بالعین والانف بالانف والاذن بالاذن والسن (یعنی آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت) سے مراد یہ ہے کہ قصاص میں مجرم کا وہی عضو کاٹا جائے جو ضرر رسیدہ عضو کے مماثل ہو۔ پس یہ (کسی صورت) جائز نہیں کہ عضو مماثل کی بجائے کسی دوسرے عضو سے قصاص لیا جائے خواہ مجرم کے جسم میں عضو مماثل موجود ہو یا نہ ہو، کیا تم دیکھتے نہیں کہ ہاتھ کے بدلے میں پاؤں کاٹنے کی ممانعت ہر حال میں برقرار رہتی ہے خواہ مجرم کا ہاتھ موجود ہو یا نہ ہو، کیونکہ قصاص استیفاء مثل (جرم کے مماثل سزا کے اجراء) سے عبارت ہے اور چونکہ یہ (محل وقوع کے لحاظ سے مختلف) اعضاء ایک دوسرے کے مماثل نہیں ہیں لہٰذا قصاص میں ان کا کاٹنا روا نہیں۔

فقہاء کے درمیان اس امر میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ تندرست ہاتھ ناکارہ ہاتھ کے عوض نہ کاٹا جائے گا لیکن تندرست ہاتھ کا قصاص ناکارہ ہاتھ سے لینا جائز ہے کہ ارشاد خداوندی: والجروح قصاص یعنی زخموں میں قصاص ہے۔ یہ اس لیے کہ شل ہاتھ کے عوض تندرست ہاتھ کاٹنے میں مجرم کو پہنچنے والا نقصان اس کے جرم سے زیادہ ہے لیکن صحیح ہاتھ کے بدلے شل ہاتھ کاٹنا جائز ہے کہ یہ (مجنی

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

علیہ کا اپنے حق واجب سے کم پر اکتفا کرنا ہے [1]

ناک اگر ایک شخص نے کسی کے ناک کا (اگلا) نرم حصہ کاٹ لیا تو اس سے قصاص لیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الانف بالانف یعنی ناک کا بدلہ ناک ہے (یہ حکم مطلق ہے جو ناک کا پورا یا تھوڑا حصہ کاٹنے کو شامل ہے) اور اس لیے بھی کہ ناک کا نرم حصہ کاٹنے میں مماثلت کی رعایت ممکن ہے کیونکہ اس کی حد معلوم (متعین) ہے۔ لیکن نرمۂ ناک کا بعض حصہ کاٹنے میں قصاص نہیں کیونکہ اس صورت میں استیفاء مثل متعذر ہے۔ اسی طرح اگر ناک کا بانسہ کاٹ دیا تو اس میں قصاص نہ ہوگا کیونکہ وہ ہڈی ہے ابو یوسفؒ کہتے ہیں اگر اس نے پورا کاٹ لیا تو قصاص ہوگا جب کہ امام محمد اس صورت میں بھی قصاص کے قائل نہیں [2]

درحقیقت ان دونوں کی رائے میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ امام ابو یوسف کی مراد یہ ہے کہ ناک کا نرم حصہ پورا کاٹ لینے میں قصاص ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں اور امام محمد کی مراد ناک کا بانسہ پورا کاٹ لینا ہے جس میں بالاتفاق قصاص نہیں۔

ناک کا نرخرہ کاٹنے میں بقول صحیح منصفانہ معاوضہ ہے، اگر مجرم کی ناک چھوٹی ہو تو متضرر رسیدہ کو اختیار ہوگا چاہے اس کی ناک کاٹ لے یا اپنی ناک کا تاوان لے لے۔ اسی طرح اگر ناک کاٹنے والا اخشم یعنی سونگھنے کی صلاحیت سے محروم یا اخزم (بلینی بریدہ) ہو یا کوئی صدمہ پہنچنے سے اس کی ناک میں نقصان ہو تو اس صورت

---

[1] الجصاص: ج ۲: ص ۵۳۶

[2] الجصاص: ج ۲: ص ۵۳۵

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

میں مضرت رسیدہ کو اختیار ہوگا چاہے قصاص لے یا تاوان وصول کرلے [1]

کان ارشاد خداوندی: الاذن بالاذن یعنی کان کے بدلہ کان کی رو سے کان کا قصاص واجب ہے جب کہ پورا کاٹ لیا جائے کیونکہ اس صورت میں استیفاء مثل ممکن ہے اور اگر کان کا بعض حصہ کاٹ دیا تو حنفیہ کے نزدیک قصاص جاری ہوگا بشرطیکہ اس کے اجزاء اور مقدار میں مماثلت (ملحوظ رکھنا) ممکن ہو۔ مالکی علماء کہتے ہیں دونوں کان کاٹ دینے پر منصفانہ تاوان اور قوت سماعت زائل کر دینے پر پوری دیت عائد ہوگی۔ اور قوت سماعت (کے زائل ہوجانے) کی آزمائش بھی بینائی کی آزمائش کی طرح ہوگی کہ اگر متضرر نے اچانک آواز کا جواب دے دیا تو (سماعت زائل ہوجانے کے بارے میں) اس کا قول نہ مانا جائے گا اور اگر اس نے جواب نہ دیا تو پھر اس سے قسم لی جائے گی کہ میں اس شخص کی ضرب کی وجہ سے بہرہ ہوگیا ہوں تو مجرم پر دیت عائد کی جائے گی۔ قوت بصارت کے زائل ہونے کی قسم بھی اسی طرح لی جائے گی [2]

میری رائے میں آج کل اس سلسلہ میں عادل طبیب کی رائے پر اعتماد کیا جائے گا۔

اگر مجرم کا کان چھوٹا، کٹا ہوا یا پھٹا ہوا ہو اور متضرر رسیدہ کا کان بڑا یا صحیح سالم ہو تو متضرر رسیدہ کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو قصاص لے اور چاہے تو نصف دیت وصول کرلے اور اگر کاٹا جانے والا کان، مجرم کے کان سے چھوٹا ہو تو اس صورت میں منصفانہ تاوان کا فیصلہ کیا جائے گا۔

---

[1] ابن عابدین: ج ۵: ص ۵۴۳

[2] ابن عربی: ج ۲: ص ۶۲۶۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ہونٹ امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ اگر ایک شخص کسی کا بالائی یا زیریں ہونٹ کاٹ دے اور اس کے قصاص میں یکسانیت کا لحاظ رکھا جا سکتا ہو تو قصاص جاری ہوگا کرخی کا بیان ہے کہ ہونٹ اگر پورا کاٹ دیا جائے تو اس میں قصاص ہوگا کیونکہ مساوات کا اعتبار ممکن ہے[1] لیکن اگر ہونٹ کا کچھ حصہ کاٹا جائے تو اس میں قصاص (کا نفاذ) ممکن نہیں ہے۔

دونوں ہونٹ کاٹنے پر کامل دیت اور ایک ہونٹ کاٹنے پر نصف دیت واجب ہوگی اس سلسلہ میں بالائی اور زیریں ہونٹ (حکم میں) برابر ہیں۔ حضرت زید بن ثابتؓ سے مروی ہے کہ زیریں ہونٹ کاٹنے میں دو تہائی دیت اور بالائی ہونٹ میں ایک تہائی دیت واجب ہے کیونکہ بالائی ہونٹ صرف خوشنمائی کے لیے ہے جب کہ زیریں ہونٹ میں جمال بھی ہے اور لعاب روکے رکھنے کی منفعت بھی ہے[2]

ہڈی اطباء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا دانت ہڈی ہے یا نشک پٹھے کا سرا (کنارہ) ہے؟

بعض اسے ہڈی تسلیم نہیں کرتے کیونکہ یہ (جسم انسانی کی تخلیق مکمل ہونے کے بعد پیدا ہوتا اور دیا جاتا ہے۔

اس قول کی بنا پر دانت اور دیگر ہڈیوں (کے حکم) میں فرق کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ ہڈی نہیں۔ لیکن اگر دانت کو ہڈی قرار دیا جائے تو پھر اس میں اور دیگر ہڈیوں (باعتبار حکم قصاص کے) یہ فرق ہے کہ دانت کے

---

[1] ابن عابدین: ج ۵: ص ۴۰۰

[2] المبسوط: ج ۲۶: ص ۷۰

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

قصاص میں مساوات کی رعایت ممکن ہے اس طرح کہ مجرم نے دانت کو جس قدر توڑا ہے اس کے دانت کو بھی ریتی سے اتنا ہی رگڑا جا سکتا ہے[1]۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ ہڈی میں قصاص نہیں ہے، اور دانت خواہ توڑ دیا جائے یا اکھاڑ دیا جائے اس میں قصاص ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا السن بالسن یعنی دانت کا بدلہ دانت ہے۔ یہ اس لیے کہ دانت کے قصاص میں استیفاء مثل ممکن ہے بایں طور کہ مجرم کا دانت ریتی سے اتنا رگڑ دیا جائے جتنا دانت اس نے توڑا ہے اور اکھاڑنے کی صورت میں اس قدر رگڑا جائے کہ گوشت تک پہنچ جائے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر مجرم نے دانت جڑ سے اکھاڑا تو اس کی پاداش میں مجرم کا دانت بھی جڑ سے اکھاڑا جائے گا کیونکہ اس میں یکسانیت کا تحقق ممکن ہے لیکن ایک دوسرے قول کی رو سے مجرم کا دانت جڑ سے نہ اکھاڑا جائے گا (بلکہ ریتی سے رگڑا جائے گا) کیونکہ اس میں زیادتی کا احتمال پایا جاتا ہے۔

بعض اس میں فرق کرتے ہیں کہ جو شخص کسی دوسرے کا دانت اکھاڑ دے آیا قصاص میں اس کا دانت اکھاڑا جائے گا یا ریتی سے رگڑا جائے گا حتیٰ کہ گوشت تک پہنچ جائے۔ اس بارے میں دو روایتیں ہیں جیسا کہ محیط برہانی میں وضاحت کی گئی ہے کہ اگر مجرم نے دانت کا بعض حصہ توڑا ہو تو بالاتفاق اس کا دانت ریتی سے اتنا ہی رگڑا جائے گا جتنا اس نے توڑا ہے۔ لیکن اگر مجرم نے دانت جڑ سے اکھاڑ دیا تو قدوری کا بیان ہے کہ قصاص میں مجرم کا دانت جڑ سے اکھاڑنے کی بجائے ریتی سے رگڑا جائے گا حتیٰ کہ گوشت تک پہنچ جائے اور باقی حصہ (جو گوشت کے اندر ہوتا ہے) اس کا قصاص ساقط ہو جائے گا علامہ سرخسی کا میلان اسی طرف ہے۔

---

[1] الزیلعی، ج ۶، ص ۱۱۱

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

شیخ الاسلام اپنی شرح میں لکھتے ہیں کہ مجرم کا دانت بھی قصاص میں جڑ سے اکھاڑا جائے گا۔

امام محمد نے الجامع الصغیر میں اسی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ انہوں نے نزع کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جو قلع، یعنی اکھاڑنا کا مترادف (ہم معنی) ہے۔ اور زیادات میں تو اکھاڑنے کی تصریح آئی ہے ابن عابدین اس سلسلہ میں کہتے ہیں: ریتی سے رگڑنے کا قول صاحب کافی نے اختیار کیا ہے ہدایہ کے شارحین بھی اسی طرف گئے ہیں اور اس قول کو الذخیرہ، اور المبسوط کی طرف منسوب کیا ہے۔ الجوہر اور التبیین، میں بھی انہی کی پیروی کی گئی ہے اور قصاصاً دانت اکھاڑنے کے قول سے مطلقاً تعرض ہی نہیں کیا گیا بلکہ اس کی نفی کی گئی ہے حالانکہ ہدایہ میں آیا ہے: اگر مجرم نے جڑ سے دانت اکھاڑا تو اس کا دانت بھی اکھاڑا جائے گا تاکہ (جرم و سزا میں) یکسانیت ہو جائے۔ ایسا لگتا ہے ہدایہ کے شارحین نے اس قول کو پسند نہیں کیا لیکن "مختصر الوقایہ" "الملتقی" "الاختیار" اور "الدرر" وغیرہ کتابوں میں اسی قول کو اپنایا گیا ہے۔ اور الطوری نے "محیط" سے نقل کیا ہے کہ اس مسئلہ میں دو روایتیں ہیں۔ اور بعض نے المقدسی کا یہ قول روایت کیا ہے کہ جب جڑ سے دانت اکھاڑنا مشکل ہو جیسے مجرم کے دانت اس طرح باہم ملے ہوئے ہوں کہ ایک کو اکھاڑنے سے دوسرے کے اکھڑ جانے یا مسوڑھے خراب ہو جانے کا اندیشہ ہو، تو خاص ایسی صورت میں ریتی سے رگڑ کر قصاص نافذ کرنا چاہیے، میں (ابن عابدین) کہتا ہوں اس کی تائید "خلاصہ" کے حوالے سے شرح مسکین کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے کہ قصاص میں دانت جڑ سے اکھاڑنا مشروع اور جائز ہے۔ اور ریتی سے رگڑنا احتیاط پر مبنی ہے [1]

---

[1] ابن عابدین، جلد ۵، صفحہ ۵۴۵۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اگر دانت کا قصاص لینا ممکن نہ ہو تو ہر دانت کا تاوان پانچ اونٹ یا پانچ گائیں واجب ہو گا۔ اگر ایک شخص نے دوسرے کے دانت پر ضرب لگائی جس سے اسکا دانت ہل گیا تو ایک سال تک اس کا انتظار کیا جائے گا (یعنی قصاص ملتوی رکھا جائے گا) کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے "یستانی بالجراح حتی تبرأ" یعنی زخم مندمل ہونے تک انتظار کیا جائے گا' اس انتظار کی مدت ایک سال اس لیے مقرر کی گئی ہے کہ اس عرصہ میں ضرر رسیدہ دانت کی حالت واضح ہو جائے گی کہ یا وہ گر جائے گا یا (اپنی جگہ) دوبارہ جم جائے گا۔ اس بارے میں ضرر رسیدہ (شخص) کا بڑا اور چھوٹا ہونا برابر ہے' یہ امام ابوحنیفہ کی رائے ہے کیونکہ دانت دوبارہ جم جانے کا احتمال (چھوٹے اور بڑے) دونوں میں یکساں ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک اگر مضروب چھوٹا ہو تو انتظار کیا جائے گا ورنہ نہیں کیونکہ بظاہر بڑے شخص کا دانت ایک بار ہل جانے کے بعد جمتا نہیں۔ امام محمدؒ کہتے ہیں اگر دانت صرف ہل جائے تو انتظار کیا جائے گا لیکن اگر ساقط ہو جائے تو پھر انتظار نہ ہو گا (بلکہ فوراً قصاص لیا جائے گا) کیونکہ ہلتا ہوا دانت تو دوبارہ جم جانے کا احتمال ہے لیکن ایک بار ساقط ہو جانے کے بعد (بڑے شخص) کا دانت دوبارہ پیدا نہیں ہوتا۔

زبان زبان کاٹ دینے میں پوری دیت واجب ہو گی کیونکہ اس کی منفعت گویائی زائل ہو گئی جو کہ انسان اور حیوان میں مابہ الامتیاز ہے اور بندے پر اللہ تعالیٰ کا (بہت بڑا) احسان ہے فرمایا: خلق الانسان علمہ البیان یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا اور اس کو بیان (نطق) سکھایا اور یہ اس لیے کہ انسان دوسروں کو اپنی غرض سے آگاہ کیے بغیر اپنے مصالح کی تکمیل و حفاظت نہیں کر سکتا اور زبان کاٹ دینے سے یہ

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

قوت زائل ہو جاتی ہے (لہٰذا پوری دیت واجب ہوگی) اسی طرح اگر زبان کا بعض حصہ کاٹنے سے (قوت) گویائی جاتی رہے تو پوری دیت عائد ہوگی کیونکہ دیت کا وجوب کسی عضو کی ظاہری شکل بگاڑ دینے کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کی منفعت مقصودہ ضائع کر دینے کی بنا پر ہے اور زبان کی منفعت گویائی ہے جو بعض حصہ کاٹنے سے ختم ہو گئی (لہٰذا پوری دیت واجب الادا ہوگی) زبان کا قصاص لینے میں فقہاء کا اختلاف ہے اور اس میں قصاص سے باز رہنے کی علت یہ ہے زبان کا (بوجہ سکڑنے اور پھیلنے کے) پورا پورا قصاص لینا مشکل ہے اگر اس (مقدار جرم و سزا) میں مماثلت کا لحاظ رکھنا ممکن ہو تو پھر قصاص ہوگا۔ چنانچہ زبان کا بعض حصہ کاٹ دینے میں قصاص نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں استیفاء مثل ممکن نہیں اور اگر پوری زبان (جڑ سے) کاٹ ڈالی تو بعض فقہاء کے نزدیک قصاص نہ لیا جائے گا کیونکہ زبان سمٹتی اور پھیلتی رہتی ہے جس کی وجہ سے استیفاء قصاص میں مماثلت کی رعایت ممکن نہیں امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اس صورت میں قصاص کا نفاذ ہوگا کیونکہ پوری زبان (جڑ سے) کاٹنے میں مساوات کا اعتبار ممکن ہے۔ لہٰذا نفاذ قصاص سے جرم و سزا میں یکسانیت ہو جائے گی۔

اگر تھوڑی سی زبان کاٹنے سے کسی قدر گویائی جاتی رہی تو منصفانہ عدالتی تاوان واجب ہوگا کیونکہ زبان کی منفعت مقصودہ پوری طرح ضائع نہیں ہوئی یہ بھی کہا گیا ہے کہ پوری دیت کو تمام حروف ہجا یا صرف زبان سے متعلق حروف کی تعداد پر تقسیم کر دیا جائے گا جو کہ یہ ہیں: 'ت'، 'ث'، 'ج'، 'د'، 'ذ'، 'ر'، 'ز'، 'س'، 'ش'، 'ص'، 'ض'، 'ط'، 'ظ'، 'لام'، 'ن'، 'ی'، جس قدر حروف ادا کرنے

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

سے وہ قاصر ہوگا اسی کے مطابق تاوان عائد ہوگا۔

اس (تقسیم دیت) میں حروف حلقی، ء، ھ، ع، غ، ح، خ اور حروف شفوی، ی، م، و، کو کوئی دخل (اعتبار) نہیں" اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر زبان بریدہ شخص بیشتر الفاظ ادا کرنے پر قادر ہے تو اس کا تاوان حکومت عدل (منصفانہ فیصلہ) کی رو سے طے ہوگا کیونکہ وہ افہام مدعا کر سکتا ہے اگرچہ ناقص طور پر ہو، لیکن اگر وہ زیادہ تر الفاظ ادا کرنے سے قاصر ہو تو پوری دیت واجب ہوگی کیونکہ ظاہر ہے کہ افہام مدعا کی قوت باقی نہ رہی۔ اور اس بارے میں دلیل یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے سامنے ایک ایسا مقدمہ پیش ہوا آپؓ نے پوری دیت کو حروف کی تعداد پر تقسیم فرما دیا اور مضرت رسیدہ جس قدر حروف کو ادا کرنے سے عاجز رہا ان کے حساب سے تاوان واجب کر دیا[1]

گونگے کی زبان

گونگے شخص کی زبان قطع کر ڈالنے میں منصفانہ تاوان واجب ہے۔ امام نخعی کے نزدیک اس میں (پوری) دیت ہے ان کے جواب میں یہ کہا جائے گا کہ جب آپ نے (گونگے کی زبان کاٹنے میں) قصاص ساقط کر دیا ہے تو اب صرف حکومت عدل (منصفانہ تاوان) ہی باقی رہ جاتا ہے کیونکہ دیت تو قصاص کا قرینہ ہے لہٰذا سقوط قصاص کے ساتھ ہی دیت بھی ساقط ہو جائے گی اور صرف منصفانہ عدالتی تاوان ہی واجب ٹھہرے گا۔

بچے کی زبان کا تاوان

اگر ایسے (شیر خوار) بچے کی زبان کاٹ دی جائے جس کی قوت گویائی ابھی ظاہر نہیں ہوئی بلکہ اس

---

[1] الزیلعی، جلد ۶ صفحہ ۱۲۹، بدائع الصنائع، جلد ۷ صفحہ ۳۱۱۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

نے ہنوز صرف (پیدائش کے وقت) رونے کی آواز نکالی ہے تو اس کا تاوان حکومت عدل (منصفانہ عدالتی فیصلہ) کی بنا پر طے ہوگا کیونکہ اس کی صلاحیت نطق کسی قطعی دلیل (کلام) سے معلوم نہیں ہوئی (اور رونا تو محض آواز ہے جس سے زبان کی صحت معلوم نہیں ہوتی) لیکن اگر بچہ (کی قوت گویائی ظاہر ہو جائے کہ وہ کلام کرتا ہو تو پھر اس کی زبان کاٹ دینے میں پوری دیت واجب ہوگی۔

امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ (ننھے بچے کی) زبان کاٹنے میں قصاص نہیں خواہ پوری زبان کاٹ دی جائے یا اس کا کچھ حصہ جبکہ امام ابویوسف کے نزدیک پوری زبان کاٹ دینے کی صورت میں قصاص نافذ ہوگا اور ابن عابدین کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہی صحیح ہے [1]

عضو تناسل

حشفہ (سپاری) کاٹ ڈالنے میں قصاص ہے کیونکہ اس کی (قطع) کی حد معلوم ہے لہٰذا استیفاء مثل ممکن ہے لیکن اگر حشفہ یا عضو تناسل کا کچھ حصہ کاٹا گیا تو اس کا قصاص نہیں ہے کیونکہ اس (قطع کردہ ٹکڑے) کی مقدار معلوم نہ ہونے کے باعث قصاص لینے میں مماثلت کی رعایت ممکن نہیں یہ ایسا ہے جیسے زبان کا کچھ حصہ کاٹنے میں قصاص نہیں۔

اگر عضو تناسل کو جڑ سے کاٹ دیا گیا تو بعض (فقہاء) کا بیان ہے کہ اس میں قصاص نہیں کیونکہ یہ عضو سکڑتا اور پھیلتا ہے جس کی وجہ سے بدلہ لینے میں مماثلت کا لحاظ رکھنا ممکن نہیں۔

امام ابویوسف کے نزدیک اس صورت میں قصاص جاری ہوگا کیونکہ جڑ سے کاٹ ڈالنے میں مماثلت کی رعایت کرتے ہوئے استیفاء قصاص ممکن ہے۔

---

[1] الزیلعی، جلد ۶ صفحہ ۱۱۲، جلد ۵ صفحہ ۱۱۹، نیز دیکھئے فتح القدیر، جلد ۸ صفحہ ۲۸۴۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

عضو تناسل کاٹنے کے مجرم پر پوری دیت عائد ہوگی کیونکہ اس صورت میں مضرت رسیدہ متعدد فائدوں سے محروم ہوگیا مثلاً جماع کرنا، اولاد پیدا کرنا، پیشاب کا روکنا، خارج کرنا اور اس طرح سے جماع کرنا جو (بالعموم) استقرار حمل کا باعث ہوتا ہے۔

اسی طرح صرف حشفہ کاٹنے پر بھی پورا تاوان عائد ہوگا کیونکہ جماع اور مادہ تولید کے اچھل کر نکلنے کا اصل انحصار حشفہ پر ہے اور عضو تناسل کا بقیہ حصہ بمنزلہ اس کے تابع کے ہے۔

(فتاویٰ) ابن عابدین میں ہے: حشفہ کے علاوہ (عضو مخصوص کا بقیہ حصہ) کاٹنے میں قصاص نہیں لیکن قاضیخان نے عضو تناسل کو جڑ سے کاٹ ڈالنے کی صورت میں لزوم قصاص کا قطعی حکم (بیان) کرتے ہوئے کہا ہے: اگر ایک شخص نے دوسرے کی (پوری) زبان کاٹ دی تو اصل (قول) یہ ہے کہ اسمیں قصاص نہیں اور ابو یوسف کہتے ہیں کہ زبان کا کچھ حصہ کاٹنے میں قصاص ہے خانیہ (فتاویٰ قاضیخان) میں ہے اور عضو تناسل کو عمداً جڑ سے قطع کر دینے کی صورت میں قصاص ہے اور اگر اسے درمیان سے کاٹ دیا گیا تو قصاص نہیں۔ یہ عام آدمی کا عضو تناسل کاٹنے کا حکم ہے، خصی اور عنین (قوت مردمی سے محروم شخص) کا عضو مخصوص کاٹنے میں منصفانہ تاوان واجب ہے۔

نومولود (بچے) کا عضو تناسل اگر حرکت کرتا ہو تو اس کو عمداً کاٹنے پر قصاص اور خطأً کاٹنے پر تاوان واجب ہے لیکن اگر حرکت نہ کرتا ہو تو پھر اس میں حکومت عدل (منصفانہ تاوان) ہے اور زبان کاٹ ڈالنے میں قصاص نہیں ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اس پر ابن عابدین کی تعلیق یہ ہے کہ جیسا کہ تم دیکھتے ہو (مصنف نے) زبان اور عضو تناسل میں (وجوب قصاص کے لحاظ سے) فرق کیا ہے اور شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ زبان کو جڑ سے مکمل طور پر کاٹنا دشوار ہے بخلاف عضو تناسل کے (جسے جڑ سے بآسانی کاٹا جا سکتا ہے) لیکن خود قاضی خان نے ہی جامع صغیر کی شرح میں عضو تناسل اور زبان (دونوں کے بارے میں) امام ابو یوسف کی روایت نقل کرتے ہوئے امام صاحب کے قول کو ہی صحیح قرار دیا ہے۔ اور کہا ہے کہ نومولود کا عضو مخصوص اگر حرکت کرنے کے قابل ہو (تو اس میں قصاص ہے) اور اگر عضو تناسل کو عمداً جڑ سے کاٹ دیا گیا تو اس بارے میں روایات مختلف ہیں۔ بشر نے امام ابو یوسف سے وجوب قصاص کا قول نقل کیا ہے اور امام محمدؒ نے امام ابو حنیفہؒ سے نفی قصاص کا قول روایت کیا ہے [1]

عورت کے پستان

عورت کے پستان تلف کرنے میں قصاص نہیں کیونکہ اس میں استیفاء مثل ناممکن ہے البتہ پستانوں کی بھٹنیاں کاٹنے میں قصاص جاری ہوگا کیونکہ اس کی حد معلوم ہے لہٰذا قصاص میں مماثلت ملحوظ رکھنا ممکن ہے جیسا کہ ہونٹ کے معاملہ میں ہے۔

عورت کے دونوں پستان کاٹنے میں پوری دیت واجب ہے کیونکہ اس سے منفعت رضاعت مکمل طور پر ضائع ہو جاتی ہے۔ بخلاف اس کے مرد کے پستانوں کو تلف کرنے میں (دیت نہیں) بلکہ منصفانہ تاوان ہے۔ کیونکہ اس سے جنس منفعت یا جمال کلیۃً تلف کرنا لازم نہیں آتا۔

---

[1] ابن عابدین: ج ۵: ص ۴۷۵: شرنبلالی الوہبانیہ کی شرح میں کہتے ہیں: فتویٰ اس پر ہے کہ زبان اور عضو تناسل (کاٹنے میں قصاص نہیں ہے

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

عورت کی بھٹنیاں کاٹنے میں پوری دیت اور ایک میں نصف دیت واجب ہوگی کیونکہ اس سے دودھ پلانے اور روکنے کی پوری منفعت ختم ہوجاتی ہے کہ اگر پستانوں کی بھٹنیاں نہ ہوں تو بچہ کے لیے دودھ چوسنا مشکل ہوجاتا ہے۔

بال سر کے بال مونڈنے یا تراشنے (کترنے) اور بھویں، مونچھیں اور داڑھی کے بال کاٹنے میں قصاص نہیں ہے خواہ یہ بال کاٹنے یا اکھاڑنے کے بعد دوبارہ نہ بھی نکلیں۔ کیونکہ بال تراشنے کی تو حد ہی متعین نہیں جہاں سے قصاص لیا جاسکے اور (جڑ سے) کاٹنے یا اکھاڑنے کی صورت میں منبت (یعنی بال اگنے کے مقام) کو بچاتے ہوئے صرف بالوں کو قصاص میں مونڈنا یا اکھاڑنا دشوار ہے۔ کہ ہوسکتا ہے قصاص لیتے وقت مجرم کے بالوں کا منبت ہی خراب ہوجائے (جو زیادتی ہوگی)

نوادر میں بیان کیا گیا ہے کہ اگر بال مونڈنے کے بعد دوبارہ نہ اگیں تو اس صورت میں قصاص عائد ہوگا۔

اگر ایک آدمی نے کسی شخص کے سر کے بال اس طرح اتار دیئے کہ اس کا منبت (ہی) خراب ہوگیا (یعنی بال دوبارہ نکلنے کے قابل نہ رہے) تو اس پر کامل دیت واجب ہوگی اس معاملہ میں مرد اور عورت کا حکم یکساں ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک سر کے بال کاٹنے میں منصفانہ تاوان ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر داڑھی کے بال کاٹنے کے بعد دوبارہ نہ نکلیں تو پوری دیت واجب ہوگی اس سلسلہ میں ان کی دلیل حضرت علیؓ کی حدیث ہے جو (حکماً) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مرفوع کی مانند ہے کیونکہ رائے اس کا ادراک نہیں کرسکتی اور اس کا مدعا یہ ہے کہ (داڑھی مرد کے لیے خوشنمائی کا موجب ہے اور) مجرم نے (داڑھی کے بال کاٹ کر) حضرت رسیدہ کا پورا جمال مٹا دیا ہے لہٰذا

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اسے پوری دیت ادا کرنا ہوگی جیسا کہ کسی عضو کا پورا جمال تلف کرنے سے پوری دیت لازم آتی ہے۔

امام شافعی اور امام مالک کا موقف یہ ہے کہ داڑھی کے بال مونڈ دینے میں منصفانہ تاوان عائد ہوگا کیونکہ یہ بال انسانی وجود کی خلقت مکمل ہونے کے بعد بدن سے نکلتے ہیں (اور فالتو ہیں) اس لیے ان کے کاٹنے میں پوری دیت واجب نہ ہوگی جیسا کہ سینے اور پنڈلی کے بالوں میں ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ (داڑھی کے) بال کاٹنے سے پوری منفعت ضائع نہیں ہوتی بلکہ صرف کسی قدر خوشنمائی جاتی رہتی ہے کہ مضرت رسیدہ کے چہرے پر ایک قسم کا عیب لگ جاتا ہے۔

چنانچہ بعض علاقوں میں لوگ خود اپنا سر اور داڑھی منڈاتے ہیں اس لیے ان بالوں کے کاٹنے میں پوری دیت واجب نہ ہوگی۔

امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک ابرو کے بال کاٹنے میں بھی حکومت عدل کی بناء پر تاوان کا فیصلہ ہوگا کیونکہ ان کا اصول یہ ہے کہ کسی بھی حصہ جسم کے بال کاٹنے میں پوری دیت لازم نہیں آتی (اس کے برعکس) حنفیہ کے نزدیک ابرو کے بال کاٹنے میں بھی پوری دیت ہے کیونکہ اس سے انسان کا جمال کلیۃً ختم ہو جاتا ہے۔

ثانیاً: اتلاف صلاحیت عضو مع بقائے صورت (یعنی اعضاء کے منافع)

مقصودہ کو ضائع کر دینا مثلاً کان کی قوت سماعت، آنکھ کی بصارت، ناک کی سونگھنے کی قوت، منہ کی قوت ذائقہ، قوت گویائی، عضو تناسل کی قوت جماع جو تولد کا ذریعہ ہوتی ہے، ہاتھ کی قوت گرفت اور پاؤں کی قوت رفتار کا ضائع ہو جانا، یا دانتوں کا رنگ سیاہ، سرخ یا سبز ہو جانا اور اس کی مثل تغیرات جو اعضاء کی

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ظاہری صورت اپنی جگہ قائم رہتے ہوئے پیدا ہو جائیں نیز قوت عقل کا زائل ہو جانا بھی اسی قسم میں داخل ہے۔

ان میں سے کسی صورت میں بھی قصاص واجب نہیں بلکہ دیت ہے کیونکہ مماثلت کی رعایت ممکن نہیں کہ مجرم کو ضرب پہنچا کر عضو کو باقی رکھتے ہوئے اس کی صلاحیت کا اتلاف ناممکن ہے پس استیفاء مثل متعذر ہونے کے باعث قصاص نہیں لیا جا سکتا۔

اسی طرح اگر کسی شخص نے ایک آدمی کے ہاتھ یا پاؤں کو ضرب پہنچا کر شل کر دیا تو اس پر قصاص نہ ہوگا کیونکہ مجرم کو ہاتھ یا پاؤں ناکارہ کر دینے والی ضرب لگا کر جرم کے مماثل سزا کا اجراء ممکن نہیں ہے۔ [1]

(اعضاء کی صلاحیت تلف کرنے پر وجوب تاوان کے سلسلہ میں) دلیل یہ روایت ہے کہ حضرت عمرؓ ایک ایسے شخص کے بارے میں جس کے سر پر ضرب لگنے کی وجہ سے اس کی عقل، قوت گویائی، سماعت اور بصارت (چاروں قوتیں) جاتی رہیں، مجرم پر چار دیتوں کا فیصلہ فرمایا — کیونکہ اس نے ان (چاروں) اعضاء کے منافع مقصودہ مکمل طور پر ختم کر دیئے ہے۔

قوت عقل تو ایسی چیز ہے کہ اس کے زائل ہونے سے تمام اعضاء جسم کے (جملہ) منافع فوت ہو جاتے ہیں کیونکہ (استعمال) عقل کے بغیر کسی بھی عضو بدن سے کوئی منفعت حاصل کرنا ممکن نہیں ہے اور رہی سننے، دیکھنے، بولنے، سونگھنے، چکھنے، مباشرت کرنے اور اولاد پیدا کرنے کی صلاحیتیں تو ان میں سے ہر ایک قوت منفعت مقصودہ ہے اور مجرم نے ان سب (منافع) کو تلف کر دیا ہے۔

---

[1] بدائع الصنائع، جلد ۷، صفحہ ۳۰۹۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اگر ایک شخص نے کسی مرد یا عورت کے سر پر مارا جس سے اس کے سر کے بال جھڑ گئے یا اس مرد کی داڑھی کے بال مونڈ دیئے یا اکھاڑ ڈالے یا عورت کے بال اکھاڑ دیئے اور وہ بال دوبارہ نہ پیدا ہوئے تو مظلوم کے آزاد (غیر مملوک) ہونے کی صورت میں حنفیہ کے نزدیک مجرم پر تاوان عائد ہوگا کیونکہ مرد و عورت کے سر کے بال اور مرد کی داڑھی میں اس کا پورا جمال پایا جاتا ہے حضرت علی سے روایت ہے کہ اگر سر کے بال اس طرح مونڈ دیئے جائیں کہ دوبارہ اگنے کے قابل نہ رہیں تو پوری دیت واجب ہوگی۔ اسی طرح آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ اگر مرد کی داڑھی اس طرح مونڈ دی جائے کہ دوبارہ نہ اُگے تو مجرم پر (مکمل) تاوان عائد ہوگا۔

امام شافعی کے نزدیک اس (سر اور داڑھی کے بال مونڈنے) میں حکومت عدل (یعنی منصفانہ تاوان) ہے۔ کیونکہ (اصلاً) مکمل دیت تو صرف اتلاف نفس کی صورت میں واجب ہوتی ہے کہ دیت نفس کا بدل ہے البتہ شریعت نے (کسی عضو کی) جنس منفعت زائل کر دینے پر جیسے دونوں ہاتھ یا دونوں پاؤں کاٹ دینے پر مکمل تاوان عائد کیا ہے کیونکہ جنس منفعت کا اتلاف ایک پہلو سے خود نفس ہی کو تلف کر دینا ہے اور (سر یا داڑھی کے) بال مونڈنے میں یہ چیز نہیں پائی جاتی لہٰذا اس بارے میں حکم اپنی اصل صورت پر برقرار رہے گا اور یہی وجہ ہے کہ پورے جسم کے بال کاٹ دینے میں کچھ واجب نہیں ہوتا۔[1]

---

[1] بدائع الصنائع، جلد ۷، صفحہ ۳۱۲۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اتلاف صلاحیت کا ثبوت

آنکھ کی بینائی تلف ہو جانے کی (حقیقی) پہچان اطباء (ہی) کو حاصل ہو سکتی ہے لہٰذا اس بارے میں دو (ماہر اور) عادل ڈاکٹروں کی رائے حجت (قابل اعتماد) قرار پائے گی۔

ایک قول یہ ہے کہ (اگر ضرر رسیدہ اپنی بصارت زائل ہو جانے کا دعوٰے کرے تو) اس کی آنکھ کھول کر سورج کے سامنے کی جائے اگر آنسو بھر آئیں تو بصارت قائم ہے ورنہ نہیں۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے آگے سانپ ڈالا جائے اگر وہ (گھبرا کر) بھاگے تو آنکھ کی روشنی برقرار ہے اور اگر نہ بھاگے تو سمجھنا چاہیے کہ بینائی جاتی رہی۔

قوت سامعہ تلف ہونے کی پہچان کا طریقہ یہ ہے کہ اس شخص کو غفلت کی حالت میں (اچانک) آواز دی جائے اگر وہ (چونک کر) جواب دیدے تو معلوم ہو جائے گا کہ وہ سن سکتا ہے ورنہ اس کی سماعت زائل ہو جانے کا فیصلہ کیا جائے گا۔

(قاضی) اسماعیل بن حماد کے بارے میں روایت ہے کہ ایک عورت ان کی عدالت میں (تبکلف) بہری بن گئی اور دعویٰ کیا کہ وہ سن نہیں سکتی قاضی صاحب اس کی طرف سے توجہ ہٹا کر اپنے کاروبار عدالت میں مصروف ہو گئے پھر اچانک اس سے کہا: "اپنا ستر ڈھانپ" وہ چونک پڑی اور جلدی سے اپنے کپڑوں کو سمیٹنے لگی جس سے اس کا جھوٹ (مکر) کھل گیا۔ [1]

---

[1] فتاویٰ ابن عابدین میں ہے۔ بعض فقہاء کا کہنا ہے کہ اس (اتلاف سماعت) کی پہچان دو اہل علم افراد کی رائے اور خبر کے ذریعہ ہوگی۔ نیز دیکھیے الشرنبلالیہ بر ملا خسرو، جلد ۲ صفحہ ۱۰۷۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

قوت ذائقہ کی پہچان اس طرح ہوگی کہ ضرور سیدہ کو شیرینی کھلانے کے بعد سخت کڑوی چیز دی جائے (اور معلوم کیا جائے کہ اس نے ذائقہ پورے طور پر محسوس کیا ہے یا نہیں ؟)

عمومی طور سے آج کے دور میں (جملہ صلاحیات اعضاء کی پہچان کے سلسلہ میں) عادل ڈاکٹروں سے مدد لی جا سکتی ہے۔

ثالثاً شجاج شجاج جیسا کہ کتب فقہ میں مذکور ہے شجہ کی جمع ہے اور شجہ وہ زخم ہے جو سر اور چہرہ پر آئے (یا ان مقامات پر آئے جہاں سر اور چہرے کی ہڈی ہوتی ہے جیسے پیشانی، رخساروں کا بالائی حصہ، کنپٹی ٹھوڑی اور جبڑے کا وہ حصہ جو رخساروں کے نیچے ہے) شجہ کی حسب ذیل اقسام ہیں:

۱۔ حارصہ وہ زخم جو جلد میں خراش پیدا کر دے لیکن اس سے خون نہ بہے، یہ (نام) عربی کے مقولہ "حرص القصار الثوب" سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں دھوبی نے کپڑا کوٹتے ہوئے پھاڑ دیا۔

۲۔ دامعہ ایسا زخم جو آنسوؤں کی طرح خون کو ظاہر کر دے مگر خون اپنی جگہ سے بہے نہیں اس شجہ کا نام "دمع" بمعنی آنسو سے ماخوذ ہے کیونکہ اس سے خون اس قدر نمایاں ہوتا ہے جس قدر آنکھ سے آنسو، یا اس لیے کہ اس زخم سے پہنچنے والے درد (تکلیف) کے سبب مجروح کی آنکھ اشکبار ہو جاتی ہے۔

محیط میں ہے۔ دامعہ وہ شجہ ہے جس سے آنسوؤں کے مشابہ (خون یا کوئی اور سیال) باہر نکل آتا ہے اور یہ نام "دمع العینین" بمعنی آنکھوں کے آنسو سے ماخوذ ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

۳۔ دامیہ جس زخم سے خون نکل کر جاری ہو جائے۔ مرغینانی کہتے ہیں کہ دامیہ وہ زخم ہے جس سے خون (باہر) آتو جائے لیکن بہے نہیں اور یہی (رائے) صحیح ہے اور کہا گیا ہے کہ اس شجہ کا تاوان ایک اونٹ ہے۔

۴۔ باضعہ ایسا زخم جو جلد کو کاٹ دے۔ یہ لفظ "بضع" سے ماخوذ ہے جو عربی زبان میں کاٹنے اور پھاڑنے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے "مبضع" جراح کے نشتر کو کہتے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ اس شجہ کا تاوان دو اونٹ ہیں۔

۵۔ متلاحمہ وہ زخم جس سے گوشت کٹ جائے لیکن اس کے بعد گوشت مل جائے اور کٹی ہوئی جگہ باہم جڑ جائے اور کٹے ہوئے گوشت کے مآل کار باہم جڑ جانے کے اعتبار سے ہی اس زخم کا نام متلاحمہ رکھا گیا ہے۔ امام محمد سے روایت ہے کہ انہوں نے شجہ متلاحمہ کو شجہ باضعہ سے پہلے قرار دیا۔ کیونکہ متلاحمہ "التحم الشیئان" (یعنی دو چیزوں کا باہم جڑ جانا) سے ماخوذ ہے جبکہ دو چیزوں میں سے ہر ایک دوسری سے جڑ جائے لہٰذا متلاحمہ وہ زخم ہوگا جو جلد کے نیچے گوشت کو ظاہر تو کر دے لیکن کاٹے نہیں اور باضعہ کا درجہ اس کے بعد آئے گا کیونکہ اس میں گوشت بھی کٹ جاتا ہے لیکن ظاہر الروایۃ کی رو سے متلاحمہ وہ زخم ہے جو گوشت کے بیشتر حصہ کو کاٹ دے اور اس کا نمبر باضعہ کے بعد آتا ہے۔

الازہری کہتے ہیں۔ اس کی توجیہ یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ متلاحمہ وہ شجہ ہے جس سے گوشت کٹ جائے اور شجاج کے بارے میں جو اختلاف پایا جاتا ہے وہ (دراصل ان ناموں کے) ماخذ اشتقاق کی طرف راجع ہے نہ کہ حکم کی جانب (یعنی اس سے اختلاف معنی یا حکم نہیں پیدا ہوتا۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

حضرت زید بن ثابت سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ شجہ دامیہ میں ایک اونٹ، باضعہ میں دو اونٹ اور متلاحمہ میں تین اونٹ (بطور تاوان) واجب ہیں۔

۶۔ سمحاق وہ زخم جو (گوشت کو کاٹ کر) سر کی ہڈی اور گوشت کی درمیانی جھلی سمحاق تک پہنچ جائے۔ اسی سے باریک ہڈی کو سماحیق کہتے ہیں اس شجہ کا تاوان چار اونٹ ہے۔

۷۔ موضحہ ایسا زخم جو اتنا گہرا ہو کہ جلد گوشت اور سمحاق تینوں کو کاٹنے کے بعد) ہڈی کو بھی ظاہر کر دے۔

شجہ موضحہ کے محل وقوع کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے امام مالک کہتے ہیں کہ زخم موضحہ کا محل صرف سر، دونوں رخسار اور بالائی جبڑہ ہے۔ نچلے جبڑے کا زخم موضحہ نہیں قرار پاتا کیونکہ وہ گردن کے حکم میں ہے۔ اسی طرح ناک بھی جراحت موضحہ کا محل نہیں ہے۔

امام شافعی اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک موضحہ پورے چہرے، سر (پیشانی ٹھوڑی اور جبڑے کی (بھری ہوئی ہڈیوں تک پہنچنے والے گہرے) زخم کو کہتے ہیں۔

جمہور کے نزدیک (سر اور چہرے کے علاوہ) باقی جسم میں جراحت موضحہ نہیں ہوتی جبکہ پیٹ اور ایک گروہ کے خیال میں پہلو میں ایسا زخم (جو ہڈی کھول دے) موضحہ ہوتا ہے۔ اوزاعی کہتے ہیں کہ جسم میں پہنچائی جانے والی جراحت موضحہ کا تاوان سر اور چہرے پر لگنے والے شجہ موضحہ سے نصف ہو گا اور فقہاء کے نزدیک خطأً لگائے جانے والے زخم موضحہ کا تاوان پانچ اونٹ ہے جبکہ عمداً جراحت موضحہ لگانے والے سے قصاص لیا جائے گا کیونکہ مساوات

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کا اعتبار ممکن ہے کہ اس میں صرف گوشت پر عمل کرنا ہوگا ہڈی پر نہیں اور اتلاف جان سے کم درجے کی زیادتی میں اگر مساوات کی رعایت ممکن ہو تو قصاص واجب ہو جاتا ہے۔

موضحہ سے کم درجے کے زخم اگر خطاء ہوں تو ان کے تاوان کا فیصلہ عادلانہ تشخیص (حکومت عدل) کی بناء پر کیا جائے گا اور امام ابوحنیفہ سے حسن کی روایت کے مطابق ان (موضحہ سے کم درجے کے زخموں میں) عمد کی صورت میں بھی منصفانہ تاوان ہی عائد ہوگا کیونکہ ان زخموں میں قصاص واجب نہیں ہے اس لیے کہ مقدار زخم میں مساوات کا لحاظ رکھنا متعذر ہے کہ ہو سکتا ہے فعل سزا کا اثر فعل جرم کے اثر سے زیادہ دیر باقی رہے۔

اور ظاہر الروایۃ میں ہے کہ موضحہ سے پہلے کی جراحات میں قصاص عائد ہوگا کیونکہ ان زخموں کا محل زیادہ تر جلد ہی میں ہوتا ہے اور ان (کے قصاص) میں مساوات کی رعایت بایں طور ممکن ہے کہ آلہ زخم پیما سے ان زخموں کی گہرائی کا اندازہ کرنے کے بعد ایک دھار دار آلہ سے اسی قدر کاٹا جا سکتا ہے جس قدر مجرم نے زخم لگایا تھا۔

ان زخموں میں حکومت عدل (منصفانہ تاوان) کا وجوب امام نخعی اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے مروی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ موضحہ سے کم درجے کے زخم بمنزلہ خراش کے ہیں لہٰذا ان میں منصفانہ عدالتی تاوان واجب ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ حضرت علی نے شجہ سمحاق میں چار اونٹ کا فیصلہ فرمایا تھا اور یہ روایت اس امر پر محمول ہے کہ تاوان کی یہ مقدار

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

حکومت عدل (منصفانہ تشخیص) کی رو سے تھی۔ [1]

ابو بکر بن سلیمان بن ابی خیثمہ اپنی دادی سے روایت کرتے ہیں کہ ابو جہم نے ایک شخص کو موضحہ زخم لگایا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر پانچ اونٹ تاوان عائد فرمایا۔

۸۔ ہاشمہ یہ وہ زخم ہے جس سے ہڈی میں کسر واقع ہو جاتا ہے (لیکن وہ اپنی حالت پر قائم رہتی ہے۔) ہاشمہ میں جمہور کے نزدیک دیت کا دسواں حصہ (دس اونٹ) واجب ہے یہ حضرت زید بن ثابت رضؓ سے مروی ہے اور کسی صحابی نے اس سلسلہ میں آپ کی مخالفت نہیں کی۔

۹۔ منقلہ ایسا زخم جو ہڈی کو توڑ کر اپنی جگہ سے ہٹا دے۔ مصباح میں آیا ہے:

اولیٰ یہ ہے کہ (لفظ منقلہ) اسم مفعول کا صیغہ ہو۔

اور ابن سکیت نے اسے اسی طرح منضبط کیا ہے۔

اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ شجہ منقلہ اگر عمداً لگایا گیا ہو تو اس کا تاوان دیت کا ۱/۲ ہے اور اگر خطاء پہنچا ہو تو دیت کا ۱/۲ حصہ ہے۔

یعقوب بن عبداللہ بن نافع کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جراحت منقلہ میں ۱۵ اونٹ تاوان مقرر فرمایا اور عمرو بن حزم سے یحییٰ کی روایت بھی یہی ہے کہ منقلہ میں ۱۵ اونٹ ہیں۔ [2]

آمہ (مامومہ) آمہ اس زخم کو کہا جاتا ہے جو ام دماغ تک پہنچ جائے ام

[1] تکملہ فتح القدیر، جلد ۸ صفحہ ۳۱۲، نیز دیکھئے زیلعی، جلد ۶ صفحہ ۱۳۲۔

[2] بدائع الصنائع، جلد ۷ صفحہ ۳۱۶۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

دماغ وہ باریک جھلی ہے جو دماغ کو مجتمع رکھتی ہے یہ زخم ہڈی اور دماغ کی درمیانی جلد کو ظاہر کر دیتا ہے۔ اس میں تہائی دیت واجب ہے اور قصاص نہیں البتہ حضرت زبیر سے وجوب قصاص کا قول منقول ہے۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "لیس فی المامومۃ ولا فی الجائفۃ ولا فی المنقلۃ قود" یعنی شجۂ مامومہ جراحت جائفہ اور شجہ منقلہ میں قصاص نہیں ہے۔

حضرت معاذ بن محمد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عمرو بن معدی کرب نے بنو کنانہ کے ایک شخص کو شجہ موضحہ مامومہ لگا دیا حضرت عمرؓ نے قصاص لینا چاہا تو حضرت عباس نے فرمایا۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "لا قود فی جائفۃ ولا منقلۃ ولا مامومۃ" یعنی زخم جائفہ، شجہ منقلہ اور شجہ مامومہ میں قصاص نہیں ہے۔

عمرو بن حزم کی حدیث میں ہے کہ "فی المامومۃ ثلث الدیۃ۔ و فی الجائفۃ مثلھا، وفی العین خمسون وفی الرجل خمسون وفی کل اصبع مما ھنالک من الابل، وفی السن خمس وفی الموضحۃ خمس" یعنی شجہ مامومہ اور جراحت جائفہ میں تہائی دیت واجب ہے۔ ایک آنکھ کے اتلاف میں پچاس اونٹ ایک پاؤں کے اتلاف میں پچاس اونٹ ہر انگلی کا تاوان دس اونٹ، ہر دانت کا پانچ اور شجہ کا تاوان پانچ اونٹ ہے۔

۱۱۔ دامغہ اس سے وہ زخم مراد ہے جس سے بھیجا نکل پڑے لیکن امام محمدؒ نے اس زخم کا ذکر نہیں کیا کیونکہ اس (دماغ تک چوٹ کے نفوذ کر جانے) کے بعد بالعموم انسان زندہ نہیں رہ سکتا لہٰذا

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

یہ زخم شجہ نہیں رہتا بلکہ قتل شمار ہوتا ہے[1] نیز امام محمدؒ نے زخموں کی اقسام میں حارصہ اور دامعہ کا بھی ذکر نہیں کیا کیونکہ عموماً ان دو زخموں کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا۔

حکومت عدل کیا ہے؟

حکومت عدل مضرت رسیدہ کو ان زخموں سے پہنچنے والے درد کا معاوضہ (طے کرنا) ہے جن میں قصاص نہیں لیا جاسکتا ہے۔ منصفانہ معاوضہ اور ارش میں فرق یہ ہے کہ ارش دیت کا ایک پہلے سے مقررہ حصہ ہے جبکہ حکومت عدل غیر مقررہ تاوان ہے اور اس کا تعین قاضی (کے اختیار تمیزی) پر موقوف ہے۔

امام طحاوی کہتے ہیں: (منصفانہ عدالتی تاوان کے تعین کا طریقہ یہ ہے کہ) قاضی شخص متضرر کی قیمت یہ فرض کرتے ہوئے مقرر کرے کہ وہ ایک صحیح و سالم اور بے عیب غلام ہے، پھر موجودہ (عیب و مضرت سے متاثرہ) حالت میں اس کی قیمت کا اندازہ کرے۔ پھر ان دونوں قیمتوں کا فرق دیکھا جائے گا۔ اگر دونوں میں بیسویں حصے (یعنی پانچ فیصد) کا فرق ہے تو تاوان کا بھی بیسواں حصہ لاگو ہوگا اور اگر چالیسویں حصے (یعنی اڑھائی فیصد) کا فرق ہے تو دیت کا بھی چالیسواں حصہ عائد ہوگا۔

لیکن امام کرخی کہتے ہیں کہ منصفانہ تاوان کے تعین کا یہ طریقہ صحیح نہیں، کیونکہ ہوسکتا ہے موضحہ سے کم درجے کے کسی شجہ کے سبب ہونے والا نقصان قیمت تاوان کے بیسویں حصے سے بڑھ جائے یوں اس رائے پر عمل کرنے

---

[1] کتاب الدیات للضحاک: ص ۳۷۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

سے یہ لازم آتا ہے کہ موضحہ سے کم درجے کے ایک چھوٹے زخم کا معاوضہ اس تاوان سے زیادہ ہو جائے جو شریعت نے شجہ موضحہ کی صورت میں مقرر کیا ہے اور یہ جائز نہیں۔ اس کے برعکس (کرخی کی رائے میں) صحیح طریقۂ تشخیص یہ ہے کہ اس زخم کی (نوعیت اور) مقدار کا اندازہ دیت بیسویں حصے سے (جو شجۂ موضحہ کا تاوان ہے) لگایا جائے (اور اس مقدار سے تاوان کا تعین کیا جائے) کیونکہ دیت کا بیسواں حصہ (بطور تاوان موضحہ) نص شرعی سے ثابت ہے اور غیر منصوص تاوان کا تعین، منصوص تاوان پر قیاس کے ذریعہ کیا جائے گا اس اعتبار سے کہ ان میں معنی (وصف) کا اشتراک پایا جاتا ہے۔ [1]

امام ابو یوسف کے نزدیک منصفانہ معاوضہ سے مراد طبیب کی اجرت اور دواؤں کے اخراجات ہیں قدوری کی تصریح کے مطابق اجرت طبیب امام محمدؒ کا قول ہے [2]

رابعاً **جراحات** : ارشاد خداوندی : والجروح قصاص (یعنی زخموں میں قصاص ہے) سے عیاں ہے کہ جراحت رسانی موجب قصاص ہے۔ یہ قول عام ہے جس کی تخصیص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث صحیح نے کر دی جو حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ربیع نے جو انس بن مالک کی پھوپھی تھیں انصار کی ایک لڑکی کا دانت توڑ دیا ان لوگوں نے قصاص کا مطالبہ کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو آپ نے قصاص کا

---

[1] تکملۂ فتح القدیر، ج ۱۸، ص ۳۱۲

[2] ابن عابدین: ج ۵ ص ۵۷۲ نیز دیکھیے مؤلف کی کتاب: الجرم فی الفقہ الاسلامی طبع دوم: ص ۲۲۳

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

حکم فرمایا: انس بن نضر نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کیا ربیع کا دانت توڑا جائے گا) نہیں! خدا کی قسم ان کا دانت نہیں توڑا جائے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "یا انس! کتاب اللہ القصاص" اے انس! اللہ کی کتاب قصاص کا حکم دیتی ہے۔ یہ سن کر لڑکی والے لوگ (قصاص معاف کرنے پر) راضی ہو گئے اور انہوں نے تاوان قبول کر لیا اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان من عباد اللہ من لو أقسم علی اللہ لابرہ۔ اللہ کے بعض بندے ایسے ہیں جو اگر اللہ کے بھروسے پر قسم کھائیں تو وہ انہیں سچا کر دیتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: "فمن تصدق بہ فھو کفارۃ لہ" یعنی پھر جو شخص اس (بدلہ یا معافی) کی پیشکش کر دے (یعنی مجروح بدلہ معاف کر دے یا ظالم خود کو بدلہ کے لیے پیش کر دے) تو وہ اس کے لیے کفارہ ہو جائے گی۔

اس (آیت کے مصداق) کے بارے میں فقہاء کے دو قول ہیں: ایک یہ کہ اس سے مراد ضرر رسیدہ ہے (کہ وہ قصاص معاف کر دے تو یہ معافی اس کے گناہوں کے لیئے کفارہ بن جائے گی) اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد زخم پہنچانے والا (مجرم) ہے کہ وہ اپنے آپ کو بدلہ کے لیے پیش کر دے (تو یہ پیشکش اس کے لیے کفارہ ہو جائے گی۔)

حضرت ابوداؤدؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ما من مسلم یصاب بشیء من جسدہ فیھبہ الا رفعہ اللہ بہ درجۃ، وحط بہ عنہ خطیئۃ" یعنی جس کسی مسلمان کو کوئی جسمانی ضرر پہنچے اور وہ (اس کا بدلہ) معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کا

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ایک درجہ بلند کر دے گا اور ایک خطا معاف فرما دے گا۔ ابن عربی کہتے ہیں جن لوگوں نے (آیت کا مفہوم) یہ قرار دیتا ہے کہ اگر ضرر رسیدہ مجرم کو معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما دے گا، انہوں نے اس (مفہوم) پر کوئی دلیل قائم نہیں کی لہٰذا اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ [1]

سر اور چہرے کے علاوہ باقی جسم کو پہنچنے والی جراحت کی دو قسمیں ہیں جائفہ، غیر جائفہ جائفہ ایسا زخم ہے جو انسانی دھڑ کے جوف (یعنی پیٹ) تک پہنچ جائے خواہ وہ زخم سینے، پشت یا پہلو (یا جسم کی کسی اور جانب) سے اندر پیٹ تک پہنچے، جراحت جائفہ میں قصاص نہیں کیونکہ اس کی شرط (مثلیت) مفقود ہے بلکہ اس میں ایک تہائی دیت واجب ہے۔ یہ زخم گردن، حلق، ہاتھ، پاؤں فوطوں اور مقعد میں نہیں ہوتا (کیونکہ یہاں کے زخم پیٹ تک نہیں پہنچتے)۔

---

[1] ابن عربی، جلد ۲ صفحہ ۶۲۷ تفسیر جلالین کے حاشیہ الصاوی جلد ۱ صفحہ ۲۳۰ پر ہے اس سے مراد یہ ہے کہ قاتل نے خود کو قصاص کے لیے پیش کر دیا۔ اور یہ معنی بھی محتمل ہے کہ ولی دم اگر قاتل کو معاف کر دے تو یہ معافی اس کے لیے گناہوں کا کفارہ بن جائیگی۔ خلاصہ یہ کہ قاتل کے ذمہ تین حقوق ہیں اللہ کا حق، ولی الدم کا حق اور خود مقتول کا حق۔ اب اگر وہ خود توبہ کر کے خوشی سے اپنے آپ کو قصاص کے لیے پیش کر دے تو اللہ تعالیٰ اور ولی الدم کا حق اس سے ساقط ہو جائے گا۔ اور مقتول کو (قیامت میں) رب کریم اس سے راضی کر دیں گے۔ لیکن اگر قاتل سے جبراً اس کی مرضی کے علی الرغم قصاص لیا گیا اور توبہ کئے بغیر ہی وہ قصاص میں قتل کر دیا گیا تو اس سے ولی الدم کا حق ساقط ہو جائے گا لیکن اللہ تعالیٰ اور مقتول کا حق اس کے ذمہ باقی رہے گا۔ ابن قیم نے ایسا ہی بیان کیا ہے اور یہ اس تصور پر مبنی ہے کہ حدود شرعیہ زجر و تنبیہ کے لیے ہیں لیکن امام مالک کا موقف یہ ہے کہ حدود کی نوعیت جبر (یعنی تلافی نقصان) کی ہے لہٰذا اگر قاتل توبہ کیے بغیر بھی قصاص میں قتل کر دیا جائے تو اس کے تمام حقوق ساقط ہو جائینگے کیونکہ (قصاص حدود میں اٹھائی گئی) تلوار (ذنوب) ماقبل کو مٹا دیتی ہے۔ اور اس بارے میں وارد ہونے والی احادیث امام مالکؒ کے موقف کی تائید کرتی ہیں۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ اگر گردن کا زخم اس قدر گہرا ہو کہ اس تک پہنچنے والی مائع چیز جوف تک پہنچ جاتی ہو تو وہ زخم جائفہ ہو گا کیونکہ جب تک زخم اندرون جسم تک نہ پہنچا ہو کوئی چیز بدن کے اندر نہیں جا سکتی۔

اگر زخم جائفہ سرایت کر کے مجروح کی موت پر منتج ہو تو مجرم سے قصاص لیا جائے گا یہی وجہ ہے کہ اس زخم میں تاوان کا فیصلہ مجروح کے اچھا ہو جانے تک مؤخر کیا جائے گا۔

غیر جائفہ وہ زخم ہے جو جائفہ کی حد تک نہ پہنچا ہو۔

جراحت خواہ جائفہ ہو غیر جائفہ اگر ضرر رسیدہ کی ہلاکت پر منتج ہو تو مجرم پر قصاص واجب ہو گا کیونکہ مجروح کی موت کے بعد یہ زخم قتل نفس میں بدل گیا ہے۔

اور اگر مجروح ہلاک نہیں ہوا بلکہ تندرست ہو گیا تو کسی چیز کا قصاص نہ ہو گا کیونکہ مماثلت کی رعایت کرتے ہوئے استیفاء قصاص ناممکن ہے۔

جسم کو پہنچنے والے تمام زخموں کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ مندمل ہو جائیں لیکن ان کا اثر باقی رہے تو منصفانہ تاوان واجب ہو گا اگر ان زخموں کا کوئی اثر باقی نہ رہے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مجرم پر کوئی تاوان نہیں البتہ یہ ظاہر ہے کہ اسے تعزیری سزا دی جائے گی اگر مجروح زخم کے اثر سے مر گیا تو اس کی دو حالتیں ہیں: اگر ضارب فرد واحد (یعنی اکیلا) ہو تو عمد کی صورت میں قصاص اور خطا کی صورت میں دیت کا مستوجب ہو گا۔ لیکن اگر جراحت رساں متعدد ہوں تو (قصاص سب پر یکساں عائد ہو گا مگر) خطا کی صورت میں دیت ان سب پر مساوی تقسیم کر دی جائے گی۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

عورت پر جان سے کم زیادتی

اگر کسی عورت پر قتل سے کم درجے کی (جسمانی) زیادتی کی گئی تو اس کے تاوان کا تعین عورت کی دیت نفس کے مطابق کیا جائے گا خواہ یہ تاوان کم ہو یا زیادہ۔ یہ جمہور علماء اور عام صحابہ کرام کا موقف ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ دیت کے بیسویں حصے تک تاوان (کم از جان) میں عورت مرد کے برابر ہے جیسے دانت توڑنے اور شجہ موضحہ کا تاوان وہ اس سلسلہ میں جنین کے تاوان غرہ کے متعلق وارد ہونے والی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنین کے اتلاف پر بطور تاوان غرہ واجب فرمایا جو دیت کا بیسواں حصہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلہ میں مذکر اور مؤنث (جنین) کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دیت کے بیسویں حصہ تک مقدار تاوان میں مرد و عورت برابر ہیں۔

حنیفہ کے نزدیک قتل سے کم درجے کے جرائم میں مرد اور عورت کے درمیان قصاص نہیں ہے کیونکہ (معاملہ قصاص میں اعضائے جسم کے ساتھ اموال کا سا برتاؤ کیا جاتا ہے (یعنی اعضاء انسانی کو مال کی مانند قرار دیا جاتا ہے) اس لحاظ سے کہ اعضائے جسم کو بھی مال کی طرح جان کی حفاظت کے لیے بنایا گیا ہے۔ اور مرد و عورت کے اعضاء میں بوجہ (تفاوت صلاحیت اور) اختلاف قیمت کے مماثلت نہیں پائی جاتی (لہٰذا ان کے مابین قصاص اعضاء ممنوع قرار پاتا ہے)

امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ مرد اور عورت کے درمیان (قتل نفس کی طرح) اعضاء (کے اتلاف) میں بھی قصاص جاری ہوگا پس جن صورتوں میں مرد

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اور عورت کے درمیان نفس کا قصاص واجب ہوتا ہے امام شافعیؒ کے نزدیک ان (تمام) صورتوں میں جان سے کم کا قصاص بھی عائد ہوتا ہے۔

سعید بن مسیبؒ کا کہنا ہے کہ عورت (کے اطراف) کا تاوان اس کی دیت کے تہائی حصے تک مرد (کے تاوان) کے برابر ہے۔ یہ اہل مدینہ کا مذہب ہے اور اس بارے میں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی نقل کرتے ہیں: عقل المرأة مثل عقل الرجل حتی یبلغ الثلث من دیته" یعنی عورت کا تاوان مرد کے تاوان کے مساوی ہے یہاں تک کہ (مرد کی دیت کے) ثلث تک پہنچ جائے۔ حضرت ابن عمرو سے نسائی کی یہ روایت نص ہے جو تاویل کا احتمال نہیں رکھتی۔

حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ جس طرح نفس کے معاملے میں عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے اسی طرح جان سے کم نقصان کا تاوان بھی مرد کے تاوان سے نصف ہونا چاہیے کیونکہ دونوں صورتوں میں دیت کی مقدار آدھی کرنے کا سبب ایک ہی ہے یعنی عورت کا مؤنث ہونا یہی وجہ ہے کہ ثلث سے زیادہ میں عورت کا تاوان (بالاتفاق) مرد کے تاوان سے نصف ہو جاتا ہے اسی طرح ثلث اور اس سے کم میں بھی عورت کا تاوان مرد سے نصف ہو گا۔ پھر یہ بھی ہے کہ اس معاملے میں اہل مدینہ کی رائے قبول کرنے سے یہ لازم آتا ہے کہ عورت کو زیادہ جسمانی ضرر پہنچنے کی صورت میں تاوان کم ہو جائے یہ غیر معقول ہے جیسا کہ (معروف فقیہہ) ربیعہ بن عبدالرحمٰن سے اس بارے میں منقول ہے کہ وہ کہتے ہیں میں نے سعید بن مسیبؒ سے پوچھا کہ اگر ایک شخص کسی عورت کی ایک انگلی کاٹ دے تو اس کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا مجرم دس شتر تاوان دے گا۔ میں نے کہا اگر دو انگلیاں کاٹے۔ فرمایا بیس

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اونٹ۔ عرض کیا اگر تین انگلیاں ہوں تو فرمایا تیس اونٹ۔ پھر میں نے سوال کیا اگر چار انگلیاں کاٹ دے تو کتنا تاوان ہوگا۔ انہوں نے کہا بیس اونٹ میں نے کہا: (کیا خوب ؟) عورت کو جب زیادہ زخم پہنچا اور زیادہ شدید اذیت دی گئی تو اس کا تاوان کم ہوگیا اس پر سعید بن مسیب نے کہا۔ کیا آپ عراقی ہیں؟ میں نے کہا، نہیں بلکہ میں جانتا نہیں، جاننا چاہتا ہوں۔ یا عالم سہی تحقیق کا طالب ہوں۔ فرمایا: اے بھتیجے! یہ حکم سنت سے ثابت ہے۔ سنت سے ان کی مراد حضرت زید بن ثابت کی سنت تھی۔ [1]

حنفیہ اس قول کی تعلیق میں کہتے ہیں: اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اہل مدینہ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کردہ روایت (عقل المرأة مثل عقل الرجل حتی یبلغ الثلث من دیته) صحیح نہیں اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ ایسے عالم کو حدیث کے بارے میں اشتباہ نہ ہوتا اور وہ اس حکم کو حضرت زید بن ثابت کی طرف منسوب کرنے کی بجائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کی طرف منسوب کرتے پس یہ ظاہر ہے اس معاملہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی روایت ثابت نہیں [2]

رہی حدیث غرہ تو اس بارے میں ہمارا موقف یہ ہے کہ جنین کا تاوان

---

[1] بدائع الصنائع: ج ۷، ص ۲۲۳ معلوم نہیں حنفیہ نے حضرت سعید بن مسیب کے قول میں سنت سے مراد حضرت زید بن ثابت کی سنت کیوں سمجھی ہے؟ ایسا کیوں نہیں ہو سکتا۔ کہ سنت سے سعید بن مسیب کی مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور ارشاد مبارک ہو۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

تذکر یا مؤنث کے اعتبار سے مختلف نہیں ہوتا لیکن یہاں بات جنین کی نہیں ہو رہی بلکہ طبعی طور پر پیدا ہونے والے انسان کے تاوان کا حکم بیان ہو رہا ہے اور اس بارے میں حدیث ساکت ہے۔ پھر اس میں یہ احتمال بھی پایا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنین میں مذکر اور مؤنث کے درمیان فرق دشوار ہونے کے باعث اس کا حکم ایک ہی رکھا ہو کیونکہ ہنوز جنین خلقت کے اعتبار سے نامکمل ہے۔ لہٰذا احتمال کے ہوتے ہوئے حدیث غرہ اس بارے میں حجت قرار نہیں پاتی۔ [1]

جان سے کم کے تاوان میں عاقلہ کی ذمہ داری

اگر کسی آزاد شخص کو پہنچنے والے جسمانی ضرر کا تاوان دیت کے بیسویں حصے تک پہنچ جائے جو مرد کی صورت میں پانچ سو اور عورت کی صورت میں ڈھائی سو ہے تو اس کی ادائیگی عاقلہ کے ذمہ ہوگی۔ اس سے کم مقدار میں مرد اور عورت کے تاوان کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں۔ یہ تاوان مجرم کے مال میں واجب الادا ہوگا، عاقلہ پر نہیں کیونکہ قیاس عاقلہ کے ذمہ دار تاوان ہونے کی نفی کرتا ہے اس لیے کہ جرم کا صدور (ان سے نہیں) غیر سے ہوا ہے۔ لیکن چونکہ اتلاف جنین کا تاوان (غرہ) جو کہ دیت کا بیسواں حصہ ہے مجرم کی عاقلہ کے ذمہ واجب الادا ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی سے ثابت ہے لہٰذا اس مقدار سے کم کا حکم اصل قیاس کے مطابق (مجرم کے مال میں واجب الادا) باقی رہے گا پھر یہ بھی ہے کہ اس سے کم تاوان کی مقدار فی نفسہا متعین نہیں

[1] بدائع الصنائع، جلد ۷، صفحہ ۳۲۲۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

بلکہ یہ اتلاف اموال کے تاوان کے مشابہ ہے اس لیے عاقلہ اس تاوان کی ذمہ دار نہ ہوگی جیسا کہ اتلاف مال کے ضمان کی ذمہ دار نہیں ہوتی۔

امام شافعیؒ کے نزدیک جان سے کم کا تاوان خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ بہرصورت عاقلہ پر عائد ہوگا کیونکہ اس سلسلہ میں عاقلہ کی ذمہ داری دراصل ان کی طرف سے حفاظت اور نصرت میں کوتاہی پر مبنی ہے۔ اور یہ چیز قلیل و کثیر مقدار فرق کی بنیاد نہیں بنتی۔

غلاموں پر جان سے کم زیادتی کا تاوان بالاتفاق عاقلہ پر واجب نہیں ہوتا کیونکہ غلام کے اعضاء جسم اموال کا حکم رکھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان (اعضائے مملوک کے اتلاف) میں قصاص واجب نہیں ہوتا اور اتلاف مال کا تاوان عاقلہ برداشت نہیں کرتی[1] (لہٰذا غلام پر قتل سے کم مظالم کا تاوان بھی اس کے ذمہ نہ ہوگا)

مبحث سوم

قتل شبہ عمد

اگر ایک آدمی کسی کو بالارادہ ایسی چیز سے مارے جو عادتاً قتل نہیں کرتی (لیکن کبھی کبھی مہلک بھی ہو سکتی ہے) جیسے عصاء کوڑا اور چھوٹا پتھر، اور اس طرح موت واقع ہو جائے تو یہ قتل شبہ عمد ہوگا جو مغربی قانون میں ضرب منجر بہ ہلاک کے مماثل ہے، جرم قتل میں عمد کا معنی یہ ہے کہ مجرم ہلاک کرنے کے ارادہ سے فعل قتل کا ارتکاب کرے۔ اگر ارادۂ قتل موجود نہ ہو تو مجرم کا فعل ہلاک

---

[1] بدائع الصنائع: ج ۷، ص: ۳۲۳

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کرنے کا خواہ کتنا ہی احتمال کیوں نہ رکھتا ہو، قتل عمد متصور نہ ہوگا بلکہ موت پر منتج ہونے والی ضرب یا جراحت قرار پائے گا۔ پس قتل عمد اور ضرب مجربہ ہلاک میں فرق کی بنیاد صرف ارادۂ قتل (کے تحقق اور عدم تحقق) پر ہے[1]

(قتل شبہ عمد کا وجود مختلف فیہ ہے) جمہور فقہاء اور صحابہ کرام میں سے حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت زید بن ثابت حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت مغیرہ بن شعبہ اس کا وجود مانتے ہیں جبکہ امام مالک، لیث بن سعد اور ابن حزم اس کے قائل نہیں۔ انکے نزدیک قتل کی صرف دو صورتیں ہیں۔ قتل عمد اور قتل خطاء۔

سحنون کہتے ہیں: میں نے ابن قاسم سے پوچھا، کیا امام مالکؒ قتل یا جراحت رسانی میں شبہ عمد کے قائل ہیں؟ انہوں نے جواب دیا۔ امام مالکؒ نے فرمایا شبہ عمد باطل ہے (یعنی اس کا وجود نہیں)۔ جرم (قتل یا جراحت رسانی) عمداً ہوگا یا خطاء، میں شبہ عمد کو نہیں جانتا[2]

قتل شبہ عمد کے قائلین کے نزدیک اس کی تین قسمیں ہیں ایک متفق علیہ اور دو مختلف فیہ:

متفق علیہ قتل شبہ عمد کی متفق علیہ نوع یہ ہے کہ مجرم چھوٹی لاٹھی، چھوٹے پتھر یا تھپڑ یا ایسی ہی کسی چیز کے ذریعہ جس سے عموماً موت واقع نہیں ہوتی قتل کر دے، جیسے کوڑے کی ایک یا دو ضربیں

---

[1] دیکھیئے الحاماۃ: عدد: ۱۸۴، ص ۳۴۷۔

[2] احکام القرآن للجصاص: ج ۲: ص ۲۷۹، المدونۃ الکبریٰ: ج ۱۷: ص ۱۰۶، بدایۃ المجتہد ج ۲، ص ۳۳۳ نیز دیکھیئے مصنف کی کتاب "الجرائم فی الفقہ الاسلامی" ثالث، ص ۲۱۶ و مابعد،

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

لگائے اور مضروب مر جائے بشرطیکہ وہ پے در پے مارتا ہی نہ چلا گیا ہو۔

۲۔ مختلف فیہ اگر ایک شخص کسی کو چھوٹے کوڑے کے ساتھ مسلسل ضربیں لگائے یہاں تک کہ وہ مر جائے تو یہ قتل حنفیہ کے نزدیک بالاتفاق شبہ عمد ہوگا جبکہ امام شافعیؒ اسے قتل عمد قرار دیتے ہیں۔

۳۔ قتل شبہ عمد کی ایک اور مختلف فیہ صورت یہ ہے کہ کسی ایسے آلے کے ذریعہ قتل کیا جائے جو اگرچہ بالعموم ہلاک کر دیتا ہو لیکن زخمی کرنے والا یا جسم میں گھونپا جانے والا نہ ہو، جیسے دھوبی کی موگری، بھاری پتھر یا بڑا عصا، امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ قتل شبہ عمد ہے جبکہ صاحبین اور امام شافعی کے نزدیک قتل عمد ہے۔

اس سلسلہ میں فریقین کے دلائل حسب ذیل ہیں:

صاحبین کے دلائل قتل کا شبہ عمد ہونا ایسے آلے کے استعمال سے ظاہر ہوتا ہے جس سے عام حالات میں انسان ہلاک نہیں ہوتا، ایسے آلے کے ذریعہ مارنے کا مقصد تادیب (سرزنش) یا اتلاف عضو ہو سکتا ہے قتل نہیں، یہی وجہ ہے کہ ایسے آلے کے ذریعہ قتل کرنا شبہ عمد کہلاتا ہے۔ رہا ایسا آلہ جو مار ڈالنے میں دیر نہیں کرتا تو اس کے استعمال کا مقصد قتل (کے سوا اور کچھ نہیں) ہوتا جیسے تلوار میں ہے۔ لہٰذا ایسے آلے سے مار ڈالنا قتل عمد موجب قصاص ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودی کا سر دو پتھروں سے کچلوا دیا تھا جس نے ایک بچے کو دو پتھروں سے کچل کر ہلاک کر دیا تھا۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو بھی سزائے قتل دی جس نے ایک دوسری عورت کو خیمے کی چوب سے قتل کر دیا تھا۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

امام ابو حنیفہؒ کے دلائل

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ الا ان قتل الخطاء شبہ العمد بالسوط والعصا فیہ ماۃ من الابل مغلظۃ منہا اربعون خلفۃ فی بطونہا اولادہا۔ یعنی۔ یاد رہے قتل عمد کے مشابہ قتل خطاء وہ ہوتا ہے جو کوڑے اور ڈنڈے سے واقع ہو اس میں ایک سو اونٹ دیت مغلظہ (بھاری دیت) ہے جن میں سے چالیس ایسی اونٹنیاں ہیں جن کے پیٹ میں بچہ ہو۔ اس حدیث کو نسائی اور بیہقی نے ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے۔ اور اس سے استدلال کی صورت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلقاً کوڑے یا لاٹھی (یعنی کیسا ہی کوڑا یا لاٹھی ہو) کی ضرب سے مقتول ہونے والے کو شبہ عمد (کا مقتول) قرار دیا ہے اب اس کو چھوٹی سی لکڑی کے ساتھ مخصوص کر دینا حدیث کے اطلاق (یعنی حکم مطلق) کو باطل کر دینا ہے جو کہ جائز نہیں ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ لاٹھی خواہ چھوٹی ہو یا بڑی اس لحاظ سے یکساں ہیں کہ نہ تو وہ قتل کے لیے (مہلک ہتھیار کی طرح) وضع کی گئی ہیں اور نہ ہی بالعموم انہیں اس مقصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ (ناگہانی) طور پر جس کا قتل مقصود ہو، اس کی غفلت پر لاٹھی کے استعمال (میں پہل) کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ (حالانکہ) اکثر اس حالت غفلت میں لاٹھی کے استعمال سے قتل واقع ہو جاتا ہے۔ اور جب اس سلسلہ میں چھوٹی اور بڑی دونوں قسم کی لاٹھیاں برابر ہیں اور چھوٹی چھڑی سے قتل کرنا (بالاتفاق) شبہ عمد ہے تو بڑی لاٹھی سے قتل بھی اسی طرح مشابہ بہ قتل عمد ہوگا۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

۲۔ ارادۂ قتل نفس کا داخلی معاملہ ہے۔ جس کی خبر اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک اس کی کوئی دلیل نہ پائی جائے اور یہ دلیل ایسے آلے کا استعمال کرنا ہے جو قتل کے لیے وضع کیا گیا ہو، اور لاٹھی ایک ایسا آلہ ہے جو ارادۂ قتل پر دلالت نہیں کرتا کہ نہ تو یہ قتل کے لیے بنائی گئی ہے اور نہ ہی بالعموم اس کام کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ اس لیے کہ کسی شخص کو غفلت میں لاٹھی کے ذریعہ قتل نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی اس کے ذریعہ غالباً قتل واقع ہوتا ہے۔ پس (لاٹھی کے استعمال سے) قصد عمدی میں قصور پایا گیا اور یوں بڑی لاٹھی کے ذریعہ قتل بھی چھوٹی چھڑی کی طرح شبہ عمد قرار پایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح موجب قصاص آلۂ قتل میں چھوٹا یا بڑا ہونے کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں کہ دھاری دار آلہ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا بہر صورت بدن کی ظاہری اور باطنی حیثیت بگاڑ کر قتل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، اسی طرح جو آلۂ قتل موجب قصاص نہیں اس میں بھی چھوٹے اور بڑے کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ نہ وہ قتل کے لیے وضع کیا گیا اور نہ اس کی صلاحیت رکھتا ہے کہ اس کے ذریعہ جسم کی ہیئت ظاہری کو بگاڑنا ممکن نہیں لہٰذا ایسے آلے کا استعمال ارادۂ قتل کو مشکوک بنا دیتا ہے اور قصاص چونکہ انتہائی (جسمانی) سزا ہے اس لیے شبہ کی صورت میں عائد نہیں کی جا سکتی۔

۳۔ یہودی کا سر کچلوانے کے بارے میں جو حدیث روایت کی گئی ہے اس میں یہ احتمال پایا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس یہودی کا راہزن (قاطع طریق) ہونا معلوم ہوا اور راہزن کا حکم یہ ہے کہ وہ لاٹھی، کوڑا جس چیز سے بھی قتل کرے اسے بطور حد اسی چیز سے قتل کیا

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

جائے گا، اور یہ بھی احتمال ہے کہ (وہ یہودی راہزن نہ ہو مگر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے زمین میں فساد پھیلانے کے سبب راہزن کی مانند قرار دیتے ہوئے بطور حد اس طرح قتل کروایا ہو اور فساد پھیلانے والے شخص کو (حکم میں) راہزن جیسا قرار دینا (یعنی اسے قطع طریق کی سزا دینا) جائز ہے۔

۴۔ رہی عورت کو سزائے قتل کی حدیث تو اس بارے میں عبید بن فضیلہ مغیرہ بن شعبہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت نے دوسری کو خیمے کی چوب سے مار کر ہلاک کر دیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس (مجرمہ) کی مددگار برادری پر مقتولہ کی دیت اور اس کے بچہ شکم کا تاوان غرہ عائد فرمایا۔ اعرابی نے عرض کی: کیا میں اس کا تاوان ادا کروں جس نے نہ کھایا پیا اور نہ چیخا دیا؟ ایسا (خون) تو رائیگاں جاتا ہے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسجع کسجع الکھان یعنی یہ کاہنوں جیسی مسجع عبارت رہے۔ ایک دوسری روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کاہنوں کا بھائی ہے کیونکہ اس نے مسجع عبارت بنائی تھی۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحبین کی پیش کردہ روایت جس میں قاتلہ کو سزائے قتل کا ذکر ہے، صحیح نہیں، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ انہوں نے یہ حدیث حمل بن مالک سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے ہیں میں دو عورتوں کے گھروں کے درمیان تھا ان میں سے ایک نے خیمہ کی چوب سے دوسری کو قتل کر دیا اور اس کا جنین بھی ہلاک ہو گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنین کا تاوان غرہ عائد فرمایا اور قاتلہ کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ یہ ان

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کی پیش کردہ روایت ہے جب کہ سعید بن مسیب اور ابو سلمہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ بنو ہذیل کی دو عورتیں آپس میں لڑ پڑیں۔ ایک نے دوسری کو پتھر مار کر ہلاک کر دیا اور اس کا بچہ شکم بھی ضائع ہو گیا تنازعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش ہوا تو آپ نے جنین کا تاوان غرہ غلام یا لونڈی اور مقتولہ کی دیت، قاتلہ کی مددگار برادری پر عائد فرمائی اور اس کے بیٹے کو اس کا وارث قرار دیا حمل بن مالک بن النابغۃ الہذلی کہنے لگا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اس کا تاوان کیسے ادا کروں جس نے نہ کھایا پیا اور نہ بات کی اور نہ رویا، ایسا (خون) تو رائیگاں جاتا ہے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ تو کاہنوں کا بھائی ہے۔ حمل بن مالک سے یہی روایت مشہور ہے تو اس کے خلاف ان سے مروی ہونا کیونکر متصور ہے۔ [1]

صاحبین کا اصول یہ ہے کہ شبہ عمد وہ قتل ہے جس میں مجرم نے ایسا آلہ استعمال کیا جو بالعموم ہلاک نہیں کرتا مثلاً ہاتھ سے ایک تھپڑ مارے یا کوڑے کی ایک ضرب لگائے لیکن اگر مجرم نے بار بار اس فعل کا تکرار کیا اور وہ مجموعی طور پر ہلاک کرنے کے لیے کافی ہے تو یہ قتل عمد قرار پائے گا اور اس میں تلوار کے ذریعہ قصاص لیا جائے گا اسی طرح اگر ایک شخص نے کسی کو ایسے پانی میں ڈبو دیا جہاں سے نکلنا ممکن نہیں تو اس پر قصاص واجب ہو گا۔

اشجعی سفیان ثوریؒ سے روایت کرتے ہیں کہ شبہ عمد کسی شخص کو لاٹھی، پتھر یا ہاتھ سے مار کر قتل کرنے سے عبارت ہے۔ ایسے قتل کی دیت مغلظہ ہے اور اس میں قصاص نہیں۔

---

[1] الزیلعی، جلد ۶ صفحہ ۱۰۱، نیز دیکھئے فتح القدیر، جلد ۸ صفحہ ۲۵۰۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

امام اوزاعی کہتے ہیں شبہ عمد یہ ہے کہ لاٹھی یا کوڑے کی ایک ضرب سے مضروب فوت ہو جائے، اگر مجرم نے لاٹھی سے دو ضربیں لگائیں اور مضروب موقع پر ہی ہلاک ہو گیا تو یہ قتل عمد موجب قصاص ہو گا اور خطا کی صورت میں مددگار برادری پر دیت عائد ہو گی۔

حسن بن صالح کا قول ہے کہ اگر ایک شخص نے کسی آدمی کو چھڑی ماری اور پھر دوسری ضرب سے اسے موقع پر قتل کر دیا تو اس پر قصاص واجب ہے لیکن اگر کسی نے دو سے زیادہ ضربات لگائیں اور مضروب موقع پر نہ مرا بلکہ بعد میں ہلاک ہوا تو یہ قتل شبہ عمد ہو گا جس میں قصاص نہیں بلکہ مجرم کی مددگار برادری پر دیت واجب ہو گی۔

امام مالک، لیث بن سعد اور ابن حزم شبہ عمد کا وجود نہیں مانتے سحنون کہتے ہیں: میں نے ابن قاسم سے پوچھا کیا امام مالک جراحات اور قتل میں (جرم) شبہ عمد کے قائل ہیں؟ انہوں نے جواب دیا۔ امام مالک کا قول ہے کہ شبہ عمد باطل ہے، جرم عمداً ہو گا یا خطاء، میں شبہ عمد کو نہیں جانتا۔

ابن وہب امام مالک سے روایت کرتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے کسی کو لاٹھی سے ضرب لگائی یا کوئی چیز پھینکی یا عمداً مارا تو یہ قتل عمد موجب قصاص ہو گا[1] قتل کی یہ نوع شبہ عمد اس لیے کہلاتی ہے کہ اگر مجرم کے بالارادہ ارتکاب ضرب کا اعتبار کیا جائے تو اس میں عمد کا معنی پایا جاتا ہے اور اگر اس پہلو کو مدنظر رکھا جائے کہ اس نے ارتکاب قتل کا ارادہ نہیں کیا کیونکہ اس نے ایسا آلہ استعمال کیا ہے جس سے عام حالات میں انسان ہلاک نہیں ہوتا حالانکہ

---

[1] احکام القرآن للجصاص، جلد ۲ صفحہ ۲۷۹، المدونۃ الکبریٰ، جلد ۱۶ صفحہ ۱۰۶، بدایۃ المجتہد، جلد ۲ صفحہ ۳۳۳۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ایک عقلمند انسان ہر مقصد کے حصول کے لیے متعلقہ آلہ (ذریعہ) استعمال کیا کرتا ہے تو (مہلک آلہ کے عدم استعمال سے) مجرم کے ارادہ ارتکاب قتل کی نفی ہوتی ہے اور یوں یہ قتل خطاء مشابہ بہ عمد قرار پاتا ہے۔

جان کی ہلاکت سے کم درجہ کے جرائم میں شبہ عمد کا وجود نہیں ہے چنانچہ اتلاف نفس کے معاملہ میں جو جرم شبہ کی حیثیت رکھتا ہے جان تلف کرنے سے کم میں وہ عمد متصور ہوگا کیونکہ عام طور سے کسی خاص آلے کے ذریعہ اتلاف اعضاء کا قصد نہیں کیا جا سکتا لہٰذا جان لینے سے کم زیادتی کے ارادے پر دلالت کرنے میں تمام آلات یکساں ہیں اور یوں اس زیادتی کی ہر صورت عمد ہی ٹھہرے گی البتہ جن صورتوں میں استیفاء قصاص ممکن نہ ہو وہاں تاوان وصول کیا جائے گا اس پر حضرت انس بن مالکؓ کی روایت کردہ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ ان کی پھوپھی ربیع نے تھپڑ مار کر ایک لڑکی کا دانت توڑ دیا، ربیع کے لوگوں نے معافی مانگی لیکن لڑکی والے معافی پر راضی نہ ہوئے، پھر ربیع کے لوگوں نے دیت دینا چاہی وہ اس (دیت لینے) پر بھی آمادہ نہ ہوئے، اور مقدمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قصاص کا حکم دیا انس بن نضیر نے کہا! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ربیع کا دانت توڑا جائے گا؟ قسم اس ذات کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچائی کے ساتھ بھیجا ہے اس کا دانت نہ توڑا جائے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اے انسؓ! قصاص فریضہ الٰہی ہے۔ یہ سن کر لڑکی والے لوگ راضی ہوگئے اور انہوں نے معاف کر دیا۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بلاشبہ اللہ کے بعض بندے ایسے ہیں جو اگر اس کے بھروسے پر قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم پوری کر دیتا ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

(اس حدیث سے) وجہ استدلال یہ ہے کہ ہم جانتے ہیں اگر تھپڑ جان لینے کا سبب بن جائے تو وہ موجب قصاص نہیں ہوتا جب کہ اس حدیث کی رو سے ما دون النفس (جان سے کم زیادتی) میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تھپڑ پر قصاص واجب فرمایا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جان کے معاملے میں شبہ عمد قرار پانے والا فعل جان سے کم میں عمد ٹھہرتا ہے کہ یہاں شبہ عمد کا وجود متصور نہیں۔

قتل شبہ عمد کا حکم

اولاً: قتل عمد کا مرتکب (سخت) گناہ گار ہے ہے۔ کیونکہ اس نے ایک حرام فعل (مقتول کو ناحق ضرب لگانے) کا بالارادہ دیدہ و دانستہ ارتکاب کیا۔

ثانیاً: قتل شبہ عمد میں کفارہ واجب ہے۔ کیونکہ یہ آلہ فعل کے لحاظ سے قتل خطاء (کے مشابہ) ہے اور (اس وجہ سے) قتل خطاء میں وجوب کفارہ والی آیت کے حکم میں داخل ہے یہ کفارہ ایک مؤمن غلام کو آزاد کرنا ہے اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو پھر دو ماہ کے متواتر روزے رکھنا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ومن قتل مؤمناً خطأ فتحریر رقبة مؤمنة ..... فمن لم یجد فصیام شهرین متتابعین توبة من الله۔ یعنی جو شخص کسی مؤمن کو غلطی سے قتل کر دے تو اس سے ایک مسلمان غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا اور خون بہا ہے ..... پھر جس شخص کو (غلام یا لونڈی) نہ ملے تو متواتر دو ماہ کے روزے ہیں اور (یہ کفارہ) خدا کی طرف سے (قبول) توبہ (کے لیے) ہے قتل کے کفارہ میں ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا کافی نہیں ہے کیونکہ نص (قرآنی) میں اس کا ذکر نہیں کیا گیا اور (محض) رائے کی رو سے بدل کا اثبات جائز نہیں۔

صاحب نہایہ "الایضاح" کے مصنف کا یہ بیان نقل کرتے ہیں کہ میں نے اپنے اصحاب (حنفیہ) کی کتابوں میں پڑھا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے قول کی رو سے شبہ عمد میں کفارہ واجب نہیں کیونکہ اس کا گناہ بہت سخت اور انتہائی درجے کا ہے جو

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کفارے کی مشروعیت سے مانع ہے اس لیے کہ کفارہ تو تخفیف (گناہ) کے باب سے ہے۔ زیلعی کہتے ہیں ظاہر (الروایۃ) کی رو سے اس کا جواب یہ ہے کہ شبہ عمد کے مرتکب پر صرف ضرب لگانے کا گناہ ہے جس کا اس نے ارادہ کیا تھا نہ کہ قتل کا گناہ جو خطاءً واقع ہوا اور کفارہ قتل خطا پر واجب ہوتا ہے جراحت رسانی پر نہیں (لہٰذا شبہ عمد کے مرتکب پر کفارہ عائد ہوگا کیونکہ وقوع قتل میں وہ خطا کار ہے) کیا تم دیکھتے نہیں کہ صرف ضرب لگانے میں جبکہ وہ قتل پر منتج نہ ہو) کفارہ واجب نہیں ہوتا جب کہ بغیر ضرب لگائے اگر قتل خطاء کا ارتکاب ہو جائے تو کفارہ واجب ہوگا۔ پس جہاں ضرب اور قتل دونوں جمع ہو جائیں وہاں کفارے کا وجوب قتل کی طرف منسوب ہوگا ضرب کی طرف نہیں۔

ثالثاً: شبہ عمد میں قاتل کی مددگار برادری پر دیت مغلظہ عائد ہوگی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دیت میں تشدید (تغلیظ) صرف اونٹوں کی عمروں میں ہوگی تعداد میں نہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: "الا ان قتل خطأ شبہ العمد بالسوط والعصا فیہ مائۃ من الابل مغلظۃ منہا اربعون خلفۃ فی بطونہا اولادہا" یعنی یاد رہے کہ قتل خطاء شبہ عمد کوڑے اور لکڑی سے ہلاک کرنا ہے اس کی دیت مغلظہ سو اونٹ ہے جن میں سے چالیس اونٹنیوں کے پیٹ میں بچے ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ، ابن مسعودؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ اور مغیرہ بن شعبہؓ سے یہی مروی ہے کہ شبہ عمد کی دیت مغلظہ یہی ہے اور دیت کی یہ سختی صرف اونٹوں کی عمروں میں ثابت ہوتی ہے کسی اور چیز (سونے، چاندی) میں نہیں اور عام فقہاء کے نزدیک یہ دیت بھی قتل خطا کی دیت کی طرح مجرم کی مددگار برادری پر عائد ہوگی۔ ابوبکر اصم کہتے ہیں:

۱۔ دیت کسی حال میں بھی عاقلہ پر عائد نہ ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔ "ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ" یعنی کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو رمثہ سے جب کہ وہ اپنے بیٹے کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، ارشاد فرمایا: اما انہ لا یجنی علیک ولا تجنی علیہ یعنی بیٹے کے جرم کا مواخذہ تجھ سے نہ ہوگا اور تیرے قصور میں وہ نہیں پکڑا جائے گا۔

۳۔ پھر یہ بھی ہے کہ مالی نقصان کا تاوان صرف تلف کرنے والے شخص پر واجب ہوتا ہے کسی دوسرے پر نہیں تو نفس کا تاوان بدرجۂ اولیٰ صرف مجرم پر عائد ہونا چاہیئے کیونکہ نفس کا اتلاف مال کے اتلاف سے شدید تر ہے [1]

قتل شبہ عمد میں قصاص واجب نہیں کیونکہ اس میں خطا کا شبہ پایا جاتا ہے [2]

رابعاً: قتل عمد، شبہ عمد اور قتل خطاء کی (تمام) مذکورہ صورتوں میں مجرم اپنے مقتول کی میراث سے محرومی کی سزا پاتا ہے بجز قتل بالسبب کے جس میں کفارہ اور سزائے حرمان دونوں عائد نہیں ہوتی۔ امام شافعیؒ کے نزدیک اس کے احکام وہی ہیں جو قتل خطا کے ہیں۔

مبحث چہارم قتل خطاء اور قائم مقام خطاء

اگر ارادۂ قتل مکمل طور پر مفقود ہو اور (پھر بھی) مجنی علیہ ہلاک ہو جائے تو یہ قتل خطا ہوگا۔

آیت قرآنی: کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ۔ بظاہر (وجوب قصاص میں) قتل عمد اور قتل خطاء کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتی لیکن یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

---

[1] المبسوط: ج ۲۶: ص ۶۶،

[2] درر الحکام: ج ۲: ص ۹۰

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

مشہور حدیث العمد قود (یعنی قتل عمد ہی موجب قصاص ہے) جسے امت کی تلقی بالقبول حاصل ہے، کی رو سے مقید بوصف عمدیت ہے (یعنی اس میں یہ قید لگا دی گئی ہے کہ وجوب قصاص کے لیے قتل کا بالارادہ ہونا ضروری ہے)۔

(یوں) قتل خطا میں قصاص واجب نہیں ہوتا اور اس کی صورت یہ ہے کہ مجرم ایک شخص کو مارنے کا ارادہ کرے لیکن نشانہ چوک کر دوسرے کو جا لگے اور اسے قتل کر دے اس بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: رفع عن امتی الخطاء والنسیان وما استکرھوا علیہ یعنی میری امت سے خطا، نسیان اور اکراہ کے زیر اثر کیے گئے اعمال کی ذمہ داری ساقط کر دی گئی ہے: نیز اس لیے بھی کہ قصاص ایک انتہائی (شدید) سزا ہے لہٰذا قتل خطا میں اسکا نفاذ نہیں ہو سکتا اور قتل شبہ عمد میں بھی قصاص نہیں ہے اسکی صورت یہ ہے کہ مجرم ایسی چیز سے قتل کا ارادہ کرے جو غالباً ہلاک نہیں کرتی لیکن اس سے مجنی علیہ مر جائے تو اس میں مجرم پر قصاص واجب نہیں کیونکہ (بظاہر) اس نے قتل کا ارادہ نہیں کیا اس لیے اسے قتل کی سزا نہیں دی جا سکتی جیسا کہ شبہ کی صورت میں وطی پر حد زنا قائم نہیں کی جاتی کیونکہ ارتکاب زنا کا ارادہ مفقود ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وما کان لمؤمن ان یقتل مؤمنا الا خطاء یعنی کسی مومن کو زیبا نہیں کہ وہ کسی مؤمن کو (ابتداء) قتل کرے الا یہ کہ غلطی سے ایسا ہو جائے۔ قتادہ کے بقول اس آیت کا معنی یہ ہے کہ مؤمن کے لیے اللہ تعالیٰ کے حکم کی رو سے کسی مومن کو (ناحق) قتل کرنا جائز نہیں۔ بعض دوسرے لوگ کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی مؤمن کو (ناحق) قتل کرنے کے جواز کا (کسی کے پاس) کوئی سبب نہیں ایک اور گروہ کے خیال میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی شخص کے لیے مؤمن کا قتل ماضی میں جائز نہ تھا جیسا کہ اب نہیں ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

مذکورہ آیت میں لفظ "اِلّا" کے معنی میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے:

۱۔ بعض کہتے ہیں یہ استثناء منقطع بمعنی "لکن" ہے۔ یعنی (آیت کا مفہوم یہ) ہو سکتا ہے کبھی مؤمن کو (غلطی سے) قتل کر دے اور جب ایسا ہو تو اس کا حکم یہ ہے۔

۲۔ بعض دوسرے لوگ اسے استثناء صحیح قرار دیتے ہیں۔ یعنی اس کا مفاد یہ ہے کہ مؤمن کے لیے (روا) ہے کہ بعض حالات میں وہ کسی مومن کو خطاءً قتل کر دے مثلاً اس صورت میں جب کہ اس (مقتول) پر مشرکین کی علامت ظاہر ہو یا اسے مشرکین کی جگہ میں دیکھے اور مشرک سمجھتے ہوئے قتل کر دے، ایسا قتل جائز ہے اور یہ قتل خطاء ہے چنانچہ زہری حضرت عروہ بن زبیرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حذیفہ بن یمانؓ غزوۂ احد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شامل جہاد تھے لوگ غلطی سے ان کے والد کو دشمن سمجھتے ہوئے تلواریں سونت کر ان پر ٹوٹ پڑے حضرت حذیفہؓ پکار رہے تھے کہ یہ میرے والد ہیں لیکن کوئی ان کی بات نہ سمجھا یہاں تک کہ لوگوں نے یمانؓ کو قتل کر دیا اس پر حضرت حذیفہؓ نے کہا، اللہ آپ لوگوں کو معاف فرمائے وہ سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں آئی تو حضرت حذیفہؓ کا مرتبہ آپ کے نزدیک اور بلند ہو گیا۔

۳۔ بعض لوگوں کے نزدیک لفظ اِلّا بمعنی "وَلا" ہے اور آیت کا مفہوم یہ ہے مؤمن کو خطاءً قتل کرنا بھی جائز نہیں، (ان کی دلیل یہ ہے کہ) مؤمن کو قتل کرنا کسی حال میں بھی روا نہیں، لہٰذا استثناء کو حقیقت پر محمول نہیں کیا جا سکتا لیکن یہ رائے دو وجوہ کی بنا پر بے وزن (اور ناقابل قبول) ہے:

۱۔ لفظ اِلّا، وَلا کے معنی میں (کہیں بھی) استعمال نہیں ہوا[1]

---

[1] قاموس محیط میں ہے کہ لفظ اِلّا عاطفہ بمعنی واؤ بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد بقیہ حاشیہ صفحہ اگلے پر

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ب۔ جو چیز قتل کے جواز سے انکار کی بنیاد بنتی ہے وہ اسے حرام قرار دینے کی صورت میں بھی موجود ہے کیونکہ اگر حرمت قتل خطاء کا سبب یہ ہو کہ اس کا خطا ہونا (مجرم کو) معلوم نہیں تو اس صورت میں قتل خطاء کا ممنوع قرار پانا اور اس سے روکا جانا بھی درست نہیں ٹھہرتا۔

۴۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ارشاد خداوندی: وما کان لمؤمن ان یقتل مؤمنا الا خطاء مومن کے قاتل پر وجوب سزا کو متضمن ہے کیونکہ مطلقاً نہی قتل کا تقاضا یہی ہے اور اس کا مفاد یہ ہے کہ قاتل گناہ گار ہے اب الا خطاء کہہ کر خطا کار کو قتل کے گناہ سے بری قرار دیا گیا ہے۔ یوں یہ استثناء درحقیقت آیت (کے حصہ اوّل) میں متضمن استحقاق گناہ پر وارد ہوا ہے اور قتل خطأ کے مرتکب کو اس (استحقاق گناہ) سے خارج کیا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ومن قتل مؤمنا خطاء فتحریر رقبة مومنة ودیة مسلمة الی اھلہ۔ یعنی جو شخص کسی مؤمن کو غلطی سے قتل کر دے تو اس پر ایک مسلمان غلام (لونڈی) کا آزاد کرنا ہے اور دیت ہے جو اس کے خاندان والوں کے حوالہ کر دی جائے۔

اس آیت میں یہ بیان نہیں کیا گیا کہ قتل خطا کی دیت کس پر عائد ہو گی قاتل پر یا اس کی مددگار برادری پر لیکن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر احادیث کے ذریعہ یہ ثابت ہے کہ قتل خطا کی دیت مجرم کی عاقلہ ادا کرے گی اور اس پر فقہاء کرام

بقیہ حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ خداوندی: لئلا یکون للناس علیکم حجة الا الذین ظلموا میں معنی یہ کہ لوگوں کے پاس تمہارے خلاف کوئی حجت نہ ہو حتی کہ ظالموں کے پاس نہ ہو۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کا اتفاق ہے [1]

مذکورہ آیت سے (دراصل) یہ حقیقت ابھرتی ہے کہ کسی مؤمن کے لیے ہرگز جائز نہیں کہ وہ جان بوجھ کر اپنے دینی بھائی کو قتل کر دے ورنہ (ایسا کرنے سے) اس پر قصاص واجب ہوگا البتہ کبھی غلطی سے قتل مؤمن کا صدور ہو سکتا ہے اور اس صورت میں وہ سزائیں نافذ ہونگی جو آیت (زیر نظر) میں بیان کی گئی ہیں۔ یہ فہم اس امر پر مبنی ہے کہ آیت میں استثناء منقطع اور الا بمعنی لکن ہے تاہم اسے استثناء متصل قرار دینا بھی درست ہے اور اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ مؤمن سے کسی حال میں بھی قتل مؤمن کا صدور جائز نہیں بجز حالت خطا کے۔

ارشاد باری تعالیٰ: فتحریر رقبة مؤمنة کے بارے میں فقہاء کی آراء حسب ذیل ہیں۔

۱۔ امام ابوحنیفہ، صاحبین، زفر، حسن بن زیاد، اوزاعی اور امام شافعیؒ کا مؤقف یہ ہے کہ کفارۂ قتل میں ایسے بچے کا آزاد کرنا کافی (جائز) ہے جس کے ماں باپ میں سے کوئی ایک مسلمان ہو عطاؒ کی بھی یہی رائے ہے۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حسن، ابراہیم اور شعبیؒ کے نزدیک کفارۂ قتل میں صرف وہی غلام آزاد کیا جا سکتا ہے جس نے روزے رکھے ہوں اور نمازیں ادا کی ہوں یعنی بالغ ہو۔

کفارہ ظہار (میں چھوٹے بچے کو آزاد کرنے) کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں۔

پہلی رائے کی صحت پر ارشاد خداوندی: فتحریر رقبة مؤمنة دلالت کرتا ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک: کل مولود

---

[1] الجصاص: ج ۳، ص ۲۷۲

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

یولد علی الفطرۃ فابواہ یھودانہ او ینصرانہ (یعنی ہر بچہ (دینی) فطرت پر پیدا ہوتا ہے) (بعد میں) اس کے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی بنا دیتے ہیں) سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر بچہ ولادت کے وقت (دین) فطرت پر ہوتا ہے لہٰذا آیت کے مطلق الفاظ رقبۃ مؤمنۃ کی رو سے کفارۂ قتل میں نابالغ غلام کا آزاد کرنا درست ہے۔

بعض فقہاء کے نزدیک قتل خطاء کا مرتکب مقتول کے (ترکہ) کا وارث ہوگا لیکن دیت میں سے حصہ نہ پائے گا (ان کی دلیل یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے والدین اور اولاد کو ایک دوسرے کا وارث ٹھہرایا ہے اور جرم قتل محض اتفاق فقہاء کی رو سے مانع میراث ہے اب فقہاء کا اتفاق صرف قتل عمد کے بارے میں ہے خطاء کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے لہٰذا قتل خطا کا مرتکب مستحق میراث ہوگا[1]

قتل خطاء کی اقسام

بعض کہتے ہیں قتل خطاء کی دو قسمیں ہیں: خطاء فی القصد، خطاء فی الفعل۔

خطاء فی القصد یہ ہے کہ کسی شئے کو شکار خیال کر کے تیر (یا بندوق) مارے مگر وہ آدمی نکلے یا کسی شخص کو حربی کافر سمجھتے ہوئے نشانہ بنائے لیکن وہ مسلمان ثابت ہو۔

اور خطاء فی الفعل کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کسی نشانہ پر تیر مارے لیکن (نشانہ چوک جانے کی وجہ سے) تیر کسی آدمی کو جا لگے اور وہ ہلاک ہو جائے۔

صاحب تکملۂ فتح القدیر کہتے ہیں: اس عبارت (انواع خطاء کی تفسیر) میں تسامح ہے کیونکہ اس میں خطاء فی القصد کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ کسی شخص کو شکار سمجھتے ہوئے نشانہ بنایا جائے اور خطاء فی الفعل کی صورت یہ قرار دی گئی ہے کہ کسی نشانے پر تیر پھینکا جائے مگر وہ آدمی کو جا لگے، (حالانکہ) یہ مخفی نہیں کہ قتل خطاء کی ہر دو اقسام بیان کردہ تفسیر

---

[1] کتاب الدیات للضحاک ص ۱۶۹

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

میں منحصر نہیں ہیں اور صحیح یہ ہے کہ صاحب وقایہ کی طرح یوں کہا جائے کہ خطا فی القصد کسی مسلمان کو شکار یا حربی سمجھتے ہوئے نشانہ بنانے سے عبارت ہے اور خطا فی الفعل یہ ہے کہ کسی نشانے پر تیر پھینکا جائے مگر آدمی کو جا لگے۔

صدر الشریعہ[1] شرح وقایہ میں رقمطراز ہیں: (قتل) خطا دو قسم پر ہے۔ خطا فی القصد اور خطا فی الفعل یہ خطا فی الفعل یہ ہے کہ (مجرم) ایک فعل کا ارادہ کرے مگر اس سے کوئی دوسرا فعل صادر ہو جائے جیسے کسی نشانے پر تیر مارے مگر (نشانہ چوک کر تیر) کسی آدمی کو جا لگے اور خطا فی القصد یہ ہے کہ فاعل کے قصد و ارادہ میں غلطی واقع ہو جائے بایں طور کہ وہ اپنے تیر کی زد سے حربی کافر کا ارادہ کرے مگر اس قصد و ارادہ میں خطا کر جائے اور وہ (مجنی علیہ) مسلمان ظاہر ہو۔

الاصلاح والایضاح' کے مصنف نے صدر الشریعہ پر (خطا فی الفعل کی تعریف میں) اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے کہ:۔

جس نے خطا فی الفعل کی تفسیر یہ کی ہے کہ فاعل سے وہ فعل صادر نہ ہو جس کا اس نے ارادہ کیا تھا بلکہ کوئی دوسرا فعل صادر ہو جائے' اس نے گویا خطا فی الفعل کے بارے میں یہ شرط (ضروری) گمان کی ہے کہ مجرم سے اس کا فعل مقصود صادر نہ ہو بلکہ ایک دوسرا فعل صادر ہو' حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ اگر ایک شخص نے کسی نشانے پر تیر مارا اور وہ تیر ہدف پر لگنے کے بعد واپس آیا یا نشانے سے پار ہو کر (دوسری

---

[1] یہ چھوٹے صدر الشریعہ یعنی عبید اللہ بن مسعود بن محمود بن احمد المحبوبی البخاری الحنفی ہیں جو حکمت' طبیعات اور اصول الفقہ کے جلیل القدر عالم تھے' بخارا میں ۷۴۷ھ میں وفات پائی۔ آپ صدر الشریعہ اکبر کے صاحبزادے ہیں: آپ کی تصانیف: تعدیل العلوم' التنقیح مع شرح التوضیح' شرح الوقایہ' النقایہ' اور مختصر الوقایہ اور علم معانی میں الوشاح ہیں: (دیکھیے الاعلام للزرکلی: ج ۴: ص ۳۵۴)

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

جانب، کسی شخص کو جا لگا تو اس طرح خطا فی الفعل متحقق ہو جائے گی باوجودیکہ صدر الشریعۃ کی بیان کردہ شرط دونوں صورتوں میں مفقود ہے پھر (اس تعریف میں) ایک اور غلطی یہ ہے کہ انہوں نے (خطا فی الفعل میں) قصد کا اعتبار کیا ہے (یعنی اسے شرط سمجھا ہے) حالانکہ ایسا ہونا ضروری نہیں کیونکہ اگر ایک شخص کے ہاتھ سے لکڑی یا اینٹ چھوٹ کر گر پڑی اور اس کے لگنے سے کوئی شخص ہلاک ہو گیا تو یہ (قتل) خطا فی الفعل کی صورت ہے حالانکہ اس میں (مطلقاً) قصد نہیں پایا جاتا۔

صاحب تکملہ کہتے ہیں کہ (صدر الشریعۃ پر) اس اعتراض کی دونوں وجوہ بالکل ساقط ہیں۔ پہلی وجہ اس لیے ساقط ہے کہ صدر الشریعۃ نے خطا فی الفعل میں یہ شرط نہیں لگائی کہ خطا کار سے وہ فعل صادر نہ ہو جس کا اس نے ارادہ کیا ہے بلکہ انہوں نے خطا فی الفعل کی تفسیر یہ کی ہے کہ مجرم ایک فعل کا قصد کرے اور اس سے دوسرا فعل صادر ہو جائے۔ اور یہ عام ہے اس بات سے کہ مجرم سے فعل مقصود بھی صادر ہو جائے اسی طرح صدر الشریعۃ کی بیان کردہ یہ دوسری مثال کہ فاعل نشانے پر تیر مارے مگر وہ خطا کر جائے میں بھی جائز ہے کہ یہ فعل مقصود کے صدور اور عدم صدور کی دونوں صورتوں کو شامل ہو۔

اعتراض کی دوسری وجہ اس لیے باطل ہے کہ کسی شخص کے ہاتھ سے اینٹ یا لکڑی گرنے کے نتیجے میں واقع ہونے والا قتل، خطا فی الفعل کی صورت نہیں بلکہ قائم مقام خطا کی مثل ہے جیسا کہ کوئی سویا ہوا شخص چارپائی سے گر پڑے اور کسی کو قتل کر دے۔ قتل خطا میں مجرم کے اختیار (اور ارادہ) سے کسی فعل کا صدور لازم ہے اور ہاتھ سے کوئی چیز گر پڑنا ایک ایسا فعل ہے جو فاعل کے اختیار سے صادر نہیں ہوا بلکہ محض اس کے فعل کے طور پر واقع ہوا، لہٰذا یہ قتل قائم مقام خطا کی صورت ہے مطلق خطا کی نہیں اور یہاں بات مطلق قتل خطا کی ہو رہی ہے نہ کہ قائم مقام خطا کی جو نفس انسانی کے خلاف

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

جنایت کی ایک الگ اور مستقل نوع ہے [1]

اگر (میدان جہاد میں) مسلمانوں اور مشرکوں کی صفیں آمنے سامنے ہوں اور اس حالت میں کوئی مسلمان کو (غلطی سے) مشرک سمجھ کر قتل کر دے تو قاتل پر قصاص نہیں ہے البتہ کفارہ واجب ہوگا کیونکہ یہ قتل خطا کی ایک قسم ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا اور قتل خطا کی دونوں اقسام میں قصاص نہیں البتہ کفارہ اور دیت ہوگی جیسا کہ قرآن پاک میں اس کی تصریح ہے۔

اور غزوۂ احد میں جب مسلمانوں نے حضرت حذیفہؓ کے والد یمانؓ کو غلطی سے قتل کر دیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیت کا فیصلہ فرمایا۔

فقہاء کہتے ہیں کہ دیت صرف اس صورت میں واجب ہوگی جب کہ میدان جہاد میں کافر اور مسلمان (لڑائی کے دوران) ایک دوسرے میں (بایں طور) خلط ملط ہو گئے ہوں (کہ امتیاز باقی نہ رہا ہو) لیکن اگر ایک مسلمان کافروں کی صف میں شامل ہو تو اس کے قتل سے تاوان لازم نہ ہوگا کیونکہ کفار کی جماعت میں شریک ہو کر ان کی تکثیر عدد کا سبب بننے کے باعث اس کی عصمت نفس ختم ہو گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: من کثر سواد قوم فھو منھم یعنی جو شخص کسی قوم اور جماعت کی زیادتی (عدد) کا سبب بنے وہ انہیں میں سے شمار کیا جائے گا۔

قتل قائم مقام خطاء

اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص سونے میں کروٹ بدلے اور کسی دوسرے شخص پر گر کر اسے ہلاک کر دے۔ یہ قسم حقیقۃً قتل خطا نہیں ہے کیونکہ سونے والے نے کسی فعل کا ارادہ نہ کیا تھا جس میں اس سے خطاء واقع ہوئی ہو، لیکن چونکہ

---

[1] فتح القدیر: جلد ۸، ص ۲۵۳

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

فعل کا صدور اس سے ہوا ہے لہٰذا اس کے نتیجہ میں وقوع پذیر ہونے والا نقصان بھی اسی کے ذمہ ہے جیسا کہ بچہ کے فعل میں ہوتا ہے البتہ اسے قتل خطاء کی طرح قرار دیا گیا ہے اور اس کا حکم وہی ہے جو خطا کا ہے ارشاد باری تعالیٰ: فتحریر رقبۃ مؤمنۃ و دیۃ مسلمۃ الی اھلہ۔ یعنی مؤمن غلام آزاد کرنا اور مقتول کے ورثاء کو خون بہا ادا کرنا۔ حضرت عمرؓ نے صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں ایسے شخص پر تین سال کی مدت میں دیت کی ادائیگی واجب ٹھہرائی اور کسی نے انکار نہ کیا تو یہ اجماع قرار پا گیا[1]

قتل خطا اور قائم مقام خطاء کا حکم

قتل کے گناہ سے کم درجے کا گناہ: یہ گناہ ترک احتیاط کے باعث ہے کیونکہ مباح اور جائز اعمال صرف اس شرط کے ساتھ ہی کیے جا سکتے ہیں کہ ان سے کسی دوسرے شخص کو نقصان نہ پہنچے مگر جب کسی اور شخص کو مضرت پہنچ گئی تو ثابت ہو گیا کہ ملزم نے بے احتیاطی برتی ہے لہٰذا وہ گناہ گار ہے۔ اور قتل قائم مقام خطا کو قتل خطاء سے کم تر اس لیے گردانا گیا ہے کہ اس کا صدور بغیر کسی قصد و ارادہ کے ہوا ہے۔

۲۔ **دیت:** قتل کی اس نوع میں قصاص واجب نہیں ہوتا کیونکہ خطاء (کی مسئولیت) از روئے نص مرفوع ہے ارشاد خداوندی ہے: ولیس علیکم جناح فیما اخطأتم بہ یعنی اس میں تم سے جو بھول چوک ہو جائے اس کا تم پر کچھ گناہ نہیں ہے۔ نیز (دعا کی تلقین کرتے ہوئے) فرمایا ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطأنا۔ یعنی اے رب! ہم پر

---

[1] الزیلعی: ج ۶: ص ۱۰۱

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

گرفت نہ فرمائیے اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: رفع عن امتی الخطاء والنسیان وما استکرھوا علیہ یعنی میری امت سے خطا، نسیان، اور اکراہ کے سبب ذمہ داری ساقط کر دی گئی ہے۔

چنانچہ قتل خطا میں وجوب قصاص متعذر اور از روئے نص دیت واجب ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ومن قتل مؤمنا خطاء فتحریر رقبۃ مؤمنۃ ودیۃ مسلمۃ الی اھلہ۔ یعنی جو شخص خطا سے کسی مؤمن کو مار ڈالے تو (اس پر لازم ہے کہ) ایک مسلمان غلام آزاد کرے اور مقتول کے وارثوں کو دیت ادا کرے۔

قتل خطا کی دیت عاقلہ پر عائد ہوگی۔

۳۔ کفارہ قتل خطاء کا کفارہ ایک غلام آزاد کرنا ہے اور اگر اس سے عاجز ہو تو متواتر دو ماہ کے روزے رکھے۔ امام شافعیؒ کے ایک قول کی رو سے اگر قتل خطاء کا مرتکب روزے رکھنے سے عاجز ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتا ہے جیسا کہ کفارۂ ظہار میں ہے۔ لیکن حنفیہ کے نزدیک قتل خطا کے کفارہ میں مسکینوں کو کھانا کھلانا متصور نہیں۔

۴۔ میراث مقتول سے محرومی یہ سزا اس احتمال کی بنا پر ہے کہ مجرم نے میراث کے جلد حصول کا ارادہ کیا ہو اور (بظاہر) اپنی جانب سے کسی دوسرے محل پر نشانہ لگانے کا قصد ظاہر کرے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ جلد حصول میراث کی خاطر (اپنے مورث کو قتل کرنے کے لیے) نیند کا بہانہ بنائے[1] (یعنی جھوٹی نیند اپنے اوپر طاری کرے) حالانکہ درحقیقت وہ

---

[1] درر الحکام ملا خسرو ج ۲: ص ۹۰: اہل مدینہ کے نزدیک قتل خطاء کا مجرم مقتول (بقیہ حاشیہ ص ۲۹۵)

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

جاگ رہا ہو۔ لہٰذا اسے میراث مقتول سے محرومی کی سزا دی جائے گی۔

قتل بسبب اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص اپنی ملک سے باہر (شارع عام میں) کنواں کھودے یا پتھر رکھدے (اور اس کنویں میں گر کر یا پتھر سے ٹھوکر کھا کر کوئی شخص ہلاک ہو جائے) قتل بسبب کا حکم یہ ہے کہ قاتل کی مددگار برادری پر دیت واجب ہوگی البتہ اس میں کفارہ نہیں ہے۔ وجوب دیت اس بنا پر ہے کہ مجرم (شارع عام میں بالارادہ) کنواں کھود کر زیادتی کا مرتکب ہوا ہے اور یوں ایک انسان کی ہلاکت کا سبب بنا ہے۔ تو گویا یہ شخص مقتول کو کنویں میں دھکیلنے والا (مجرم) ہے لہٰذا انسانی جان کی حفاظت کی خاطر اس پر دیت واجب ہوگی لیکن چونکہ قتل کی یہ صورت، قتل خطا سے کم تر درجے کی ہے اس لیے تخفیفاً دیت مجرم کی عاقلہ پر عائد ہوگی جیسا کہ قتل خطا میں ہوتا ہے بلکہ یہاں تو بدرجۂ اولیٰ ایسا ہوگا کیونکہ قتل براہ راست مجرم کے ہاتھوں سے نہیں ہوا بلکہ صرف اس کے فراہم کردہ اسباب کی وجہ سے ہوا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ وہ کفارہ اور سزائے حرمان کا مستوجب نہیں ہے۔

(بقیہ حاشیہ) کی دیت میں حصہ دار نہ ہوگا لیکن اس کے مال کا وارث ہوگا امام محمد بن حسنؒ کہتے ہیں کہ اہل مدینہ نے یہ فرق کس بنا پر کیا ہے؟ جبکہ (قاعدہ کی رو سے) مال کا وارث ہونے کی صورت میں اسے دیت کا بھی وارث ہونا چاہیے۔ دیکھئے الرسالۃ للشافعی: ص ۱۸۱ تا ۱۸۲ اس مسئلہ میں بلعاوی نے بڑی عمدہ اور مفصل بحث کی ہے، دیکھیے احکام القرآن: ج ۱ ص ۴۰۔

نیز ملاحظہ ہو الزیلعی: ج ۶ ص ۱۰۲

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

فصل چہارم

استیفاءِ قصاص

مبحث اوّل

قصاص لینے کا حقدار

قصاص کا وارث قصاص وہ شخص لے گا جو مقتول کا وارث ہو۔ چنانچہ مقتول کے ہر وارث کو قصاص لینے (یا مطالبۂ قصاص) کا حق حاصل ہے اسی طرح مال دیت کا ہر وہ شخص حقدار ہے جو مستحق میراث ہو۔

اگر مقتول کا وارث بالغ ہو تو اسے بموجب ارشاد باری تعالیٰ: ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیہ سلطانا (یعنی جو شخص ناحق قتل کیا گیا ہم نے اس کے ولی کو اختیار دیا ہے) قصاص لینے کا حق حاصل ہے لیکن اگر وارث قصاص بچہ ہو تو بعض فقہاء کہتے ہیں کہ اس کے بالغ ہونے تک انتظار کیا جائے گا (یعنی قصاص پر عملدرآمد ملتوی رکھا جائے گا) جبکہ بعض کے نزدیک قاضی نابالغ کی طرف سے قصاص لے گا۔

مقتول کے وارث اگر متعدد ہوں اور سب بالغ ہوں تو ان میں سے ہر ایک کو استیفاءِ قصاص کی ولایت حاصل ہے تاہم قصاص پر عملدرآمد کے وقت ان سب کا حاضر ہونا ضروری (شرط) ہے اور بعض کی عدم موجودگی میں دوسرے قصاص نہیں لے سکتے کیونکہ غائب ورثاء کی طرف سے قصاص میں اپنا حق معاف کر دینے کا احتمال موجود ہے (اور بعض ورثہ کے معاف کر دینے پر قصاص مکمل طور پر ساقط ہو جاتا ہے کہ اس کے حصے نہیں

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کیے جا سکتے)۔

اور قصاص لینے کے لیے ایسی صورت میں کسی کو وکیل بنانا جائز نہیں جب کہ مؤکل خود قصاص پر عمل درآمد کے وقت موجود نہ ہو کیونکہ (اس صورت میں) غائب کی طرف سے معافی کا احتمال موجود ہے اور استیفاء قصاص کے وقت مؤکل (وارث مقتول) کی موجودگی اس لیے ضروری ہے کہ مجرم پر سزا نافذ ہوتے دیکھ کر اس کی طرف سے معافی کی امید (کی جا سکتی) ہے۔ لہٰذا اگر قصاص پر عمل درآمد کے وقت ولی خود موجود ہو تو استیفاء قصاص کے لیے اپنی طرف سے کسی کو وکیل مقرر کر سکتا ہے جیسا کہ (بعض) فقہاء نے بیان کیا ہے [1]

اگر ورثائے قصاص میں بعض بالغ اور بعض کم سن ہوں تو اگر بالغ وارث باپ ہو بایں صورت کہ قصاص باپ اور مقتول کے کم سن بیٹے کے درمیان (حق) مشترک ہو تو بالاتفاق باپ کو استیفاء قصاص کا حق حاصل ہے کیونکہ اگر وہ (بچہ) قصاص نہ لینا چاہے تو بھی باپ کو قصاص لینے کا حق حاصل ہے لہٰذا اس صورت میں اسے بدرجۂ اولیٰ یہ حق حاصل ہونا چاہیئے۔ لیکن اگر بالغ وارث باپ کے سوا کوئی اور شخص ہو مثلاً مقتول کا بھائی ہو تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اسے بچے کے بلوغ سے پیشتر قصاص لینے کا حق حاصل ہے جب کہ امام ابو یوسف اور امام شافعیؒ کے نزدیک وہ بچے کے بالغ ہونے کا انتظار کرے گا [2]

۱۔ یوں ابوت (پدری رشتہ) استیفاء قصاص کا حق دیتی ہے پس باپ اور دادا

---

[1] ابو لیلیٰ کے نزدیک قصاص اور حدود کے استیفاء میں وکیل بنانا جائز ہے۔ دیکھیئے المبسوط ج ۲۰ ص ۱۴۹: کتاب اختلاف ابی حنیفہ و ابی لیلیٰ۔

[2] بدائع الصنائع: ج ۷: ص ۲۴۴، فتح القدیر: ج ۶: ص ۱۰۴۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کو قتل یا اس سے کم تر جرائم میں بچے کے لیے (بطور حق) واجب ہونے والے قصاص کے استیفاء کا حق حاصل ہے۔ کیونکہ باپ کو بچے کی (تحفظ) مصلحت کی بناء پر ولایت حاصل ہے جس طرح نکاح کی ولایت ہے، اس لیے یہ ولایت (مصلحت)، ہر اس شخص کے لیے ثابت ہے جو بچے کے حق میں کمال درجے کی شفقت اور نظر مصلحت رکھتا ہو۔

۲ بچے کا وصی، اس کی طرف سے نفس کا قصاص نہیں لے سکتا البتہ اسے (قتل) نفس سے کم تر جرائم میں استیفاء قصاص کا حق حاصل ہے کیونکہ ما دون النفس (اعضائے جسم) کے ساتھ وہی معاملہ کیا جاتا ہے جو مال کے متعلق ہے اور وصی کو بچے کی طرف سے مال وصول کرنے کا حق حاصل ہے۔

۳۔ اگر مقتول کا کوئی ولی نہ ہو تو امام کو حق حاصل ہے کہ قصاص یا مال کے عوض صلح میں سے جس میں مصلحت عامہ دیکھے اختیار کر لے کیونکہ جس کا کوئی ولی نہ ہو، امام اس کا ولی ہوتا ہے لیکن اسے بلا معاوضہ معاف کر دینے کا حق حاصل نہیں کیونکہ اس میں عام لوگوں کا نقصان ہے [1]

اگر یہ کہا جائے کہ قصاص کو فرض کیونکر ٹھہرایا جا سکتا ہے جبکہ ولی الدم کو قصاص لینے یا معاف کر دینے کا اختیار حاصل ہے۔ تو جواب یہ ہوگا کہ قصاص ولی پر فرض نہیں بلکہ ولی کے حق کے طور سے قاتل پر (قصاص دینا) فرض ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ "یعنی تم پر مقتولوں کے باب میں قصاص فرض کیا گیا ہے۔ بناء بریں قصاص ولی الدم پر فرض نہیں

---

[1] درر الحکام: ج ۲، ص ۹۴۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

بلکہ اس کا حق ہے اور یہ چیز قاتل پر وجوب قصاص کی نفی نہیں کرتی اگرچہ صاحب قصاص کو اس میں اختیار حاصل ہو۔[1]

یہ (سلطان کو حق قصاص حاصل ہونا) امام محمدؒ کی رائے ہے ان کی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ السلطان ولی من لا ولی لہ یعنی جس کا کوئی ولی نہ ہو سلطان اس کا ولی ہے۔ اور روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کی شہادت کے وقت ہرمزان خنجر ہاتھ میں لیئے نکلا تو عبیداللہ بن عمرؓ نے اسے اپنے والد کا قاتل سمجھ کر قتل کر دیا۔ معاملہ حضرت عثمانؓ کے سامنے پیش ہوا تو حضرت علیؓ نے کہا کہ عبیداللہ سے قصاص لیجیئے حضرت عثمانؓ نے انکار کرتے ہوئے فرمایا میں اسے کیسے قتل کر دوں جب کہ کل اس کے والد شہید کر دیئے گئے۔ میں ایسا نہیں کروں گا لیکن مقتول (ہرمزان) چونکہ ارض (اسلام) کا باشندہ تھا اور میں اس کا ولی ہوں لہٰذا میں اس کی جانب سے (قصاص) معاف کرتا ہوں اور دیت ادا کرتا ہوں حضرت عثمانؓ کے اس ارشاد کا، کہ میں اس کی طرف سے معاف کرتا ہوں اور دیت ادا کرتا ہوں، مطلب یہ ہے کہ امام کو دیت پر مصالحت کا حق حاصل ہے لیکن وہ بلاعوض معاف نہیں کر سکتا کیونکہ قصاص مسلمانوں کا حق ہے اس دلیل سے کہ ایسے مقتول کی میراث انہی کی (اجتماعی) ملکیت ہے اور امام تو ان کی طرف سے نفاذ قصاص میں نائب ہے اور معاف کرنا ان کے حق کو اصلاً ساقط کر دینا ہے جو کہ جائز نہیں اسی لیے باپ اور دادا بھی (بچے کی جانب سے) ایسا نہیں کر سکتے حالانکہ وہ استیفاء قصاص کا حق رکھتے ہیں اور امام کو دیت پر مصالحت کا حق ہے جیسا کہ حضرت عثمانؓ نے کیا۔[2]

---

[1] الجصاص: ج ۱ ص ۱۵۶۔

[2] بدائع الصنائع: ج ۷: ص ۲۴۵

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

امام ابو یوسف کہتے ہیں، اگر مقتول دارالاسلام کا باشندہ ہو تو امام کو استیفاء قصاص کا حق نہیں البتہ وہ دیت لے سکتا ہے اور اگر مقتول دارالحرب والوں میں سے ہو تو امام قصاص بھی لے سکتا ہے اور دیت بھی ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر مقتول دارالاسلام کا شہری ہو تو عادتاً اس کا کوئی نہ کوئی ولی ضرور ہوتا ہے اور اس (حقیقی) ولایت کی موجودگی (کا احتمال) سلطان کی ولایت سے مانع ہے اس لیے وہ معافی کا اختیار نہیں رکھتا بخلاف اس کے اگر کوئی حربی دارالاسلام میں داخل ہو کر اسلام قبول کر لے تو بظاہر یہاں اس کا کوئی ولی نہیں۔

قصاص کی عدم تقسیم پذیری

اگر ورثائے قصاص میں سے کوئی ایک اپنا حصہ (قصاص) عوض لے کر یا بلا عوض ساقط کر دے تو باقی ورثاء دیت میں اپنا حصہ لینے کے حقدار ہوں گے (اور قصاص کا مطالبہ نہ کر سکیں گے) کیونکہ ان میں سے ہر ایک اپنے حصہ قصاص میں استیفاء یا بالعوض و بلا عوض اسقاط کی صورت میں تصرف کرنے کا مجاز ہے کہ اس کا یہ تصرف خالص اپنے حق میں ہو گا اس لیے نافذ ہو کر اس کے حصہ قصاص کو ساقط کر دے گا اور ساتھ ہی باقی اولیاء کا حق قصاص بھی ضرورتاً ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ قصاص ایسا حق ہے جو ثبوت اور سقوط کسی صورت میں بھی تقسیم قبول نہیں کرتا۔

لیکن اگر قاتل نے دو آدمیوں کو قتل کیا اور ان میں سے ایک (مقتول) کے ورثاء نے قاتل کو معاف کر دیا تو دوسرے (مقتول) کے ورثاء اس سے قصاص لینے کے حقدار رہیں گے کیونکہ اس صورت میں جرم قتل اور مقتول کے تعدد کی بناء پر دو (مختلف) قصاص واجب ہیں اور ایک کے ساقط ہو جانے سے دوسرے کا سقوط لازم نہیں آتا۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کیا عورت قصاص کی وارث ہے؟

امام مالکؒ اور شافعیؒ فرماتے ہیں کہ قصاص اور دیت میں خاوند یا بیوی کا کوئی حق نہیں ہے کیونکہ موت کے بعد میت کے وارث اس کے قائم مقام ہوتے ہیں اور یہ وراثت نسب کی بناء پر ہوتی ہے سبب کی بناء پر نہیں ہوتی کیونکہ سبب موت کے بعد منقطع ہو جاتا ہے۔

ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں: قصاص میں شوہر اور بیوی کا حق ثابت نہیں کیونکہ ان کے باہمی استحقاق کی اساس عقد (نکاح) ہے اور عقد کی بناء پر قصاص کا حق حاصل نہیں ہوتا کیا تم نہیں دیکھتے کہ وصی کو قصاص (لینے) کا حق نہیں کیونکہ قصاص کا مقصود (ولی الدم کی) تشفی اور (مجرم سے) انتقام ہے اور یہ چیز ایسے رشتہ داروں سے خاص ہے جو ایک دوسرے کے مددگار ہوتے ہیں، خاوند، بیوی ایک دوسرے کے عاقلہ بھی اس لیے نہیں کہ ان کے درمیان باہمی نصرت (مددگاری) نہیں پائی جاتی۔

احناف کا موقف یہ ہے کہ (مطالبۂ) قصاص تمام (ورثائے مقتول) کا حق ہے اس میں خاوند اور بیوی بھی شامل ہیں۔ ان کی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے، من ترك مالا او حقا فلورثته ومن ترك كلا فعلي" یعنی جس نے ترکہ میں مال یا کوئی حق چھوڑا تو وہ اس کے ورثہ کے لیے ہے اور جس نے کوئی محتاج (عیال) چھوڑا تو (اس کی حفاظت و رعایت) مجھ پر ہے۔ اور قصاص چونکہ مقتول کا حق (ثابت) ہے اس لیے مال کی طرح تمام ورثاء کو حاصل ہوگا۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشیم الضبابی کی بیوی کو اس کے شوہر (اشیم) کی دیت کا وارث ٹھہرایا تھا۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اور یہ (واضح) ہے کہ قصاص ایسا حق ہے جس میں وراثت جاری ہوتی ہے چنانچہ کسی مقتول کے دو بیٹوں میں سے اگر ایک اگر مر جائے تو اس کا بیٹا (مقتول کا پوتا) حق قصاص میں اپنے چچا کا (بر بنائے وراثت) شریک ہوگا۔ بنابریں حق قصاص سب وارثوں (بشمول خاوند بیوی) کے لیے ثابت ہے اور وراثت کے معاملہ میں رشتہ ازدواج میت کی وفات کے بعد بھی حکماً باقی رہتا ہے یا یہ کہ وراثت قصاص موت کے سبب یعنی جراحت کی نسبت سے ثابت ہو جائے گی (کہ جراحت کے وقت تو رشتہ زوجیت قائم تھا)۔

حضرت علیؓ دیت کو بھی ان تمام افراد میں تقسیم فرماتے تھے جو میراث پاتے تھے کہ دیت کا حکم بھی وہی ہے جو باقی تمام اموال کا ہے چنانچہ اگر میت اپنے مال کے تیسرے حصے کی وصیت (کسی کے حق میں) کرے تو اس کا اطلاق دیت کے مال پر بھی ہوگا۔ اور قصاص بھی دیت کی طرح نفس کا بدل ہے اس لیے میت کے تمام اموال کی طرح یہ بھی ورثاء میں (یکساں) تقسیم ہوگا یہی وجہ ہے کہ اگر (حق) قصاص مال (دیت) میں منتقل ہو جائے تو میت کا قرض بھی اس میں سے ادا کیا جائے گا اور اس کی وصیت بھی نافذ ہوگی۔ پھر یہ ہے کہ زوجیت کے ناطے وراثت کا استحقاق نسب کی بناء پر استحقاق وراثت کی مانند ہے نہ کہ عقد کی بناء پر استحقاق کی مانند، کیا تم نہیں دیکھتے کہ یہ (استحقاق زوجیت) واپس لوٹانے سے ختم نہیں ہو جاتا بخلاف وصیت کے، اور اسی سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ زوجیت کی بناء پر استحقاق وراثت، از روئے عقد نہیں بلکہ حکم عقد (نتیجہ عقد، رشتہ زوجیت) پر مبنی ہے اور خاوند بیوی کے باہم مددگار برادری نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ (حق) قصاص کی وراثت سے بھی محروم ہو جائیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ مقتول میں اقارب میں سے بچے اور عورتیں اس کی

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

عاقلہ شمار نہیں ہوتے لیکن اس کے باوجود وہ قصاص اور دیت کی وراثت کا استحقاق رکھتے ہیں۔ اور اس سے بھی قریب تر صورت یہ ہے کہ کسی عورت کے بالغ بیٹے اس کی عاقلہ متصور نہیں ہوتے لیکن اس کے وارث ہوتے ہیں۔[1]

امام شافعیؒ نے یہ بھی کہا ہے کہ مقتول کی رشتہ دار عورتوں کو قصاص لینے کا حق نہیں البتہ وہ معافی کرنے کا حق رکھتی ہیں کیونکہ عورت اپنی (طبعی) کمزوری کے باعث قتل کرنے کی اہل نہیں، امام شافعیؒ کا یہ قول حنفیہ کے خلاف ہے کیونکہ ان کے نزدیک بچے اور عورتیں (دیت ادا کرنے میں) عاقلہ تو شمار نہیں ہوتیں لیکن قصاص اور دیت میں وراثت کا حق رکھتی ہیں۔

اس سلسلہ میں علامہ قرطبی رقمطراز ہیں: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ومن قتل مظلوما (یعنی جو مظلوم قتل کیا گیا) بغیر اس کے کہ وہ واجب القتل رہا ہو تو فقد جعلنا لولیہ سلطانا (ہم نے اس کے ولی کو غلبہ عطا کیا ہے) یعنی قاتل کے خون کا حقدار بنا دیا ہے۔ ابن خویز مقداد کہتے ہیں کہ ولی کا مرد ہونا ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے (اس آیت میں) جسے ولی فرمایا ہے تنہا اس کا ذکر مذکر (کے صیغے میں) آیا ہے اور اسماعیل بن اسحاق "فقد جعلنا لولیہ سلطانا" کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس سے عورت کا ولی کے مطلق لفظ سے خارج ہونا ثابت ہوتا ہے پس یہ ناگزیر ہوا کہ قصاص کے معاملہ میں عورتوں کو دخل نہ ہو، نہ ان کے معاف کرنے کا کوئی اثر ہوگا اور نہ وہ (قصاص، دیت وغیرہ) کی وصولیابی کر سکتی ہیں۔

اس رائے کے مخالفین کہتے ہیں کہ یہاں (آیت مذکورہ میں) لفظ ولی سے مراد وارث ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ والمؤمنون والمؤمنات بعضهم

---

[1] الزیلعی ج ۶، ص ۱۴۰ اینز دیکھئے المبسوط: ج ۲۶ ص ۱۵۷۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اولیاء بعض[1]۔ یعنی مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے ولی (مددگار، وارث) ہیں۔ اور فرمایا: والذین امنو ولم یھاجروا مالکم من ولایتھم من شیٔ[2]۔ یعنی جو لوگ ایمان لائے آئے لیکن ہجرت نہیں کی تو تمہارے لیے ان کی وراثت میں سے کوئی چیز نہیں۔ نیز ارشاد ہوا: واولوا الارحام بعضھم اولی ببعض فی کتاب اللہ[3]۔ یعنی حکم الٰہی کے مطابق (ورثہ میں) رشتہ ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔ یہ (آیات) متقاضی ہیں کہ قصاص کے مطالبہ کا حق تمام ورثاء (خواہ مرد ہوں یا عورت) کو حاصل ہو[4]

قصاص کون نافذ کرے گا؟

فقہاء کے درمیان اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ قتل (عمد) کی صورت میں قصاص کا نفاذ اس حاکم کے سوا کوئی نہیں کر سکتا جو نفاذ قصاص اور اجرائے حدود وغیرہ کا مجاز ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حکم قصاص (کے نفاذ) کے لیے تمام مومنین سے خطاب فرمایا ہے اور یہ تو نہیں ہو سکتا کہ نفاذ قصاص کے لیے تمام مسلمانوں کو جمع کیا جا سکے لہٰذا قصاص اور دیگر حدود شرعیہ کے نفاذ میں مسلمانوں نے حاکم کو اپنا قائم مقام بنا دیا ہے۔[5]

ائمہ فتویٰ کا اس پر اتفاق ہے کہ کسی شخص کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ بطور خود کسی سے اپنا حق قصاص وصول کرے، بجز سلطان کے انسان کو اپنا یہ خود حق ایک دوسرے سے وصول کرنے کا اختیار نہیں ہے یہ کام صرف حاکم کا ہے یا اس کا ہے جسے حاکم

---

[1] توبہ: ۷۱

[2] الانفال: ۷۲

[3] الانفال: ۷۵

[4] جامع احکام القرآن للقرطبی: ج ۱۰، ص ۲۵۵۔

[5] القرطبی: ج ۲: ص ۲۴۵۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

نے اس کا مجاز بنایا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے سلطان کو بنایا ہی اس لیے ہے کہ وہ انسانوں کے باہمی حقوق ایک دوسرے سے (پورے) وصول کرائے۔[1]

حاکم سے قصاص

قرطبی میں آیا ہے: تمام فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ حاکم اگر اپنی رعایا میں سے کسی پر ناروا زیادتی کرے تو اسے قصاص دینا ہوگا کیونکہ وہ بھی رعایا میں سے ایک فرد ہے، اسے وصی یا وکیل کی طرح مفاد عامہ کی نگہداشت کا جو امتیاز حاصل ہے اس کی وجہ سے وہ قصاص سے مستثنیٰ نہیں قرار دیا جا سکتا، احکام الٰہیہ (کی پابندی) کے سلسلہ میں حاکم اور عامۃ الناس میں کوئی فرق نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ یعنی تم (مسلمانوں) پر مقتولوں کا قصاص (یکساں) فرض ہے۔

حضرت ابوبکرؓ سے یہ امر ثابت ہے کہ ایک شخص نے آپ سے شکایت کی فلاں حاکم نے ناحق اس کا ہاتھ کاٹ دیا۔ آپ نے فرمایا، اگر تو سچا ہے تو میں اس سے تجھے قصاص دلاؤں گا۔ نسائی میں ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی چیز تقسیم فرما رہے تھے کہ ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھپٹ پڑا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کی خشک شاخ سے جو آپ کے ہاتھ میں تھی اسے چبھوئی اس شخص نے چیخ ماری، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ آؤ اور اس کا قصاص لو۔ اس شخص نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے معاف کر دیا۔

ابوداؤد طیالسی نے ابو فراس سے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے ایک خطبہ میں فرمایا کہ اگر کسی کے امیر نے اس پر ظلم کیا ہو تو اسے چاہیئے کہ مجھے شکایت کرے

---

[1] القرطبی: ج ۲، ص ۲۵۶۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

تاکہ میں اسے قصاص دلاؤں۔ اس پر حضرت عمرو بن عاص نے کھڑے ہو کر کہا کہ اے امیر المومنین! اگر ہم میں سے کوئی امیر اپنی رعایا میں سے کسی شخص کو تادیب کرے تو کیا آپ اس سے بھی بدلہ دلوائیں گے فرمایا میں کس طرح بدلہ نہ دلواؤں جبکہ میں نے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات کا بدلہ دیتے تھے۔ ابوداؤد سجستانی نے حضرت عمر کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔ اے لوگو! میں نے اپنے گورنروں کو اس لیے نہیں بھیجا کہ وہ تمہارے چہرے پر ماریں اور تمہارے مال پر قبضہ کرلیں اگر کوئی عامل ایسا کرے تو اس کا معاملہ میرے پاس لایا جائے میں اس سے ضرور بدلہ دلواؤں گا۔ آگے اس مذکورہ مضمون کی حدیث بیان کی ہے [1]

قاتل کو قتل کرنا

قصاص واجب ہونے کے بعد اگر ولی مقتول نے مجرم کو تلوار، یا عصا سے قتل کر دیا یا وہ ولی مقتول کے راستے میں کھودے ہوئے کنویں میں گر کر یا اس کے رکھے ہوئے پتھر سے ٹکرا کر ہلاک ہو گیا تو ولی مقتول پر کچھ عائد نہ ہوگا کیونکہ قاتل کا خون ولی قصاص کے لیے مباح ہے۔ لیکن میری رائے یہ ہے کہ حاکم کے اختیار (نفاذ قصاص) پر دست درازی کے جرم میں ولی مقتول کو تعزیری سزا دی جائے۔

اگر ولی مقتول کے علاوہ کسی اور شخص نے قاتل کو عمداً یا خطا اور ولی کی اجازت (حکم) کے بغیر قتل کر دیا تو پہلے مقتول کا خون باطل ہو کر ولی کا حق (قصاص و تاوان) ساقط ہو جائے گا۔ (کیونکہ محل قصاص ہی نہ رہا) اور اس دوسرے قاتل پر عمد کی صورت میں قصاص اور خطا کی صورت میں اس کی مددگار برادری پر دیت لازم ہوگی کیونکہ قاتل کا

---

[1] القرطبی: ج ۲، ص ۲۳۸۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

خون ولی مقتول کے علاوہ تمام لوگوں کے لیے ارتکاب قتل سے پہلے کی طرح محفوظ اور محترم ہے اور ولی کا حق اس لیے ساقط ہوگا کہ اس کا محل ہی نہ رہا۔

اور اگر کسی غیر شخص نے قاتل کو قتل کر دیا پھر ولی الدم نے کہا کہ میں نے اس شخص (کو ایسا کرنے کا) حکم دیا تھا اور اس بارے میں اس نے کوئی شہادت پیش کر دی تو اس صورت میں دوسرے قاتل پر کچھ لازم نہ ہوگا[1]

کیونکہ گواہی سے ثابت شدہ معاملہ ایسا ہی ہے جیسے مشاہدہ سے ثابت ہو۔ لیکن اگر ولی الدم کے پاس اس سلسلہ میں کوئی شہادت موجود نہ ہو تو پھر عمد کی صورت میں اس پر قصاص اور خطا کی صورت میں اس کی عاقلہ پر دیت واجب ہوگی اس لیے کہ اس نے ایسی چیز کا حکم دیا جس کے استیفاء کا وہ مالک نہ تھا کہ اس کا حق فقدان محل کی بناء پر ساقط ہو چکا تھا[2]

ماوردی کہتے ہیں: استیفاء قصاص (کے وقت) میں دس امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

۱۔ حاکم یا اس کے نائب کی موجودگی، کہ حاکم کی اجازت کے بغیر قصاص نہ لیا جائے گا۔

۲۔ دونوں گواہان (قتل) کا حاضر ہونا۔

۳۔ (قصاص نافذ کرنے والے کے) مددگاروں کی موجودگی کیونکہ ہو سکتا ہے مجرم کی مشکیں کسنے میں ان کی ضرورت پڑے۔

۴۔ مستحق قصاص (مجرم) کو اپنی فوت شدہ نمازیں قضا کرنے کی ہدایت

---

[1] المبسوط: ج ۲۶، ص ۱۶۳

[2] میری رائے یہ ہے کہ ان دونوں (ولی الدم اور قاتل) کو تعزیری سزا دی جائے گی

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کی جائے۔

۵۔ اسے اپنے حقوق اور واجبات کے سلسلہ میں وصیت کرنے کو کہا جائے۔

۶۔ اسے گناہوں سے توبہ کرنے کی تلقین کی جائے۔

۷۔ مجرم کو مقام قصاص (قتل گاہ) تک نرمی اور آہستگی سے لے جایا جائے (اس پر سختی نہ کی جائے اور) اسے گالیاں نہ دی جائیں۔

۸۔ مجرم کا ستر (ڈھانپ کر) باندھ دیا جائے تاکہ کھلنے نہ پائے۔

۹۔ اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی جائے تاکہ وہ اپنے قتل کا منظر نہ دیکھ پائے۔

۱۰۔ مجرم کی گردن کھینچ کر (تاکہ سر اور دھڑ کے درمیان مقام ضرب واضح ہو سکے) تیز تلوار سے وار کیا جائے، کند یا زہر آلود تلوار نہ استعمال کی جائے [1]

مبحث دوم

کیفیت استیفاء قصاص

استیفاء قصاص کی کیفیت میں فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔

۔امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے اصحاب (صاحبین اور زفر) کا موقف یہ ہے کہ مجرم نے مقتول کو خواہ کسی بھی طرح ہلاک کیا ہو، اسے قصاص میں صرف تلوار سے قتل کیا جائے گا۔ ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

۱۔ سفیان ثوری اپنی سند (کے واسطے) سے نعمان بن بشیر کی روایت بیان کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا لا قود الا بالسیف یعنی قصاص صرف تلوار ہی سے ہے۔ اس سے مراد (یقیناً) یہ ہے کہ قصاص تلوار سے نافذ

---

[1] الاشباہ والنظائر للسیوطی، ص ۵۱۳۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کیا جائے نہ یہ کہ تلوار سے ارتکاب قتل کی صورت میں قصاص واجب ہے کیونکہ تلوار کے علاوہ دیگر ذرائع و آلات مثلاً آگ سے ہلاک کرنے کی صورت میں بھی قصاص واجب ہوتا ہے اس سے یہ بات حاصل ہوتی ہے استیفاء تلوار کے علاوہ کسی اور چیز سے جائز نہیں۔ پس یہ حدیث دو امور پر دلالت کرتی ہے۔

۱۔ وجوب قصاص سے متعلق آیات قرآنیہ کی مراد کا تعین۔

۲۔ حدیث کی ابتداء عموم سے ہو رہی ہے جس سے تلوار کے علاوہ اور کسی چیز سے استیفاء قصاص کی نفی ہوتی ہے۔

ب۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، ان اللہ عزوجل کتب الاحسان علی کل شیء فاذا قتلتم فاحسنوا القتلۃ واذا ذبحتم فاحسنوا الذبحۃ ولیحد احدکم شفرتہ ولیرح ذبیحتہ" یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز سے احسان (اچھا سلوک) کرنا فرض ٹھہرایا ہے۔ پس جب تم کسی کو سزائے قتل دو تو اسے سلیقہ سے قتل کرو اور جب کوئی جانور ذبح کرو تو سلیقہ سے ذبح کرو اور چاہیے کہ ہر (ذبح کرنے والا) شخص اپنے خنجر (چھری) کو تیز کرلے اور اپنے ذبیحہ کو راحت پہنچائے۔ پس جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلیقہ کے ساتھ قتل کرنے اور اللہ تعالیٰ کو حلال کردہ جانوروں کو ذبح کرتے وقت راحت پہنچانے کا حکم دیا ہے تو انسان جو کہ نہایت شرف و احترام رکھتا ہے اس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ اس حدیث کو ابو قلابہ نے ابوالاشعث کے واسطہ سے شداد بن اوس سے روایت کیا ہے۔

ج۔ یحییٰ بن ابی انیسہ زبیر اور جابر کے واسطے سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "لا یستقاد من الجراح حتی تبرأ" یعنی زخموں کے مندمل ہو جانے تک انکا قصاص نہ لیا جائے اگر مجرم کے ساتھ قصاص میں اسی کے عمل جیسا عمل کیا جانا ضروری ہوتا تو زخموں کے قصاص

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

میں) اس تأنی اور انتظار کا کوئی معنی نہ تھا بلکہ (زخم کے بعد) قصاص لینا واجب ہونا چاہیے تھا خواہ زخم مندمل ہو جائے یا سرایت کر جائے پس اندمال زخم تک قصاص میں انتظار کے اس حکم سے، جس کا مفاد یہ ہے کہ زیادتی کا انجام دیکھا جائے، یہ عیاں ہے کہ قصاص میں انجام جرم کا اعتبار ہے کہ اگر زخم سرایت کر کے ہلاکت پر منتج ہو تو یہ جرم قتل بن جائے گا اور (اس صورت میں) صرف قتل ہی کا قصاص واجب ہوگا جراحت رسانی کا کوئی اعتبار نہ ہوگا جس طرح کہ خطاءً زخم لگانے کے بارے میں کہا گیا ہے کہ فوراً تاوان کا فیصلہ نہ کیا جائے بلکہ انتظار کیا جائے پھر اگر یہ زخم سرایت کر جائے تو جان کی دیت واجب ہوگی کیونکہ اعضائے بدن جان کے تابع (اور اس میں داخل) ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ ۔ یعنی تم پر مقتولوں کا قصاص فرض کیا گیا ہے۔ نیز فرمایا: والجروح قصاص یعنی زخموں میں قصاص ہے۔ پس ضروری ہے کہ قصاص بغیر کسی زیادتی کے لیا جائے اور تلوار کے بغیر دیگر طریقوں مثلاً آگ میں جلانے، غرق کرنے یا پتھر مار کر ہلاک کرنے یا قید رکھنے وغیرہ سے قصاص لیا جائے تو ان صورتوں میں مجرم کے ساتھ اس کے فعل جرم سے زیادہ فعل کرنا پڑے گا کیونکہ اگر وہ ایسی سزائے مثلی سے مر نہ سکا تو پھر اسے تلوار سے ہلاک کیا جائے گا۔ یا وہی عمل اس کے ساتھ دھرایا جائے گا تا آنکہ وہ مر جائے اور یہ بھی اس زیادتی (اعتداء) میں داخل ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد پاک: فمن اعتدیٰ بعد ذٰلك فلهٗ عذاب الیم[1] یعنی اس کے بعد جو زیادتی کرے تو اسکے لیے دردناک عذاب ہے، میں منع فرمایا ہے۔ کیونکہ زیادتی (یہاں) حد قصاص سے تجاوز کرنے

---

[1] البقرہ: ۱۷۸

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کا نام ہے اور قصاص مجرم کے ساتھ مساوی طور پر اسی کے فعل جیسا فعل کیا جائے۔ بشرطیکہ یہ مساوات ممکن ہو۔ اور اگر یہ مساوات (برابری) متعذر ہو تو پھر مجرم کو بسرعت ممکنہ قتل کیا جائے گا۔ اور یوں اتلاف نفس کی جہت سے یہ اس کے لیے برابر کا بدلہ قرار پائے گا۔

رہا امام مالک کا یہ قول کہ مجرم کے مرنے تک اس پر وہی فعل دھرایا جاتا رہے جو اس نے مقتول کو ہلاک کرنے کے لیے انجام دیا تھا، تو ایسا کرنا قاتل کے فعل جرم سے زیادہ اور مفہوم قصاص سے خارج قرار پائے گا۔ اور امام شافعیؒ کا یہ قول کہ اگر مجرم اپنے مجرمانہ فعل کے مانند فعل سے ہلاک نہ ہوا تو پھر اسے (تلوار سے) قتل کر دیا جائے گا، حکم آیت کے منافی ہے کیونکہ اگر قصاص اس سے عبارت ہے کہ مجرم کے ساتھ اس کے فعل جیسا فعل کیا جائے تو وہ ہو چکا اب اس کے بعد اسے قتل کرنا حد قصاص سے تجاوز ٹھہرے گا اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: ومن یتعد حدود اللہ فقد ظلم نفسہ"[1] یعنی جو شخص حدود اللہ سے تجاوز کرے وہ اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: فمن اعتدیٰ علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدیٰ علیکم[2] یعنی جو کوئی تم پر زیادتی کرے تو جس طرح کا معاملہ اس نے تمہارے ساتھ کیا ہے ویسا ہی سلوک تم بھی اس کے ساتھ کرو۔ نیز فرمایا: وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم بہ[3]۔ یعنی اگر تم سزا دینا چاہو تو اسی قدر سزا دو جتنی تمہیں تکلیف پہنچائی گئی ہے۔ یہاں اس امر کی ممانعت فرمائی ہے کہ مجرم نے جتنا زخم لگایا اسے اس سے زیادہ زخم لگایا جائے یا جتنا فعل (جرم) اس نے کیا ہے

---

[1] الطلاق: ۱

[2] البقرہ: ۱۹۴ [3] النحل: ۱۲۶

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اس کے ساتھ اس سے زیادہ کیا جائے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مجرم کے ساتھ صرف اتنا ہی فعل کیا جانا چاہیے جتنا اس نے کیا ہے، نہ کہ اس سے زیادہ۔

و۔ اس (امر) پر سب (فقہاء) کا اتفاق ہے کہ جس نے کسی شخص کا بازو درمیان سے کاٹ دیا اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا کیونکہ مجرم کا ہاتھ کاٹنے میں مضرت رسیدہ کی مقدار حق پر اقتصار متیقن نہیں، حالانکہ کوشش و اجتہاد سے اس امر کا ظن غالب ہو سکتا ہے کہ مجرم کے ہاتھ پر اسی جگہ چھری چلائی گئی ہے جس جگہ سے مضرت رسیدہ کا ہاتھ کاٹا تھا لیکن اگر اس صورت میں اجتہاد (اور ظن غالب) کو کوئی دخل نہیں تو پھر ایسے طور پر قصاص لینا کیونکر جائز ہے جبکہ ہم یقینی طور پر جانتے ہوں کہ وہ اپنے حق سے زیادہ وصول کر رہا ہے اور مجرم کی جنایت سے زیادہ اس پر جنایت کا مرتکب ہو رہا ہے۔

ز۔ قصاص عبارت ہے برابر کے بدلے سے اور پتھر مار کر (یا کچل کر) ہلاک کرنے کی کوئی مقدار متعین نہیں جس کی رو سے یہ قرار دیا جا سکے کہ مجرم کو پتھر مار کر ہلاک کرنے میں اس کے جرم کی مقدار سے تجاوز نہیں کیا گیا یہی حال تیر یا نیزہ پھینک کر اور آگ میں جلا کر ہلاک کرنے کا ہے: (اس لیے) یہ جائز نہیں کہ قصاص سے مراد ایسی مماثلت (کیفیت) ہو بلکہ اس سے مراد لازماً یہ ہے کہ مجرم کی جان کا بسرعت ممکنہ خاتمہ کر دیا جائے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منقلہ (وہ چوٹ جس سے ہڈی ٹوٹ کر جگہ سے ہٹ جائے) اور جائفہ (وہ زخم جو سینے اور پیٹ کے خلا تک پہنچ جائے) میں قصاص کی ممانعت فرمائی ہے کیونکہ ان زخموں کا قصاص مقدار جرم کے برابر لیا جانا مشکل ہے اسی طرح تیر پھینک کر یا پتھر مار کر قصاص

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

میں قتل کرنا بھی بایں معنی ممکن نہیں کہ مجرم نے مقتول کے جو اعضاء تلف کیئے اس کے بھی وہی اعضاء تلف ہوں اور اسی قدر تکلیف پہنچے جتنی تکلیف اس نے مضرت رسیدہ کو پہنچائی ہے۔

ح۔ حدیث میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مثلہ (ہیئت بگاڑنے) سے منع فرمایا کیونکہ ایسا کرنا معصیت (گناہ) ہے، اور قصاص سے مراد ہر ممکن آسان طریقہ سے مجرم کی جان کا اتلاف ہے جو کہ تلوار ہی سے ممکن ہے اسی لیے فقہاء کرام اس امر پر متفق ہیں کہ اگر ایک شخص نے کسی کو (کثرت سے) شراب پلا کر ہلاک کر دیا تو قصاص میں اس کے ساتھ ایسا نہیں کیا جائے گا کیونکہ شراب پلانا معصیت ہے۔ بلکہ اس کو تلوار سے قتل کیا جائے گا۔ اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حیوان کے کسی حصے کو نشانہ بنانے سے منع فرمایا جس سے قاتل کو تیر مار کر ہلاک کرنے کی ممانعت بھی ثابت ہوتی ہے[1]

ثانیاً: ابن قاسم امام مالک سے روایت کرتے ہیں کہ اگر قاتل نے لاٹھی یا پتھر سے یا آگ میں جلا کر یا پانی میں ڈبو کر ہلاک کیا تو قصاص میں قاتل کے ساتھ بھی ویسا ہی کیا جائے گا اور اس پر موت تک وہی عمل دہرایا جاتا رہے گا خواہ اس کے جرم کی مقدار سے بڑھ ہی کیوں نہ جائے البتہ دو وجوہ اور دو حالتوں میں ایسا نہیں کیا جائے گا۔

وجہ اوّل: اگر قاتل نے کسی ناجائز عمل مثلاً شراب پلا کر یا لواطت کے ذریعہ قتل کیا تو مجرم کے ساتھ وہی عمل نہیں کیا جائے گا (بلکہ اسے تلوار سے قتل کر دیا جائے گا۔

وجہ دوم: اگر مجرم نے زہر پلا کر یا آگ کے ذریعہ ہلاک کیا تو قصاص میں اسی

---

[1] الجصاص: ج ۱ ص ۱۸۷

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

طرح قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ مثلہ کی صورت ہے۔

اس وجہ دوم کے بارے میں ابن عربی کہتے ہیں۔ میرے نزدیک یہاں ممانعت کی علت مثلہ نہیں بلکہ یہ (آگ میں جلانا) عذاب کی صورت ہے اس لیے ممنوع ہے۔ چنانچہ جب حضرت ابن عباس کو معلوم ہوا کہ حضرت علی نے بعض مرتدین کو آگ میں جلا کر ہلاک کیا تو انہوں نے کہا میں تو ایسا نہ کرتا کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: لا تعذبوا بعذاب اللہ یعنی تم اس طرح کسی کو عذاب نہ دو جس طرح اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو عذاب دیں گے۔ البتہ میں انہیں قتل کر دیتا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: من بدل دینہ فاقتلوہ یعنی جو شخص اپنا دین (اسلام) چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کرلے اسے قتل کر دو، اور یہی صحیح ہے۔

رہے دو (استثنائی) وصف سو یہ ہیں:

۱۔ ابن نافع نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ اگر پتھر کی ایک ہی ضرب قاتل کا کام تمام کرنے کے لیے کافی ہو تو ایسا ہی کیا جائے۔

۲۔ اگر متعدد ضربات سے ہلاک کرنا ہو تو پھر ایسا نہ کیا جائے بلکہ تلوار سے قصاص لیا جائے۔

امام مالک نے یہ بھی فرمایا ہے کہ قصاص کا طریقہ طے کرنا ولی مقتول کا حق ہے۔ ابن وہب نے روایت کیا ہے کہ قاتل کو لاٹھی سے مارا جائے گا حتیٰ کہ مر جائے اور اس (عمل) میں دیر نہ لگائی جائے، یہ ابن قاسم کا قول ہے۔ جب کہ اشہب کہتے ہیں اگر یہ توقع ہو کہ قاتل ضرب لگانے سے مر جائے گا تو فبہا ورنہ تلوار کے ذریعہ قصاص لیا جائے۔ عبدالملک کے بقول قاتل کو تیر پھینک کر یا پتھر مار کر ہلاک نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ تعذیب (عذاب دینا) ہے۔

مالکی علماء اس امر پر متفق ہیں کہ اگر ایک شخص نے کسی کا ہاتھ اور پیر کاٹ دیا اور

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

آنکھ نکال دی اور ایسا اسے عذاب دینے کی غرض سے کیا تو قصاص میں اس کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جائے گا۔ جیسا کہ صحیح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چرواہوں (اہل عرینہ) سے (قصاص میں ان کے جرم جیسا) سلوک کرنے کا حکم دینا مروی ہے، لیکن اگر اس شخص نے باہمی لڑائی اور مدافعت میں ایسا کیا تو پھر تلوار سے قصاص لیا جائیگا۔

مالکی علماء کے اقوال میں سے صحیح یہ ہے کہ مجرم کے فعل اور اس کی سزا میں مماثلت و یکسانیت ضروری ہے الا یہ کہ حد تعذیب میں داخل ہو جائے تو پھر تلوار کے ذریعہ قصاص لیا جائے گا (ان کے) تمام اقوال اسی (اصول) پر مبنی ہیں۔

ابن عربی کہتے ہیں: رہی امام ابو حنیفہؒ کی پیش کردہ حدیث جو حسن نے ابو بکرۃ کے واسطے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے تو وہ دو وجوہ سے صحیح نہیں جو ہم نے شرح حدیث صحیح میں بیان کی ہیں اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث جو کوڑے اور لکڑی سے شبہ عمد (کے ارتکاب) کے بارے میں ہے وہ بھی صحیح نہیں؛ اس سلسلہ میں صحیح حدیث وہ ہے جو علقمہ بن وائل نے اپنے باپ کے واسطے سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں: میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ ناگاہ ایک شخص دوسرے کو کجاوہ کسنے کی رسی سے باندھے ہوئے لایا اور عرض کی یا رسول اللہ علیہ وسلم اس شخص نے میرے بھائی کو قتل کیا ہے۔ آپ نے اس سے پوچھا: کیا تو نے قتل کیا ہے؟ تو ولی مقتول نے عرض کی اگر یہ اعتراف جرم نہ کرے گا تو میں شہادت پیش کر دوں گا۔ اس پر وہ (ملزم) بولا! ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اسے قتل کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تو نے کیونکر اسے قتل کیا؟ وہ بولا: میں اور وہ ایک درخت سے لکڑیاں کاٹ رہے تھے کہ اس نے مجھے گالی دی اور میں نے غصہ میں اس کے سر پر کلہاڑا مار دیا جس

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

سے وہ ہلاک ہوگیا۔ ابو داؤد کی روایت میں ہے کہ اس نے یہ بھی کہا میں اسے قتل کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت فرمایا۔ کیا تیرے پاس کوئی چیز ہے جو تو اپنی طرف سے بطور تاوان ادا کرے۔ عرض کی۔ میرے پاس صرف ایک چادر اور کلہاڑا ہے۔ فرمایا۔ تیرے خیال میں کیا تیری قوم کے لوگ تجھے خرید لیں گے۔ یعنی تری جانب سے دیت ادا کر دیں گے؟ وہ بولا میری قوم کے نزدیک میری حیثیت اس سے کم تر ہے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رسی ولی مقتول کی جانب پھینکتے ہوئے فرمایا۔ لو اپنے ساتھی سے خود ہی معاملہ نمٹا لو۔ وہ شخص اسے لے کر چلا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر اس (ولی مقتول) نے قاتل کو ہلاک کر دیا تو وہ بھی (گناہ میں) اسی جیسا ہوگا۔ وہ شخص واپس آیا اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے معلوم ہوا کہ آپ نے یہ ارشاد فرمایا۔ آپ نے فرمایا: کیا تو یہ ارادہ نہیں رکھتا کہ اپنے اور اپنے ساتھی کے گناہ کا بار اٹھائے۔ راوی حدیث کہتے ہیں کہ شاید اس نے جواب میں کہا کہ جی ہاں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ویسا ہی ہے اس پر ولی مقتول نے رسی پھینک دی اور اس شخص کو (آزاد) چھوڑ دیا۔ (یعنی بدلہ معاف کر دیا۔)

(اس حدیث سے ظاہر ہے کہ) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص پر قتل واجب کر دیا حالانکہ اس نے کلہاڑے سے قتل کیا تھا۔ نیز ائمہ حدیث نے روایت کیا ہے کہ ایک یہودی نے ایک لڑکی کو زیور (چھیننے) کی خاطر پتھروں سے سر کچل کر ہلاک کر دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے (گرفتار کر کے)

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

پیش کرنے کا حکم دیا یہودی نے اعتراف جرم کر لیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قصاص میں مماثلت کا اعتبار کرتے ہوئے پتھر سے اس کا سر بھی کچلنے کا حکم دیا۔[1]

حنفیہ اس حدیث سے استدلال کا جواب یہ دیتے ہیں کہ: اگر یہ حدیث صحیح وثابت ہو تب بھی مثلہ کی مماثلت سے منسوخ ہو گئی ہے کیونکہ مثلہ کی حرمت تو سب کے نزدیک ثابت ہے اور اس انداز مماثلت سے قصاص لینا مختلف فیہ معاملہ ہے اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی معاملہ میں دو حدیثیں مروی ہوں جن میں ایک تو سب کے نزدیک صحیح و مقبول ہو اور دوسرے کے قابل قبول ہونے میں اختلاف ہو تو اس صورت میں حدیث مقبول دوسری کے مقابلہ میں راجح اور فیصلہ کن قرار پائے گی۔ قطع نظر اس کے کہ وہ حدیث خاص ہے یا عام یہاں البتہ اس کا احتمال بھی موجود ہے کہ یہودی کو دی گئی سزا بطور حد ہو (نہ بطور قصاص) جیسا کہ شعبہ نے ہشام بن زید کے واسطے سے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: ایک یہودی نے کسی لڑکی پر زیادتی کی اس کا زیور اتار لیا اور پتھر سے اس کا سر کچل کر ہلاک کر دیا اس لڑکی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لایا گیا تو اس میں زندگی کی رمق باقی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت فرمایا: تجھے کس نے قتل کیا، فلاں نے؟ اس نے نفی میں سر ہلایا؛ پھر پوچھا کیا فلاں یعنی یہودی نے لڑکی نے کہا: ہاں اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس یہودی کا سر دو پتھروں کے درمیان کچلا جائے۔ ہو سکتا ہے اس یہودی کو اسی طرح بطور حد قتل کیا گیا ہو کیونکہ اس نے مال (زیور) بھی چھینا اور قتل بھی کیا تھا اور اس وقت تک مثلہ کی ممانعت نہیں ہوئی تھی کہ آپ صلی اللہ

---

[1] ابن العربی: ج ۱، ص ۱۱۴۔ رضخ کے معنی ہیں سر کچلنا، پھوڑنا اور توڑنا۔ اور اوضاح چاندی کے ایک زیور کا نام ہے جو سفیدی اور چمک کی وجہ سے اس نام سے معروف ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

علیہ وسلم نے اہل عرینہ کو بھی اسی طرح سزا دی تھی۔ پھر مثلہ کی ممانعت سے یہ منسوخ ہو گیا۔[1]

اس سلسلہ میں زیلعی رقمطراز ہیں: اس بات کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کو جس طرح ہلاک کرنے کا حکم دیا اس نے لڑکی کو اسی طرح قتل نہیں کیا تھا چنانچہ ابو قلابہ نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ ایک یہودی نے کسی لڑکی کا زیور چھیننے کی خاطر اسے سر کچل کر ہلاک کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سنگسار کرنے کا حکم دیا پھر یہ بھی ہے کہ اسے صرف لڑکی کے دعویٰ کی بناء پر قتل کیا گیا حالاں کہ اس طرح قصاص واجب نہیں ہوتا اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ یہودی ملک میں فساد پھیلانے کے بارے میں مشہور تھا اور مماثلت سے مراد زیادتی کی نفی ہے جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب (احد میں) حضرت حمزہؓ کو شہید کر کے ان کا مثلہ کیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (غضب ناک ہو کر) فرمایا: میں ان (کفار) پر قابو پالوں تو ان میں سے ستر افراد کا یہی حال کروں گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به ولئن صبرتم لهو خير للصابرين واصبر وما صبرك الا بالله[2] "یعنی اگر تم سزا دو تو ویسی ہی سزا دو جیسی تمہیں تکلیف پہنچائی تھی اور اگر تم صبر کرو تو یہی (صبر) بہتر ہے صبر کرنے والوں کے لیے اور اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صبر فرمائیے اور آپ کا صبر اللہ تعالیٰ ہی کی توفیق سے ہے اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم سزا نہیں لیں گے بلکہ صبر کریں گے چنانچہ آپ

---

[1] الجصاص: ج ۱: ص ۱۹۰

[2] النحل: ۱۲۶

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

نے صبر اختیار فرمایا اور قسم کا کفارہ ادا کر دیا۔ یہ بھی مثلہ ہی (کا فیصلہ) تھا اور یہ بھی منسوخ ہے[1]

شافعیہ کا موقف یہ ہے کہ قاتل سے اسی طرح قصاص لیا جائے جس طرح اس نے دوسرے کو قتل کیا ہے بشرطیکہ وہ (انتقامی) عمل شریعت کے مطابق ہو اگر اس عمل سے مجرم مر جائے تو فبہا ورنہ تلوار سے اس کی گردن کاٹ دی جائے گی کیونکہ بدلہ کی بنیاد ہی مماثلت و مساوات پر ہے اور اسی لیے اس کا نام 'قصاص' رکھا گیا ہے۔

چنانچہ اگر ایک شخص نے کسی کو پتھر مارا اور وہ سنبھل نہ سکا (یا وہ پتھر اس کے بدن میں پیوست ہو گیا اور نکالا نہ جا سکا) حتیٰ کہ مر گیا تو قاتل کے ساتھ ایسا نہیں کیا جائے گا (بلکہ اسے تلوار سے قتل کیا جائے گا) اور اگر قید میں رکھ کر کھانا پینا بند کر کے مار دیا تو مجرم کو بھی (اتنے عرصہ تک) قید میں (بھوکا پیاسا) رکھا جائے گا لیکن اگر اس عرصے میں اسے موت نہ آئی تو تلوار سے ہلاک کر دیا جائے گا۔

اگر مجرم نے کسی فعل غیر مشروع (ناجائز) کے ذریعہ قتل کا ارتکاب کیا مثلاً لواطت کی یا شراب پلا کر مارا، تو اس معاملہ میں مشائخ شافعیہ کا اختلاف ہے

۱۔ بعض کہتے ہیں کہ لواطت کے ذریعہ قتل کرنے والے مجرم کی مقعد میں ایک لکڑی ڈال کر اسی طرح کیا جائے جس طرح اس نے بدفعلی کی تھی اور شراب پلا کر مارنے والے کو (زیادہ مقدار میں) پانی پلا کر اتنی مدت تک انتظار کیا جائے (جتنی مدت میں مقتول ہلاک ہوا تھا) اگر اس دوران مجرم مر جائے تو ٹھیک ورنہ اس کی گردن کاٹ دی جائے کیونکہ (صورت مذکورہ میں)

---

[1] الزیلعی: ج ۶: ص ۱۰۶

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اسی طرح (جرم و سزا کے مابین) مماثلت کا تحقق ممکن ہے۔

۲۔ اور بعض مشائخ کے نزدیک مجرم کو تلوار سے قتل کیا جائے گا اور جیسا فعل اس نے مجنی علیہ کے ساتھ کیا تھا ویسا اس کے ساتھ نہیں کیا جائے گا کیونکہ وہ فعل شرعاً ممنوع ہے، برعکس اس کے پتھر سے اور تلوار سے قتل کرنا شرعاً جائز ہے جیسا کہ (حد) رجم میں پتھروں سے سنگسار کیا جاتا ہے اور جہاد میں کفار کو تلوار اور اس جیسے آلات سے قتل کیا جاتا ہے۔

شافعیہ کے دلائل حسب ذیل ہیں:

۱۔ روایت ہے کہ ایک یہودی نے کسی بچی کا سر دو پتھروں سے کچل دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس (قاتل) کا سر بھی دو پتھروں کے درمیان (رکھ کر) کچل دیا جائے۔

۲۔ ارشاد باری تعالیٰ: وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم بہ[1]"
یعنی اگر تم سزا دینا چاہو تو ایسی ہی سزا دو جیسی تمہیں اذیت دی گئی۔

۳۔ (جس طرح قاتل نے ارتکاب جرم کیا) اسی طرح بدلہ لینے میں قصاص کا معنی متحقق ہوتا ہے جو کہ مماثلت (یکسانیت) سے عبارت ہے لہٰذا (جرم و سزا کے درمیان) ذات (فعل) اور صفت (کیفیت عمل) دونوں یکسانیت کا اعتبار کرتے ہوئے اسی طرح قصاص لینا ضروری ہے[2] (جس طرح مجرم نے مجنی علیہ کو قتل کیا)۔

---

[1] النحل ۱۲۶

[2] دیکھئے صفحہ ۱۸۷ جزء ۱ القصاص۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

جان سے کم تر جرائم میں قصاص کا فیصلہ کب کیا جائے

حنفیہ کے نزدیک قتل سے کم تر جرائم میں مضرت رسیدہ کے تندرست ہو جانے تک قصاص کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا ان کے دلائل حسب ذیل ہیں :

۱۔ مسند احمد اور دار قطنی میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لا یستقاد من الجراحۃ حتیٰ تبراء یعنی زخم کے مندمل ہونے تک اس کا قصاص نہ لیا جائے۔

۲۔ روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت حسان بن ثابتؓ کی ران پر ہڈی سے زخم لگا دیا۔ انصار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قصاص کا مطالبہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انتظروا مایکون من صاحبکم فانا واللہ منتظرہ۔ "یعنی انتظار کرو اور دیکھو کہ تمہارے ساتھی (کے زخم) کا کیا ہوتا ہے میں بھی بخدا انتظار کروں گا۔ یہ اس لیے کہ زخم میں سرایت کا احتمال پایا جاتا ہے اور سرایت کر جانے پر زخم چونکہ قتل میں بدل جاتا ہے اس لیے اگر پہلے قصاص لیا جا چکا ہو تو سرایت کے بعد ظاہر ہو گا کہ مجرم سے مضرت رسیدہ کے حق کا غیر وصول کیا گیا۔

۳۔ عمرو بن دینار حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے دوسرے کو سینگ چبھو کر زخمی کر دیا وہ (مضرت رسیدہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر قصاص کا مطالبہ کرنے لگا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زخم کے مندمل ہونے تک انتظار کر، وہ نہ مانا اور اپنے زخم کا قصاص

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

لے لیا بعد ازاں اس کا زخم تو بگڑ گیا اور جانی کا زخم صحیح ہو گیا، وہ شخص پھر قصاص کا مطالبہ لے کر حاضر ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اب تجھے اس کا حق نہیں کہ تو نے پہلے (انتظار کرنے سے) انکار کر دیا تھا امام شافعیؒ کے نزدیک ان (قتل سے ادنیٰ) جرائم میں بھی وقوع جرم کے فوراً بعد قصاص کا فیصلہ کیا جائے گا اور زخم کے صحیح ہونے تک انتظار نہ کیا جائے گا ان کی دلیل یہ ہے کہ زخم لگنے کے فوراً بعد قصاص واجب ہو جاتا ہے اس لیے مضرت رسیدہ کو اختیار ہے کہ وہ بلا تاخیر اپنا حق وصول کر لے جیسا کہ نفس کے قصاص میں ہے۔

۴۔ (حنفیہ کی چوتھی دلیل یہ ہے کہ) زخموں کے معاملہ میں ان کے انجام کا اعتبار کیا جاتا ہے کیوں کہ ان میں سرایت کا احتمال موجود ہوتا ہے اور سرایت کے بعد زخم قتل میں بدل جاتا ہے اس لیے مندمل ہونے سے پیشتر یہ فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ یہ (محض) زخم ہے۔

اگر مضرت رسیدہ شجہ (سر اور چہرے کے زخم) یا ضرب (جسمانی چوٹ) لگنے کے بعد تندرست ہو گیا اور زخم یا چوٹ کا اثر زائل ہو گیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک زخم لگانے والے پر کوئی تاوان واجب نہ ہو گا کیونکہ تاوان کا سبب مجرم کی زیادتی کے باعث ضرر رسیدہ کو پہنچنے والا عیب ہے اور اس کے عضو کی منفعت کا زوال اور تندرست ہو جانے پر یہ عیب ختم ہو گیا (رہی منفعت تو) منافع کا تقوم (اعتبار مالیت) عقد جیسے اجارہ صحیحہ و مضاربہ صحیحہ یا مشابہ عقد جیسے اجارہ فاسد یا مضاربت فاسدہ پر منحصر ہے اور یہاں زخم لگانے والے کے معاملہ میں ایسا کوئی عقد موجود نہیں جو اس پر تاوان واجب کرے باقی رہی درد کی تکلیف تو محض درد سے کچھ واجب نہیں ہوتا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر کوئی شخص کسی کو ایسی ضرب لگائے جس سے درد تو محسوس ہو مگر زخم (یا نشان

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ضرب) نہ آئے تو اس ضارب پر کوئی تاوان واجب نہیں، اسی طرح سب وشتم (گالی گلوچ) کے ذریعہ کسی کے دل کو اذیت پہنچانا بھی موجب تاوان نہیں۔ امام ابو یوسف کے نزدیک زخم لگانے والے پر درد کا منصفانہ عدالتی تاوان (حکومۃ عدل) واجب ہوگا کیونکہ اندمال زخم کے بعد عیب تو ختم ہوگیا لیکن تکلیف زائل نہیں ہوئی امام محمد کہتے ہیں جانی پر علاج کے سلسلہ میں طبیب کی اجرت واجب ہوگی کیونکہ یہ علاج اخراجات اسی کی زیادتی کے باعث اُٹھے ہیں۔ گویا زخم سے متاثرہ فریق نے مجرم سے پیسے لے کر طبیب کو ادا کر دیئے۔

شرح طحاوی میں امام محمد کے قول کی تفسیر یوں کی گئی ہے کہ جانی پر متاثرہ فریق کو پہنچنے والی تکلیف کا تاوان طبیب کی اجرت اور دوا کے اخراجات کے طور پر واجب ہوگا۔ اس تفسیر کی بناء پر امام محمد اور امام ابو یوسفؒ کے قول میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔[1]

---

[1] بدائع الصنائع: ۷۰، ص ۳۱۱؛ نیز دیکھئے الزیلعی: ج ۶: ص ۱۳۸۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

فصل پنجم

اسبابِ سقوطِ قصاص

قصاص واجب ہو جانے کے بعد مندرجہ ذیل امور میں سے کسی ایک کی بناء پر ساقط ہو جاتا ہے۔

اوّلاً: محل قصاص کا فقدان

جس شخص پر قتل کا قصاص واجب ہوا ہے اگر وہ حق یا ناحق کسی سبب سے (طبعی یا غیر طبعی موت) مر جائے تو اس سے (موت کے باعث) قصاص ساقط ہو جائے گا اور حنفیہ کے نزدیک (مجرم یا ورثاء کے مال میں) دیت بھی واجب نہ ہوگی کیونکہ مجرم پر صرف قصاص ہی واجب تھا[1] جو فوات محل کے باعث ساقط ہو گیا، امام شافعیؒ کا بھی ایک قول یہی ہے جبکہ ان کے دوسرے قول کے مطابق ایسی صورت میں قصاص تو ساقط ہو گیا لیکن (مجرم یا اس کے سرپرستوں کے مال سے) دیت وصول کی جائے گی (کیونکہ شافعیہ کے نزدیک قصاص یا خون بہا میں سے کسی ایک پر عمل درآمد واجب ہے)

اعضاء انسانی کے قصاص کی صورت میں اگر محل قصاص (وہ عضو جس پر قصاص واجب ہوا ہے) کسی بھی طریقے سے ضائع ہو جائے (تو قصاص ساقط ہو جائے گا) حنفیہ کے نزدیک اگر وہ عضو کسی آفت سماوی کے ذریعہ ہلاک ہو گیا یا ناحق کاٹ ڈالا تو قصاص ساقط ہو جائے گا اور کوئی مالی

---

[1] دیکھئے ابن عابدین: ج ۵: ص ۵۴۸

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

تاوان بھی عائد نہ ہوگا لیکن اگر کسی حق شرعی کے مطابق وہ عضو کاٹ دیا گیا مثلاً کسی اور کا ہاتھ کاٹ دینے کے بدلے میں یا چوری کی سزا میں اس جانی کو ہاتھ سے محروم کر دیا گیا تو ایسی صورت میں قصاص تو اپنا محل ختم ہو جانے کی بناء پر ساقط ہو جائے گا لیکن مجرم پر ہاتھ کا تاوان عائد ہوگا۔

پس یہاں (محل قصاص کے فقدان کی) دو صورتوں میں فرق پایا جاتا ہے۔

۱۔ حق شرعی کے مطابق مجرم کے قتل اور قطع عضو میں فرق ہے (کہ پہلی صورت میں دیت واجب نہیں جبکہ دوسری صورت میں مالی تاوان واجب ہے)

۲۔ ناحق قطع عضو اور حق کے ساتھ قطع عضو میں فرق ہے (کہ صورت اول میں تاوان نہیں جب کہ دوسری صورت میں تاوان واجب ہے)۔

صاحب بدائع الصنائع کہتے ہیں: فرق یہ ہے کہ حق کے ساتھ عضو کاٹے جانے کی صورت میں اس پر واجب ایک حق کی تکمیل ہو رہی ہے۔ تو یہ صورت ایسی ہوئی کہ گویا وہ کھڑا رہا اور اس کے فریق نے حقیقتاً اسے پکڑے رکھا۔ ایسے میں عذر خطاء وغیرہ کے باعث قصاص لینا تو متعذر ہو گیا ہے۔ لیکن اس پر تاوان عائد ہوگا۔ لیکن اگر ناحق اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا تو (مطلقاً قصاص ساقط ہو جائے گا) کیونکہ اس صورت میں اس کی جانب سے کوئی حق واجب ادا نہیں ہوا (بلکہ بلا وجہ اس کا ہاتھ تلف کر دیا گیا لہٰذا وہ معذور ہے) اور قتل کی صورت میں گو وہ حق واجب ادا کر رہا ہو لیکن موت کے بعد یہ متصور نہیں اس کی جان کو (اپنے حق کی خاطر) پکڑے رکھے بخلاف قطع عضو کے کہ وہاں ایسا ممکن ہے۔ [1]

---

[1] بدائع الصنائع، ج ۷، ص ۲۴۶۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ثانیاً: معافی

ارشاد خداوندی ہے: فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ۔

یعنی جس کو اس کے بھائی (مقتول کے وارث) کی طرف کچھ معافی حاصل ہو جائے تو بھلائی سے (خون بہا کا) تقاضا ہو اور خوش معاملگی کے ساتھ ادائیگی۔

اور ارشاد ہے: وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ... فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ یعنی ہم نے تورات میں ان پر واجب کیا کہ جان کے بدلے جان ہے۔ پھر جو شخص (قصاص) معاف کر دے تو یہ (معافی) اس کے لیے (گناہوں کا) کفارہ ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وان تعفوا اقرب للتقوىٰ۔ یعنی اگر تم معاف کر دو تو یہ تقویٰ سے قریب تر ہے۔

نیز فرمایا: وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ یعنی برائی کا بدلہ اس کے برابر برائی ہے تو جس نے معاف کیا اور اپنا عمل سنوارا تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے۔

حضرت حسن، انس بن مالک کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب بندے حساب کے لیے کھڑے ہونگے تو ایک منادی (ندا کرنے والا) ندا دے گا کہ جو کوئی اللہ سے اجر کا مستحق ہے کھڑا ہو جائے اور جنت میں داخل ہو جائے۔ پھر دوسری بار یہی ندا دے گا تو لوگ کہیں گے۔ وہ کون ہے جس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے؟ وہ ندا دینے والا کہے گا کہ لوگوں کو معاف کرنے والے (افراد کا اجر اللہ پر ہے) اور پھر تیسری بار ندا کرے گا کہ جس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے وہ کھڑا ہو جائے اور جنت میں داخل ہو جائے۔ تو بہت سے لوگ (جو عفو سے کام لیتے ہیں) کھڑے ہو جائیں گے اور بغیر حساب کے جنت میں داخل

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ہو جائیں گے۔

قصاص معاف کرنے کی شرائط

۱۔ یہ کہ معاف کرنے والا شخص یہ کہے۔ میں نے معاف کیا، یا اپنا حق ساقط کیا یا بری کیا یا بخش دیا یا اسی مفہوم کے دیگر الفاظ استعمال کرے۔

۲۔ یہ کہ معافی خود صاحب حق کی طرف سے ہو کیونکہ عفو عبارت ہے اسقاط حق سے جو وجود حق کے بغیر متصور نہیں لہٰذا اجنبی (غیر صاحب حق) کی طرف سے معافی صحیح نہیں اور نہ ہی اس قصاص میں جو بچے کا حق ہے اس کے باپ یا دادا کی طرف سے، کیونکہ یہ حق (خالصتاً) بچے کا ہے باپ، دادا کا نہیں، انہیں تو صرف بچے کے لیے ثابت شدہ حق وصول کرنے کا اختیار ہے جو بچے کے مفاد (کی تکمیل) سے مشروط ہے۔ اور چونکہ عفو اسقاط حق ہونے کی بناء پر تصرفات ضارہ میں سے ہے (اس لیے بچے کے ولی کو اس کا اختیار حاصل نہیں)

۳۔ یہ کہ معاف کرنے والا عاقل اور بالغ ہو، بچے اور پاگل کی طرف سے معافی صحیح نہیں باوجودیکہ حق (قصاص) ان کے لیے ثابت ہے، کیونکہ عفو تصرفات ضارہ (نقصان رساں اعمال) سے ہے اس لیے طلاق اور عتاق (غلام آزاد کرنا) وغیرہ کی طرح بچہ اور مجنون اس تصرف کے مجاز نہیں۔

۴۔ ہماری رائے میں یہ بھی ضروری ہے کہ معافی بلاعوض ہو ورنہ یہ صلح میں تبدیل ہو جائے گی (معافی نہیں رہے گی) جیسا کہ آگے بیان ہو گا۔ یہی حنفیہ کا قول ہے کہ ان کے نزدیک جب قصاص عفو کے ذریعہ ساقط ہو جائے تو مال (خون بہا) میں نہیں بدل سکتا کیونکہ قصاص میں ولی کا حق معین ہے جیسا کہ امام شافعیؒ کا بھی ایک قول ہے، اور ولی نے اپنا یہ حق بغیر بدل طلب

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کیے خود ہی ساقط کر دیا ہے اور صاحب حق جب اپنا حق مطلقاً ساقط کر دے اور وہ اسقاط کی (شرعی) اہلیت سے بہرہ ور اور محل (حق) سقوط پذیر بھی ہو تو یہ حق مطلقاً ساقط ہو جائے گا جیسا کہ کسی کو قرض (کی ادائیگی) سے بری کر دینا امام شافعی کے دوسرے قول کے مطابق قصاص اور دیت میں سے کوئی ایک چیز غیر متعین طور پر واجب ہے اس لیے اگر ولی نے قصاص معاف کر دیا تو خون بہا واجب رہے گا تاکہ اس کا یہ تصرف درست ہو جائے۔ ہماری رائے میں یہ آخری صورت صلح قرار پائے گی معافی نہیں ہوگی۔

عفو کے بارے میں فقہاء کی تصریحات

اہل علم کے درمیان آیۂ قرآنی: فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ۔ کے مفہوم کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

۱۔ بعض کہتے ہیں عفو سے مراد آسانی اور سہولت پیدا کرنا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: خذ العفو کا مطلب یہ ہے کہ عفو یعنی سہل اور میسر اخلاق اختیار کرو اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: أول الوقت رضوان الله وآخره عفو الله ۔ یعنی وقت (نماز) کا ابتدائی حصہ تو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی (کا ذریعہ) ہے اور آخری حصہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عفو یعنی بندوں پر آسانی اور سہولت ہے۔

(اس اعتبار سے) ارشاد باری تعالیٰ: فمن عفي له من اخيه شيء کا معنی یہ ہوا کہ ولی مقتول کو اگر کچھ مال پیش کیا جائے تو اسے یہ قبول کر لینا چاہیئے اور بھلائی کے دستور کے مطابق اس کا تقاضا کرنا چاہیئے اور قاتل کو چاہیئے کہ وہ احسان اور خوش معاملگی کے ساتھ ادا کرے۔ تو یہاں

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ نے ولیٔ مقتول کو مال (خون بہا) قبول کرنے کی ترغیب دی ہے جب کہ یہ قاتل کی جانب سے ارزاں ہو اور اسے ذات باری تعالیٰ کی طرف سے تخفیف اور رحمت قرار دیا ہے۔

سورۂ مائدہ میں قصاص کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا: فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ؛ یعنی جو قصاص معاف کر دے تو یہ اس کے لیے کفارہ ہوگا۔ تو جس طرح یہاں اللہ تعالیٰ نے ولیٔ قصاص کو عفو اور صدقہ کی تلقین کی ہے اسی طرح ارشاد مبارک: فمن عفی لہٗ من اخیہ شیٔ ۔ میں بھی اسے قبول دیت کی رغبت دلائی ہے جب کہ قاتل اس کی پیشکش کرے کیونکہ پہلے قاتل کو خون بہا کے عوض قصاص سے معاف کرنے کا ذکر فرمایا ہے اور پھر ولی کو معروف طریقے سے مطالبہ اور مجرم کو حسن ادا کا حکم دیا ہے۔

۲۔ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس آیت کا معنی وہ ہے جو مجاہد نے بیان کیا ہے کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے یہ سنا کہ بنی اسرائیل میں قصاص کا حکم تھا، دیت نہ تھی اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے فرمایا۔ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَى بِالْأُنْثَى فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ یہاں سے مراد قتل عمد میں دیت قبول کرنا ہے اور اتباع بالمعروف واداء الیہ باحسان کا معنی یہ ہے کہ مقتول کا وارث معروف اور پسندیدہ طریقہ سے دیت کا تقاضا کرے اور قاتل پر لازم ہے کہ احسان کے ساتھ دیت ادا کرے ذلک تخفیف من ربکم ورحمۃ کا مطلب یہ ہے کہ پہلی امتوں پر فرض کیے گئے احکام کے مقابلے میں یہ تمہارے لیے تخفیف اور رحمت ہے فمن اعتدی بعد ذٰلک یعنی جو قبول دیت کے بعد

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

قتل کرے تو وہ زیادتی کا مرتکب ہوگا۔

اس روایت میں حضرت ابن عباسؓ نے یہ خبر دی ہے کہ آیت کریمہ : کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ ... الآیۃ اس حکم کو منسوخ کرنے کے لیے نازل ہوئی جو بنی اسرائیل کو دیت کی ممانعت کے بارے میں تھا، اور اس میں ولی کے لیے قبول دیت کو جائز قرار دیا گیا جب قاتل اس کی پیشکش کرے اور یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہمارے لیے تخفیف اور رحمت ہے۔

۳- اور بعض علماء اس آیت کا وہ مفہوم بیان کرتے ہیں جو شعبی سے منقول ہے کہ عرب کے دو قبیلوں میں کشت و خون ہوا اور دونوں قبیلوں کے بہت سے لوگ مارے گئے۔ ایک قبیلہ کہنے لگا ہم اس وقت تک راضی نہ ہوں گے جب تک اپنی مقتولہ عورتوں کے بدلے مردوں کو اور اپنے ایک مرد کے عوض دو مردوں کو قتل نہ کرلیں، یہ معاملہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: القتلی سواء یعنی قتل تو برابر (دونوں طرف سے) ہوئے ہیں۔ اب انہوں نے خون بہا پر مصالحت کرلی اور ایک قبیلے کو دوسرے پر فضیلت دی تو یہ آیت نازل ہوئی کتب علیکم القصاص فی القتلی... فمن عفی لہٗ من اخیہ شئ سفیان کہتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ جس کو اپنے بھائی کے مقابلے میں زیادہ دیت (کا حق) ملے تو اسے معروف طریقے سے مطالبہ کرنا چاہیئے اور قاتل کو خوش اسلوبی سے ادا کرنا چاہیئے۔ پس شعبی نے آیت کا شان نزول بیان کیا اور سفیان نے اس میں عفو کا معنی (خون بہا کی) زیادتی بتلایا ہے اور لفظ (عفو) میں اس معنی کا احتمال موجود ہے۔

۴- اس آیت کا چوتھا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہاں (عفو) کا تعلق ایسے قصاص سے ہے جو متعدد ورثاء میں مشترک ہو کہ ان میں سے اگر بعض ورثاء قصاص

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

معاف کر دیں تو دوسروں کا حصہ خون بہا میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے بھی یہ مفہوم مروی ہے، اور یہ تاویل — باوجودیکہ علماء نے اسے تاویل قرار نہیں دیا — آیت کے الفاظ کے مطابق ہے کیونکہ ارشاد پاک فمن عفی له من اخیه شیء کا مقتضیٰ یہ ہے کہ خون کا کچھ حصہ معاف کیا جائے نہ کہ پورا خون، اور باقی شرکاء کا حق خون بہا میں تبدیل ہو ہو جائے تو انہیں چاہیئے کہ بھلائی کے طریقے کے مطابق قاتل سے تقاضا کریں اور قاتل پر لازم ہے کہ انہیں احسان سے ادا کرے۔

۵۔ بعض علماء نے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ ولی الدم قاتل کی رضامندی کے بغیر بھی مال (دیت) لے سکتا ہے لیکن یہ تاویل آیت کے ظاہری مفہوم کے منافی ہے کیونکہ (مجرم کی رضامندی کے بغیر) خون بہا لینے کو عفو نہیں قرار دیا جا سکتا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد مبارک: العمد قود الا ان یعفو الاولیاء (یعنی قتل عمد موجب قصاص ہے۔ الا یہ کہ اولیاء معاف کر دیں) میں وارث کو قصاص اور معافی میں سے کسی ایک شئے کا اختیار دیا ہے اور (قاتل کی مرضی کے بغیر اس کے لیے خون بہا لینے کا حق کسی صورت ثابت نہیں فرمایا[1]

علامہ ابن عربی اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں: فمن عفی له من اخیه شیء مشکل عبارت ہے جس کے بارے میں علماء کی عقلیں حیران ہیں اور اس کے مفہوم میں ان کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔

---

[1] دیکھیئے، احکام القرآن للجصاص: ج ۱: ص ۱۷۵:

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ابن قاسم کی روایت کے مطابق امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ قتل عمد کی (اصلی) سزا صرف قصاص (متعین) ہے اور قاتل کی رضامندی کے بغیر دیت (جو کہ سزائے بدلی ہے) نہیں لی جا سکتی، امام ابوحنیفہؒ کا بھی یہی موقف ہے اشہب نے امام مالکؒ سے یہ روایت کی ہے کہ (قتل عمد کی سزا متعین نہیں بلکہ) ولیٔ مقتول کو دو چیزوں میں سے ایک کا (کلی) اختیار رہے چاہے تو قصاص لے چاہے تو دیت (خواہ قاتل اس پر رضامند نہ بھی ہو) اور یہی امام شافعی کا بھی قول ہے علمائے سلف نے بھی اسی طرح اس آیت کے مفہوم میں اختلاف کیا ہے چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے عفو کا یہ معنی مروی ہے کہ مقتول کا وارث قتل عمد میں دیت قبول کرنے کے بعد معروف طریقے سے اس کا تقاضا کرے اور بھلائی کے ساتھ اسے ادا کیا جائے۔ مطلب یہ کہ اچھے طریقے سے خون بہا طلب کرے، سختی اور تنگی نہ کرے اور قاتل خوش معاملگی سے ادا کرے ٹال مٹول سے کام نہ لے۔ قتادہ، مجاہد، عطاء اور سدی رحمہم اللہ سے بھی یہی مفہوم منقول ہے قتادہ نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ ہم تک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک پہنچا ہے کہ جو شخص دیت کے اونٹوں (کی مقررہ تعداد) میں ایک اونٹ بھی زیادہ (طلب) کرے تو وہ جاہلیت کے طریقے پر ہے۔ تو گویا فاتباع بالمعروف سے یہ مراد ہے کہ شرع میں جو معروف (مقرر) دیت ہے اس سے زیادہ نہ لے۔

امام مالکؒ فمن عفی لہ من اخیہ شیٔ کی تفسیر یہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو اس کے بھائی کی طرف سے دیت کا کچھ حصہ پیش کیا جائے تو اسے معروف طریقے سے وصول کرنا چاہیئے۔ بنا بریں یہ خطاب ولیٔ مقتول سے ہے اور

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اسے کہا گیا ہے کہ اگر تمہارا قاتل بھائی تمہیں دیت معروفہ کی پیشکش کرے تو اسے قبول کرلو اور بھلائی سے اس کا تقاضا کرو۔ اصحاب شافعی کہتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ اگر ولی مقتول قصاص ساقط کر دے اور قصاص و دیت کے دو واجبوں میں سے، دیت پر آمادہ ہو جائے تو اسے قاتل! تو اس معروف (بھلائی) کو تسلیم کرلے اور احسان کے ساتھ اسے ادا کر دے۔

یہ اختلاف (دراصل) لفظ عفو کے مفہوم کی تعیین میں ہے۔ اور لغت میں یہ لفظ پانچ معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

۱۔ عطاء (یعنی بخشش) کہا جاتا ہے: جاد بالمال عفوا صفوا۔ یعنی اس نے مال بغیر عوض کے دے دیا۔

۲۔ اسقاط (یعنی حق ساقط کرنا) جیسا کہ فرمایا "واعف عنا" یعنی ہم سے (مشقتوں کو) ساقط فرما دے۔ اور اسی سے ہے: عفوت لکم عن صدقة الخیل والرقیق یعنی میں نے تم سے گھوڑوں اور غلاموں کا صدقہ ساقط کر دیا۔

۳۔ کثرت۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ حتی عفوا یعنی یہاں تک کہ وہ لوگ کثیر (زیادہ) ہو گئے اور کہا جاتا ہے: عفا الزرع۔ یعنی فصل بڑھ گئی۔

۴۔ الذہاب (یعنی مٹ جانا)۔ جیسا کہ شاعر کا قول ہے: عفت الدیار یعنی مٹ گئے، ختم ہو گئے۔

۵ طلب (یعنی کوئی چیز مانگنا) کہا جاتا ہے: عفیته واعتفیته یعنی میں نے اس سے بخشش طلب کی۔ اور اسی سے ہے ما اکلت العافیة فھو صدقة۔ یعنی (تمہارا) جو کچھ منگتوں نے کھا لیا وہ صدقہ ہے

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اور اسی مفہوم میں شاعر کا قول ہے ؎

تطوف العفاۃ بابوابہ　　کطوف النصاری ببیت الوثن

یعنی مانگنے والے اس کے دروازوں کا اس طرح طواف کرتے ہیں جس طرح نصاریٰ (کافر) بتکدے کا طواف کرتے ہیں۔

چونکہ لفظ عفو میں یہ مختلف معانی پائے جاتے ہیں اس لیے انہیں سیاق آیت اور دلائل کے تقاضے کے حوالے سے پرکھ (کر مناسب مفہوم کا تعین کرنا) ضروری ہے۔

اس اعتبار سے لفظ عفو کے مذکورہ معانی میں سے عطاء یا اسقاط کا معنی ہی سیاق آیت کے زیادہ مناسب ہے۔ امام شافعیؒ نے اسقاط کے معنی کو ترجیح دی ہے کیونکہ آیت میں عفو سے پہلے قصاص کا ذکر کیا گیا ہے اور جب عقوبت (یعنی سزا) کے بعد عفو کا ذکر کیا جائے تو اسقاط کا معنی ہی زیادہ واضح ہوتا ہے۔ اس کے برعکس امام مالکؒ اور ان کے اصحاب نے عطاء کے مفہوم کو ترجیح دی ہے کیونکہ عفو اگر اسقاط کے معنی میں استعمال ہو تو اس کا صلہ "عن" آتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: "واعف عنا" اور اسی طرح عفوت لکم عن صدقۃ الخیل" میں آیا ہے۔ اور جب یہ عطاء کے معنی میں ہو تو اسکا صلہ لہٗ آتا ہے (جیسا کہ اس آیت میں فمن عفی لہٗ آیا ہے) اس لیے یہاں عطاء کا معنی ہی راجح قرار پاتا ہے۔

اس ترجیح کی دوسری وجہ یہ ہے کہ امام مالکؒ کی یہی تاویل حبر القرآن (حضرت عبد اللہ بن عباسؓ) اور ان کے متبعین کا قول مختار بھی ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ اور تیسری وجہ یہ (لغوی ضابطہ) ہے کہ ظاہری (عمومی) طور پر جزا بھی اسی پر لوٹتی ہے جو شرط کا مرجع ہو اور یہاں (آیۂ زیر نظر میں) چونکہ جزا (فاتباع بالمعروف) ولی

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کی طرف لوٹ رہی اس لیے ظاہر یہ ہے کہ شرط "فمن عفی لہ" بھی اسی کی طرف لوٹے اور "من" سے مراد وہی شخص ہو جو فاتباع بالمعروف کا مخاطب ہے۔

(امام مالکؒ کی اس ترجیح کی) چوتھی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فمن عفی لہٗ من اخیہ شیء میں نکرہ صیغہ "شیء" بیان فرمایا ہے اگر اس سے مراد قصاص ہوتا تو نکرہ لفظ استعمال نہ ہوتا کیونکہ قصاص، معرفہ ہے لہٰذا آیت میں صیغۂ نکرہ کا استعمال اس امر کی دلیل ہے کہ اس سے مراد دیت اور اس سے کم تر (مال) ہے [1] (لہٰذا یہاں "عفی" کا معنی "عطاء" ہی ترجیح پاتا ہے)۔

امام شافعیؒ نے معاذ بن موسیٰ، بکیر بن معروف اور مقاتل بن حبان کی سند سے مقاتل کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میں نے بہت سے اصحاب سے جن میں سے مجاہد حسن اور ضحاک بن مزاحم کے نام معاذ کے ذہن میں محفوظ رہے، آیت "فمن عفی لہ من اخیہ شیء" کی یہ تفسیر اخذ کی ہے کہ اہل تورات میں کسی کو ناحق قتل کرنے والے سے قصاص لینا فرض تھا اور اسے (کسی صورت) معاف کرنے کی اجازت نہ تھی لیکن امت محمدیہ علی صاحبہا التحیۃ کو یہ رخصت (تخفیف) دی گئی کہ اگر (ولیٔ مقتول) چاہے تو قاتل سے قصاص لے اور چاہے تو دیت وصول کر لے یا (بلاعوض) معاف کر دے۔ ارشاد فرمایا۔ ذٰلك تخفیف من ربکم ورحمۃ۔ یعنی یہ تمہارے لیے رب کی جانب سے تخفیف اور رحمت ہے۔

وہ (مقاتل) فرماتے ہیں: دیت (قبول کرنے کا جواز) اللہ تعالیٰ

---

[1] دیکھئے احکام القرآن، لابن العربی: ج ۱: ص ۶۷

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کی طرف سے تخفیف ہے کیونکہ اس صورت میں قاتل، قصاص سے بچ جاتا ہے۔ پھر فرمایا: "فمن اعتدیٰ بعد ذلك فله عذاب اليم۔" یعنی جو دیت وصول کرنے کے بعد قتل کرے تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔

ارشاد خداوندی: ولکم فی القصاص حیاۃ کی تفسیر میں مقاتل کہتے ہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ تم میں سے بعض، بعض (کے قتل) سے باز رہے گا اس خوف سے کہ قصاص میں اسے مار ڈالا جائے گا (اور یوں سب کی زندگیاں محفوظ ہو جائیں گی)۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: بنی اسرائیل میں قصاص مشروع تھا دیت نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے فرمایا: کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ، الحر بالحر والعبد بالعبد والانثیٰ بالانثیٰ فمن عفی لہ من اخیہ یہاں عفو (سے مراد) یہ ہے کہ قتل عمد میں دیت قبول کر لی جائے۔ فاتباع بالمعروف واداء الیہ باحسان ذٰلك تخفیف من ربکم ورحمۃ یہ تخفیف پہلی امتوں پر نافذ حکم کے مقابلے میں (امت مسلمہ کے لیے) ہے۔

ابوعبداللہ کی روایت کے مطابق امام شافعیؒ نے فرمایا۔ اس (آیت کی تفسیر کے) سلسلہ میں مقاتل کی حکایت۔ حضرت ابن عباسؓ کی حکایت سے زیادہ ہے اور قرآن حکیم کے الفاظ بھی مقاتل کے قول کی تائید کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قصاص کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا: فمن عفی لہ من اخیہ شیٔ فاتباع بالمعروف واداء الیہ باحسان"۔ تو یہ کہنا درست نہیں کہ "عفی" سے مراد دیت (لینے) پر مصالحت کرنا ہے کیونکہ عفو عبارت ہے بلا عوض ترک حق سے، لہٰذا یہاں عفو سے مراد لازماً "ترک قصاص"

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ہے اور قصاص معاف کر دینے کے بعد اس کے نفاذ کا امکان نہیں رہتا اس لیے معاف کرنے والے کو قاتل کے مال میں دیت کا استحقاق حاصل ہو جاتا ہے جسے وہ بھلائی کے ساتھ طلب کرنے اور قاتل خوش معاملگی کے ساتھ ادا کرنے پر (مامور) ہے۔ لیکن اگر یہ کہا جائے کہ قاتل کو معاف کر دینے کی صورت میں معاف کنندہ کو کسی چیز (دیت وغیرہ) کا حق حاصل نہیں ہوگا تو ایسی صورت میں (ارشاد پاک: فاتباع بالمعروف واداء الیہ باحسان [1] کا کوئی محل باقی نہیں رہتا کیونکہ) معاف کنندہ کا کوئی (مالی) حق نہیں جس کا وہ بھلائی کے ساتھ مطالبہ کرے اور نہ ہی قاتل پر کوئی چیز واجب ہے۔ جو وہ احسان کے ساتھ اسے ادا کرے [2]

عفو کے احکام

معافی یا تو خون کے وارث کی طرف سے ہوتی ہے یا خود مجنی علیہ (ضرر رسیدہ) کی جانب سے۔

ولی الدم کی طرف سے معافی

وارث کی جانب سے معافی یا تو مضروب کی موت کے بعد ہوگی یا اس کی موت سے پہلے اور زخمی ہونے کے بعد (دونوں صورتوں کا بیان حسب ذیل ہے:

۱۔ مجنی علیہ کی موت کے بعد معافی

اگر مقتول کا وارث ایک

---

[1] البقرہ: ۱۷۸

[2] دیکھیے احکام القرآن للشافعی: ۱۶: ص ۲۷۹

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ایک ہی ہو اور وہ قاتل کو معاف کر دے تو قصاص ساقط ہو جائے گا کیونکہ قصاص لینے کا مقصد زندگی کی حفاظت ہے اور یہ مقصد نفاذ قصاص کے بغیر بھی، معافی کی صورت میں پورا ہو جاتا ہے کیونکہ اظہر یہ ہے کہ ولیٔ مقتول معاف کر دینے کے بعد قاتل سے انتقام (لینے کا مطالبہ اور کوشش و ارادہ) نہیں کرے گا اور نہ ہی قاتل (مقابلہ میں) اس کا خون بہانے کا ارادہ کرے گا تو نتیجۃً مشروعیت قصاص کی حکمت نفاذ قصاص کے بغیر بھی متحقق ہو جائے گی یہی حسن رحمہ اللہ کا قول ہے۔

اگر مجرم ایک سے زیادہ ہوں اور ولی مقتول ان سب کو معاف کر دے تو تمام سے قصاص ساقط ہو جائے گا لیکن اگر ولی کسی ایک مجرم کو معاف کر دے تو دوسروں کے خلاف اس کا حق قصاص باقی رہے گا کیونکہ ایک (مجرم) کو معاف کر دینے سے دوسرے کی معافی لازم نہیں آتی۔ المنتقی میں امام ابو یوسف کا یہ قول منقول ہے کہ ایک مجرم کو معاف کر دینے سے دوسروں سے بھی قصاص ساقط ہو جائے گا۔

اگر اولیائے مقتول کی تعداد ایک سے زیادہ ہو تو ان میں سے معاف کنندہ کا حصہ عفو کے ذریعہ ساقط ہو جانے سے دوسرے اولیاء کا حصہ (خود بخود) ضرورۃً ساقط ہو جاتا ہے (کہ حق قصاص ناقابل تجزیہ ہے) البتہ باقیماندہ اولیاء دیت (میں سے اپنا حصہ پانے) کے مستحق ہونگے۔ اس پر صحابہ کا اجماع ہے جیسا کہ حضرت عمرؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے۔

۲۔ ضرب کے بعد اور موت سے پہلے معافی

قیاس کی رو سے

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

یہ معافی درست نہیں مگر استحساناً صحیح ہے۔ وجہ قیاس یہ ہے کہ قتل سے معافی، فعل قتل کے حدوث و تحقق کی مقتضی ہے اور فعل (ضرب) اس وقت تک قتل نہیں بنتا جب تک کہ زندگی ختم نہ ہو جائے اور ہنوز ایسا نہیں ہوا اس لیے (فعل قتل نہ پائے جانے کی صورت میں) عفو بے محل ہے اور غیر صحیح ہے۔ وجہ استحسان یہ ہے کہ:

ا۔ زخم جب (بدن مضروب میں) سرایت کر جائے تو یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ وجود ضرب کے بعد ہی (حکماً) قتل واقع ہو گیا ہے (کیونکہ سرایت زخم کا لازمی نتیجہ موت ہے) اس لیے (مجنی علیہ کے زخمی ہو جانے کے بعد اور موت سے پہلے ولی کی جانب سے) یہ معافی اس کے لیے ثابت شدہ حق پر مبنی ہے اور صحیح ہے۔

ب۔ قتل اگرچہ فی الحال واقع نہیں ہوا لیکن اس کا سبب وقوع (یعنی موت پر منتج ہونے والا زخم) تو پایا جاتا ہے اور اصول شریعت کی رو سے کسی چیز (تک یقیناً پہنچانے والا) سبب (حکم میں) اس چیز کے قائم مقام ہوتا ہے (لہٰذا سبب قتل، قائم مقام قتل ہے)۔

مجنی علیہ کی جانب سے معافی

ضرر رسیدہ کی جانب سے، (قصاص سے) معافی صحیح نہیں کیونکہ قصاص ولی کا حق ہے نہ کہ مضروب کا خواہ وہ آزاد ہی کیوں نہ ہو (یعنی غلام نہ ہو) پس اگر مجروح، اپنا خون معاف کر دے اور اس کے بعد (اسی زخم سے) مر جائے تو یہ معافی استحساناً صحیح ہوگی جب کہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ صحیح نہ ہو۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اگر مجروح، قطع عضو، جراحت، شجہ (سر اور چہرے کا زخم) یا (جسم پر) زیادتی سے مجرم کو معاف (بری) کر دے اور پھر مر جائے یا زندہ رہے تو اس سلسلہ میں فقہاء نے تفصیل بیان کی ہے [1]

اگر کسی نے ایک شخص کا ہاتھ کاٹ دیا یا اس کو موضحہ زخم (جس سے ہڈی ظاہر ہو جائے لگایا اور ضرر رسیدہ نے اس سے) کہا: میں نے یہ اتلاف عضو زخم معاف کر دیا اگر اس کے بعد مضروب شفا پا جائے تو یہ معافی بالاتفاق صحیح ہو گی لیکن اگر یہ قطع یا زخم (شجہ) موت پر منتج ہوا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ معافی باطل اور مجرم پر دیت واجب ہو گی مگر صاحبین کے نزدیک یہ عفو صحیح ہے اور مجرم پر کچھ (تاوان وغیرہ) واجب نہیں کیونکہ مجروح نے اپنا حق معاف کیا ہے (جو درست ہے)

امام شافعیؒ کے نزدیک مجنی علیہ (ضرر رسیدہ) کی جانب سے قصاص معاف کرنا تو صحیح ہے لیکن مال (دیت) کے حق میں اس کی طرف سے معافی ہو گی کیونکہ ان کے نزدیک (قتل) عمد موجب مال (دیت) ہے (یعنی قتل عمد میں قصاص اور دیت میں سے کوئی ایک چیز غیر متعین طور پر لازماً واجب ہے) اور قاتل کے حق میں وصیت جائز نہیں (کہ مال دیت اسے بخش دیا جائے)۔

متعدد شرکائے قتل (مجرموں) میں سے کسی ایک کو معاف کر دینے سے دوسروں کے خلاف حق قصاص باطل نہیں ہوتا یہی حکم کسی ایک مجرم کے ساتھ مصالحت کا ہے (کہ اس سے دوسروں کے خلاف حق قصاص متاثر نہیں ہوتا) کیونکہ قتل کے دونوں (شریک) مجرموں پر قصاص یکساں لازم ہوا۔

---

[1] بدائع الصنائع، ج ۷، ص ۲۴۹

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

پھر ایک (مجرم) سے معافی کے ذریعہ ساقط ہو گیا اور (چونکہ) ایک مجرم کا خون دوسرے سے (بہرحال) متمیز ہے اس لئے ایک سے سقوط قصاص دوسرے کے حق میں شبہ پیدا نہیں کرتا[1]

تعدد اولیائے مقتول

اگر مقتول (عمد) کے دو ولی ہوں اور ان میں سے ایک معاف کر دے تو قاتل سے قصاص ساقط ہو جائے گا۔

کیونکہ حضرت عمرؓ کے دور میں ایسا معاملہ پیش آیا اور آپؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اس سلسلہ میں مشورہ لیا تو انہوں نے فرمایا میری رائے یہ ہے کہ ایک وارث نے (اپنے حق قصاص سے دستبردار ہو کر) قاتل کے ایک حصۂ جان کی بقاء (کی ضمانت) دیدی ہے تو دوسرے وارث کو یہ حق حاصل نہیں کہ اس (بقایا یافتہ حصۂ جان) کو ختم کر دے۔ (یعنی قصاص میں اسے قتل کر دے) حضرت عمرؓ نے اس رائے پر فیصلہ دیا۔

اگر مقتول کے دو وارثوں میں سے ایک نے دوسرے کے بارے میں گواہی دی کہ اس نے قاتل کو معاف کر دیا ہے تو اس کی چار صورتیں ہیں:

۱۔ اگر قاتل اور مشہود علیہ (جس کے بارے میں گواہی دی گئی ہے) اس کے قول کی تصدیق کر دیں تو مدعی (شاہد) کو نصف دیت ملے گی کیونکہ دوسرے (وارث) کی طرف سے معاف کر دینے کا ثبوت ان دونوں (قاتل اور مشہود علیہ) کی تصدیق کے باعث، مشاہداتی ثبوت کی مانند (ہو گیا) ہے۔

۲۔ اگر شریک (وارث) اور قاتل دونوں نے اس کے قول کی تکذیب کی تو مدعی (شاہد) کو کچھ نہیں ملے گا لیکن مشہود علیہ نصف دیت کا حقدار ہو گا کیونکہ

---

[1] دیکھئے المبسوط: ج ۲۶: ص ۱۵۸؛ نیز دیکھئے الزیلعی: ج ۶: ص ۱۱۸۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اس کے لئے، کسی ذاتی سبب سے تو نہیں مگر شریک وارث کی اس کے بارے میں معاف کر دینے کی شہادت کے باعث، اپنے حصے کا قصاص لینا متعذر ہو گیا ہے (لہٰذا وہ اپنے حصۂ دیت کا مستحق ہے)۔

۳۔ اگر قاتل نے اس کی تصدیق کی مگر مشہود علیہ نے جھٹلا دیا تو ان (دونوں وارثوں) میں سے ہر ایک کے لئے قاتل کے مال میں نصف دیت ہو گی، مشہود علیہ کے لئے ثبوت دیت کی وجہ اوپر بیان ہوئی (اور شاہد تو خود ہی معافی کی گواہی دے کر اپنا حصۂ قصاص ساقط کر بیٹھا)۔

۴۔ اور اگر مشہود علیہ تو اس کی تصدیق کر دے مگر قاتل تکذیب کرے تو قیاس کی رو سے ان میں سے کسی کے لئے قاتل پر کچھ واجب نہیں، کیونکہ شاہد کا حق قصاص تو بلا عوض ساقط ہو گیا ہے کہ اس کی شہادت عفو، ایسے شخص (قاتل) کے حق میں جو اسے جھٹلا رہا ہے، بمنزلہ انشائے عفو کے ہے (اور مشہود علیہ نے اس کی تصدیق کر کے معافی کا اقرار کر لیا ہے)

معافی سے رجوع کیا معاف کنندہ عفو سے رجوع کر سکتا ہے؟ اور معاف کر دینے کے بعد مجرم سے قصاص لے سکتا ہے؟ اس معاملہ میں عام فقہاء کا مؤقف یہ ہے کہ اگر کسی نے قاتل کو معاف کر دینے کے بعد پھر قتل کر ڈالا تو اس سے قصاص لینا واجب ہو گا۔ ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

۱۔ آیات قصاص کا عموم ایک شخص اور دوسرے شخص میں، ایک مال اور دوسرے مال میں کوئی امتیاز نہیں کرتا (یعنی ہر قاتل پر قصاص لازم ہے خواہ وہ معاف کنندۂ ولیٔ مقتول اور مقتول معاف کردہ مجرم ہی کیوں نہ ہو)

۲۔ مشروعیت قصاص کی حکمت (یعنی) تحفظ حیات کا تقاضا ہے کہ (ہر) قاتل پر قصاص واجب قرار دیا جائے (خواہ وہ معاف کنندہ ولیٔ مقتول ہی کیوں نہ

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ہو کہ معافی کے بعد اس کا قاتل پر شرعی اختیار قصاص ختم ہو کر مجرم معصوم الدم قرار پا چکا ہے)

بعض علماء کے نزدیک معافی دہندہ، معاف کر دینے کے باوجود قاتل سے قصاص لے سکتا ہے انکا مدار استدلال یہ ہے کہ:

۱۔ فرمان باری تعالیٰ: فمن اعتدٰی بعد ذٰلك فله عذاب الیم۔ یعنی جو (معاف کر دینے یا دیت قبول کرنے کے بعد) زیادتی کرے گا تو اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔ یہاں اللہ تعالےٰ نے معاف کر دینے کے بعد زیادتی یعنی قتل کر دینے والے (ولی مقتول) کی سزا عذاب الیم قرار دی ہے جو آخرت سے متعلق ہے اگر اس دنیا میں اس پر قصاص واجب ہو تو آیت میں مذکور "عذاب الیم" اس کی کچھ (بعض) سزا قرار پاتی ہے (حالانکہ یہاں اس کی کل سزا "عذاب الیم" بیان ہوئی ہے)۔

۲۔ دنیا میں (نفاذ) قصاص، اخروی عذاب کو مرتفع کر دیتا ہے جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "السیف محاء للذنوب" یعنی (قصاص میں اٹھائی جانے والی) تلوار گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔

پہلی رائے کے حاملین، ان دونوں دلیلوں کی تردید میں کہتے ہیں کہ:

۱۔ آیت میں "عذاب الیم" سے مراد قصاص (ہو سکتا) ہے کیونکہ قتل ایذا رسانی میں انتہائی دنیاوی عذاب (سزا) ہے۔ اس تاویل کی رو سے یہ آیت (خود) انہی کے خلاف حجت (قرار پائی) ہے، پھر اس میں دونوں (معنوں کے) احتمال پائے جاتے ہیں۔ اور احتمال کی موجودگی میں حجت قائم نہیں ہوتی۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

۲۔ ان کی دوسری دلیل قبول کر لینے سے آیت شریفہ میں نسخ لازم آتا ہے (جو غیر ممکن ہے)۔

ثالثاً: صلح اگر عفو کی جگہ صلح ہو کہ قطع عضو یا جراحت کی صورت میں مال پر صلح کر لیں تو یہ صحیح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فمن عفی لہ من اخیہ شیٔ فاتباع بالمعروف واداء الیہ باحسان" یعنی جس کو اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معافی حاصل ہو جائے (کہ قصاص کے بدلے مال پر صلح کر لے) تو چاہیئے کہ بھلائی کے ساتھ تقاضا کرے اور اچھے انداز سے ادائیگی ہو۔ اور فرمان نبوی ہے: "من قتل لہ قتیل فھو بخیر النظرین اما ان یقاد واما ان یفدی" یعنی جس کا کوئی شخص قتل کر دیا جائے تو اسے دو باتوں کا اختیار ہے چاہے تو قصاص لے اور چاہے تو فدیہ وصول کرنے (پر صلح کر) لے۔ حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ: جو شخص عمداً کسی کو قتل کرے اسے مقتول کے ورثاء کے حوالے کیا جائے گا۔ اگر چاہیں تو اسے (قصاص میں) قتل کر دیں اور اگر چاہیں تو اس سے دیت وصول کر لیں جو تیس حقہ (تین سالہ اونٹ) تیس جذعہ (چار سالہ اونٹ) اور چالیس خلفہ (حاملہ اونٹنیاں) پر مشتمل ہو گی۔ اور جس پر وہ (ورثائے مقتول) صلح کر لیں اس کے حقدار ہوں گے۔

پس ہر وہ جنایت (زیادتی) جس میں قصاص واجب ہوتا ہے، اس میں کم یا زیادہ مال پر مصالحت جائز ہے اور چونکہ قصاص (مجنی علیہ یا اس کے ولی کے لیے) ایسا ثابت شدہ حق لازم ہے جسے بلا عوض معافی کے ذریعہ ساقط کیا جا سکتا ہے لہٰذا اس کی بھی گنجائش (بدرجۂ اولیٰ) ہو گی کہ اس حق کو کسی عوض پر مصالحت

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کے ذریعہ ساقط کر دیا جائے اس لیے کہ یہ معاوضہ لینا اولیائے مقتول کی جانب سے احسان اور بھلائی پر مشتمل ہے اور قاتل کو زندہ رکھنے کی ایک صورت ہے۔ (لہٰذا باہمی رضامندی کے ساتھ یہ مصالحت جائز ہوگی) بخلاف حد قذف کے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کا حق غالب ہے جو نہ معاف کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی عوض پر مصالحت کی جا سکتی ہے۔ اور اس (بدل صلح) میں قلیل اور کثیر مقدار برابر ہے اس لیے (بدل صلح) کا تعین (قاتل اور ورثائے مقتول کی باہمی رضامندی سے) موزوں مقدار پر مصالحت کے حوالے کیا گیا ہے۔ جیسا کہ خلع کتابت (باہمی رضامندی سے طے کردہ عوض کی ادائیگی پر غلام کو آزادی کا پروانہ دینا) اور مال کے عوض غلام کو آزاد کر دینے کی صورتوں میں ہوتا ہے۔ لیکن قتل خطأ کی صورت میں شریعت کی طرف سے معین کردہ مقدار دیت سے زیادہ مال پر مصالحت جائز نہیں کیونکہ یہ دیت (قاتل کی عاقلہ کے ذمہ ورثائے مقتول کے دین (قرض) کی حیثیت رکھتی ہے لہٰذا اس (مقدار دیت) سے زیادہ لینا ربوٰ قرار پاتا ہے [1]

صلح کی مشروعیت پر دلائل حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (قتل عمد کے ایک مقدمے میں) قاتل سے قصاص لینے کا فیصلہ (صادر) فرمایا لیکن صحابہ کرامؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر اس سلسلہ میں ناگواری کے آثار دیکھ کر مقتول کے ورثاء کو دو دیتوں کے عوض صلح پر آمادہ کر لیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پسند فرمایا۔

---

[1] تبیین الحقائق للزیلعی: ج ۶ ص ۱۱۳؛ نیز دیکھیے تکملہ فتح القدیر، ج ۸: ص ۲۷۵۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

۲ قصاص کا نفاذ ناممکن ہونے کی صورت میں حق (استیفاء) قصاص مال میں بدل جاتا ہے اس لیے مصالحت کے ذریعہ مال لے کر بھی اسے ساقط کیا جا سکتا ہے جیسا کہ عیب کی صورت میں مشتری خرید کردہ شئے لوٹانے کا حق رکھتا ہے۔ بخلاف حد قذف کے جو کسی طور مال میں نہیں بدل سکتی۔

۳۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: لا تعقل العاقلة عمدا ولا عبدا یعنی قتل عمد اور غلام کے (جرم) قتل کی دیت عاقلہ پر نہیں ڈالی جائے گی (تکمیل حدیث یوں ہے: ولا صلحا ولا اعترافا ولا ما دون ارش الموضحة۔ یعنی مصالحت، اعتراف جرم اور جراحت موضحہ سے کم تر جرائم کا تاوان بھی عاقلہ پر عائد نہیں ہوگا)

اگر مجنی علیہ نے جراحت، ضرب، قطع عضو یا شجہ (سر اور چہرے کے زخم) کی صورت میں مجرم کے ساتھ کسی چیز پر صلح کر لی اور پھر تندرست ہو گیا تو یہ صلح جائز ہے کیونکہ اس نے ان الفاظ کے ساتھ اپنا حق عوض لے کر ساقط کر دیا ہے لیکن اگر (مصالحت کے بعد) وہ مر گیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ صلح باطل ہو جائے گی اور از روئے قیاس مجرم پر قصاص واجب ہے مگر استحساناً اس کے مال سے دیت لی جائے گی (کیونکہ قتل مشتبہ ہو گیا ہے۔)

اور اگر یہ زخم بالآخر قتل میں بدل گیا تو عاقلہ پر دیت واجب ہوگی جبکہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک یہ صلح (موت کے بعد بھی) برقرار رہے گی اور مجرم پر (بدل صلح کے علاوہ) کوئی چیز واجب نہ ہوگی کیونکہ ضرر رسیدہ نے اپنے لیے جراحت رسانی کے سبب واجب ہونے والا حق خود ہی مصالحت کے ذریعہ ساقط کر دیا ہے اور جس طرح تندرست ہو جانے کے بعد اس کے حق (بدل صلح) کا سبب جراحت ہے اسی طرح موت کے بعد بھی اس کے حق کا سبب جراحت ہی

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ہے (جس پر وہ مصالحت کر چکا ہے لہٰذا موت کی صورت میں اس کے لیے قتل کی دیت ثابت نہ ہوگی) امام ابوحنیفہ کا موقف یہ ہے کہ مجنی علیہ نے صلح کے ذریعہ قطع عضو یا شجہ کے سبب واجب ہونے والا قصاص ساقط کیا تھا لیکن موت کے بعد یہ واضح ہوگیا ہے کہ ضرر رسیدہ کے لیے ثابت ہونے والا حق قصاص نفس ہے نہ کہ قصاص شجہ و اتلاف تو (مصالحت کے ذریعہ طے پانے والا) اسقاط مجنی علیہ کے (لیے ثابت شدہ) حق کا اسقاط نہیں لہٰذا باطل ہے، اسی لیے مجرم پر از روئے قیاس جان کا قصاص واجب ہے مگر امام صاحب نے استحسان کو اختیار کرتے ہوئے فرمایا کہ اس معاملہ میں ایک گونہ شبہہ پایا جاتا ہے کیونکہ قتل کا اصل سبب شجہ (زخم) تھا اور قصاص کی سزا شبہات سے ساقط ہو جاتی ہے البتہ مالی سزا شبہات کے باوجود باقی رہتی ہے (اس لیے دیت واجب ہوگی)۔

اگر کسی نے ایک شخص کی انگلی عمداً یا خطاءً کاٹ دی اور ایک ہزار درہم پر صلح کر لی پھر اس کے علاوہ کوئی دوسری انگلی شل ہو گئی تو صاحبین کے نزدیک مجرم پر (بدل صلح کے علاوہ) کوئی چیز واجب نہیں کیونکہ ضرر رسیدہ نے صلح کے ذریعہ اس قطع (اتلاف) کا (تاوان) ساقط کر دیا ہے جو دونوں انگلیوں کو شامل ہے جبکہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک مجرم سے دوسری انگلی کا تاوان لیا جائے گا کیونکہ مصالحت کے ذریعہ پہلی (قطع کردہ) انگلی کا قصاص ساقط ہوا ہے اور یہ صلح دوسری (بعد میں شل ہونے والی) انگلی کو شامل نہیں لہٰذا اس کا تاوان لازم (واجب الاداء) ہے۔ البتہ یہاں اس سرایت اثر سے عیاں ہے کہ پہلی انگلی (قصاص کی) مستحق تھی اس لیے اس کے اس بارے میں صلح درست (اور باقی ہے بخلاف پہلی صورت (زخم کا صلح کے بعد قتل بن جانا) کے کہ وہاں (زخم کے) جان کی طرف سرایت کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ زخم قصاص کا مستحق نہ تھا

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اس لیے وہاں صلح باطل ہو گئی کیونکہ وہ بغیر (ثبوت) حق کے طے ہوئی تھی۔

تعدد ورثاء کی صورت میں مصالحت

اگر کوئی شخص عمداً قتل کر دیا گیا اور اس کے دو بیٹوں میں سے ایک نے (حق قصاص میں) اپنا حصہ ایک سو درہم پر مصالحت (کے ذریعہ ساقط کر دیا) تو جائز ہے اور اس (سو درہم) میں اس کے بھائی کا کوئی حصہ نہ ہو گا کیونکہ مصالحت کنندہ نے قصاص میں اپنا حصہ عوض لے کر ساقط کر دیا ہے اور اگر وہ بلا عوض اپنا حق ساقط کر دیتا تو جائز تھا (لہٰذا یہ اسقاط بعوض بھی جائز ہے) اور مال قصاص کا بدل ہے جس کا وہ معاہدہ (صلح) کے ذریعہ حقدار ٹھہرا ہے اور چونکہ مصالحت کنندہ اس معاہدہ (عقد) کا براہ راست فریق (مباشر) ہے اس لیے اس کا بھائی اس میں شریک نہیں۔

لیکن اگر یہ قتل خطا ہو اور (مقتول کے وارثوں میں سے) ایک مال پر صلح کر لے تو اس کا شریک (وارث) مال میں حصہ دار بننے کا حق رکھتا ہے کیونکہ قتل خطا میں دیت واجب ہوتی ہے جس میں دونوں شریک (وارث) یکساں حصہ دار ہوتے ہیں اور مشترک قرض کے دو شریکوں میں سے ایک کی، کسی چیز کے عوض صلح درست ہوتی ہے اور اس کا ساتھی اس (عوض) میں شمولیت کا حقدار ہوتا ہے [1]

وصی کی طرف سے مصالحت

وصی (بچے کی رعایت و حفاظت کے لیے ولی کے مقرر کردہ شخص) کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ (بچے کی طرف سے) نفس کا قصاص لے مگر (قتل) نفس سے کم تر جرائم (جراحات، شجات اور اتلافات وغیرہ) کا قصاص لے سکتا

---

[1] دیکھیے، المبسوط: ج ۲۱: ص ۱۱

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ہے اور ان جرائم میں صلح بھی کر سکتا ہے

آیا (قتل) نفس کے معاملہ میں وصی مصالحت کر سکتا ہے؟ اس بارے میں مختلف روایات وارد ہیں۔ جامع صغیر میں آیا ہے کہ وصی کو ایسا کرنے کا حق حاصل ہے جبکہ بعض نے کہا ہے اسے یہ حق حاصل نہیں۔

بعض روایات میں امام محمدؒ سے منقول ہے کہ قاضی بچے کی طرف سے (قتل) نفس اور اس سے کم تر جرائم میں نہ تو قصاص لے سکتا ہے اور نہ ہی صلح کر سکتا ہے [1]

مال صلح قتل عمد کی ہر اس صورت میں جہاں شبہ کی بناء پر قصاص ساقط ہو گیا ہو، قاتل کے مال میں دیت واجب ہو گی اسی طرح صلح سے واجب ہونے والی ارش بھی قاتل کے مال سے وصول کی جائے گی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: لا تعقل العواقل عمداً یعنی (جرم) عمد کا تاوان عاقلہ ادا نہیں کرے گی اور یہ اس طرح کہ پہلی صورت میں دیت کی ادائیگی تین سال میں ہو گی کہ یہ مال شروع ہی سے قتل کے بدلے واجب ہوا ہے اس لئے (حکم میں) شبہ عمد کی مانند ہو گیا ہے اور دوسری صورت میں (بدل صلح کی) فوری ادائیگی لازم ہے کیونکہ یہ ایسا مال ہے جو عقد (مصالحت) کے ذریعہ واجب ہوا ہے اس لیے (حکم میں) ثمن مبیع کے مشابہ ہے۔

اگر ورثائے مقتول میں سے کوئی ایک (یا زیادہ) اپنا حصۂ (قصاص) عوض لیکر یا بلا عوض ساقط کر دے تو باقی ورثاء دیت میں اپنا حصہ لینے کے حقدار ہوں گے (لیکن قصاص کا مطالبہ نہ کر سکیں گے) کیونکہ ان میں سے ہر ایک اپنے حصہ (قصاص) میں استیفاء

---

[1] تبیین الحقائق للزیلعی: ج ۶: ص ۱۲۱۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

یا بعوض و بلا عوض اسقاط کی صورت میں تصرف کرنے کا مجاز ہے کہ یہ تصرف اس کے اپنے خالص حق میں ہوگا۔ پس وارث مقتول کا (تصرف) عفو و صلح نافذ ہو کر اس کے حصۂ قصاص کو ساقط کر دے گا اور (ساتھ ہی) باقی ورثاء کا حق قصاص بھی ضرورتاً ساقط ہو جائے گا کیونکہ قصاص ناقابل تجزیہ ہے جو ثبوت اور سقوط کسی صورت میں بھی تقسیم قبول نہیں کرتا۔ لیکن اگر قاتل نے دو آدمیوں کو قتل کیا اور ان میں سے ایک (مقتول) کے ورثاء نے قاتل کو معاف کر دیا تو دوسرے (مقتول) کے ورثاء کو قصاص لینے کا حق حاصل ہوگا کیونکہ اس صورت میں قتل اور مقتول کے اختلاف کی بناء پر دو (مختلف) قصاص واجب ہیں اور ایک کے ساقط ہو جانے سے دوسرے کا سقوط لازم نہیں آتا۔ جس طرح ایک قصاص کے ثابت ہو جانے سے دوسرا خود بخود ثابت نہیں ہو جاتا ہے اسی طرح سقوط میں بھی دونوں الگ الگ ہیں۔ بخلاف اس صورت کے جو ہمارے پیش نظر ہے (کہ یہاں قصاص ایک ہے، متعدد نہیں اس لیے) اگر ایک وارث (اپنا حصہ) ساقط کر دے تو معاف نہ کرنے والوں کا حصہ مال (دیت) میں تبدیل ہو جائے گا کیونکہ اس صورت میں بعض ورثاء کی طرف سے معافی پانے پر قاتل کی عصمت دم (حمایت شرعی) بحال ہو کر اس سے قصاص کا استیفاء متعذر ہو جاتا ہے لہٰذا (معاف نہ کرنے والوں کا) حق قصاص، مال میں بدل جاتا ہے جیسا کہ قتل خطاء میں، قصاص قاتل میں پائے جانے والے وصف خطاء (یعنی عقد ارادۂ جرم کے فقدان) کی بناء پر ساقط ہو جاتا ہے (ایسے ہی یہاں بھی قاتل کے وصف عصمت کے بحال ہو جانے کے باعث قصاص نہیں لیا جا سکتا) اس صورت میں قصاص معاف کرنے والے وارث کو تو کچھ نہ ملے گا کہ اس نے اپنا متعین حق اپنی مرضی اور عمل سے بلا عوض ساقط کر دیا ہے لیکن اس کے شرکاء سے کوئی چیز صادر نہیں ہوئی لہٰذا

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ان کا حصہ مال میں تبدیل ہو جائے گا اور اس سلسلہ میں تمام ورثاء برابر ہیں [1]

عمد اور خطاء یہاں یہ جان لینا ضروری ہے کہ قتل عمد میں، جیسا کہ پہلے بیان ہوا، قاتل کی موت سے، فقدان محل کی بناء پر اور ورثائے مقتول کی جانب سے معافی یا مال (خواہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو) پر مصالحت کی صورت میں قصاص ساقط ہو جاتا ہے۔ لیکن قتل خطاء میں دیت کی مقدار شریعت اسلامیہ کی طے کردہ ہے جس سے زیادہ پر مصالحت ربوٰ ٹھہرتی ہے (اور اس لیے حرام ہے) مگر قتل عمد میں قصاص (جو کہ شریعت کا مقررہ کردہ حق ہے) چونکہ مال نہیں ہوتا لہٰذا عقد صلح کے ذریعہ (سقوط قصاص کی صورت میں) مالی تاوان کی مقدار کا تعین ممکن ہے پس صلح کے ذریعہ واجب ہونے والا مال خواہ قلیل ہو یا کثیر اس کا تعین کیا جائے گا۔

---

[1] الزیلعی: تبیین الحقائق: ج ۶: ص ۱۱۴۔

[2] دیکھیے ابن عابدین: ج ۵: ص ۵۴۸۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

فصل ششم

اثباتِ جُرم

جرم قتل چار طریقوں سے ثابت ہوتا ہے:

(۱) اقرار (۲) قرائن (۳) شہادت۔ (۴) قسامت۔

۱۔ اقرار جرم

اقرار کی نوعیت یہ ہے کہ وہ) اپنے ذمے کسی دوسرے کے حق کی خبر دینا ہے نہ کہ اس حق کا ثبوت فراہم کرنا اور یہ خبر ظاہری اعتبار سے صدق اور کذب کا یکساں احتمال رکھنے کی وجہ سے مشکوک ٹھہرتی ہے اور حجت قرار نہیں پاتی (لیکن) اسے صرف ایسی صورت میں حجت ٹھہرایا گیا ہے جب کہ اس کے ساتھ کوئی معقول دلیل موجود ہو جو اس کی جانب صدق کو اس کی جانب کذب پر ترجیح دلا دے [1]

پس اگر کوئی شخص یہ اقرار و اعتراف کرے کہ میں نے فلاں شخص کو بالارادہ قتل کیا ہے تو اس پر قصاص لازم ہو جائے گا۔ بعض فقہاء کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ کا اقرار (ثبوت جرم کے لیے) کافی ہے جب کہ دوسرے فقہاء کی رائے میں مجرم کا دو مرتبہ جرم کا اقرار کرنا شرط ہے۔

اقرار کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ عاقل، بالغ اور با اختیار ہو (یعنی مجبور و مکرہ نہ ہو) اور آزاد ہونے کے بارے میں اختلاف ہے کہ بعض فقہاء اقرار سے ثبوت جرم

---

[1] دیکھیے مولف کی کتاب "نظریۃ الاثبات فی الفقہ الجنائی الاسلامی" طبع دوم، ص ۱۵۹۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کے لیے آزاد ہونے کی قید بھی لگاتے ہیں جب دوسروں کے نزدیک اگر غلام قتل عمد کا اقرار کرے تو اس سے بھی قصاص لیا جائے گا۔ کیونکہ وہ اس سلسلہ میں متہم (تہمت زدہ) نہیں ہے، پھر خون کے معاملہ میں غلام باعتبار اصل آدمیت کے، آزاد متصور ہوتا ہے اسی لیے آقا کی طرف سے، غلام کے خلاف حدود و قصاص میں سے کسی سزا کا اقرار اس پر نافذ نہیں ہوتا۔ لیکن اگر غلام قتل خطاء کا اعتراف کرے تو اس کا یہ اقرار اس کے آقا پر نافذ نہ ہوگا کیونکہ ایسی صورت میں غلام پر کچھ لازم نہیں آتا جب کہ آقا پر قتل خطاء کا فدیہ (تاوان) یا ورثائے مقتول کو غلام کی سپردگی عائد ہوتی ہے۔

ابن وہب کہتے ہیں۔ مجھے قابل اعتماد شخص نے بتایا کہ اس نے اہل علم اشخاص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ سنت یہ چلی آرہی ہے کہ غلام پر اپنے بارے میں کسی ایسی شئے کا اقرار جائز مقبول نہیں جس سے اس کے آقا پر کوئی تاوان لازم آتا ہو، الا یہ کہ اس کے اعتراف کے ساتھ کوئی شہادت بھی موجود ہو۔ لیکن غلام اگر کسی حد شرعی کا اقرار کرے تو یہ اقرار صحیح ہوگا اور اس پر حد قائم کی جائے گی اور کسی ایسی شئے کا اقرار جس کی سزا غلام کے اپنے جسم پر عائد ہوتی ہو جیسے قصاص، قطع ید اور قتل وغیرہ امام مالکؒ کے قول کے مطابق نافذ ہوگا [1]

قتل خطاء کا اقرار

اگر کسی شخص نے قتل خطاء یا قتل مشابہ بہ عمد (شبہ عمد) کا اقرار کیا تو اس کے اپنے مال میں دیت واجب ہوگی کیونکہ اقرار سے لازم ہونے والی دیت مددگار برادری پر عائد نہیں ہوتی۔

"المدونۃ الکبریٰ" میں کہا گیا ہے "میں نے پوچھا۔ اگر کوئی شخص قتل خطا کا اقرار کرے تو امام مالکؒ کے قول کے مطابق دیت اس کے ذاتی مال میں واجب ہوگی یا مددگار

---

[1] دیکھیئے المدونۃ الکبریٰ: ج ۱۶: ص ۱۷۵

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

برادری پر؟ تو جواب میں کہا کہ میں نے امام مالکؒ سے قتل خطاء کا اعتراف کرنے والے کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: میری رائے میں، اس صورت میں یہ دیکھنا چاہیئے کہ اقرار کرنے والے نے جس شخص کے (قتل خطاء) کے بارے میں اقرار کیا ہے اگر تو وہ ایسا ہے جس کے بارے میں یہ گمان کیا جا سکتا ہو کہ اقرار کنندہ نے اس کے بیٹے کو (دیت دلا کر) امیر بنانا چاہا ہے جیسے بھائی یا دوست وغیرہ، تو پھر اس کا یہ اقرار (میری رائے میں) قبول نہیں کیا جانا چاہیئے لیکن اگر کسی اجنبی شخص کے قتل خطاء کا اقرار کیا جس (کی ہمدردی) کے بارے میں اسے متہم نہیں قرار دیا جا سکتا تو پھر اس کا اقرار قبول کر لیا جانا چاہیئے بشرطیکہ وہ قابل اعتماد اور امین ہو اور اس امر کا خدشہ نہ پایا جاتا ہو کہ اس نے کسی شخص سے محبت اور ہمدردی (جتلانے کے اظہار) کے لیے رشوت لی ہے [1]

۲- قرائن احوال

قرینہ وہ ضروری ربط و مناسبت ہے جو قانون معین واقعات کے مابین پیدا کرتا ہے یا وہ ناگزیر نتیجہ جو کسی خاص واقعہ سے قاضی کے لیے نکالنا ضروری ہو۔

قرینہ کا لفظ لغت میں "مقارنت" بمعنی مصاحبت یعنی ہم نشینی سے ماخوذ ہے (اس لیے) اس کی دلالت کبھی تو اس مصاحبت (مناسبت) کی قوت ضعف کے لحاظ سے قوی یا ضعیف ہوتی ہے اور کبھی یہ دلالت یقین کے درجے تک پہنچ جاتی ہے یا گمان و احتمال کے انتہائی ادنیٰ درجہ تک گر جاتی ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں کیا جاتا ہے قرینہ (کی دلالت) کے انضباط کا انحصار ذہنی قوت، فطانت اور بیدار مغزی پر ہوتا ہے۔

قرائنی شہادت کی ایک مثال یہ واقعہ ہے کہ جب عفراء کے دو بیٹوں نے ابوجہل

---

[1] دیکھیئے المدونۃ الکبریٰ: ج ۱۶، ص ۴۰۱

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کو قتل کرنے کا دعویٰ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا کہ کیا تم نے اپنی تلواریں صاف کر لی ہیں۔ انہوں نے نفی میں جواب دیا تو فرمایا: مجھے تم دونوں اپنی اپنی تلوار دکھاؤ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلواریں ملاحظہ فرما کر ایک کے بارے میں فرمایا کہ اس نے ابوجہل کو ہلاک کیا ہے اور ابوجہل کا سلب (چھینا ہوا مال) اسے دے دیا۔ یہ قرائنی شہادت پر مبنی فیصلہ کی ایک عظیم مثال ہے اور واجب الاتباع ہے کیونکہ تلوار کا خون آلود ہونا زبردست شاہد ہے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ قسامت کی بناء پر خون کا فیصلہ کرنا بھی قرائنی شہادت ہی کی ایک نظیر ہے۔ الطرق الحکمیۃ میں ہے: "کیا کوئی شخص اس بات میں شک کر سکتا ہے جبکہ وہ ایک مقتول کو خون میں لت پت اور دوسرے کو خون آلود چھری لیے اس کے سر پر کھڑا دیکھے اور بالخصوص جب کہ اس کی مقتول سے دشمنی بھی آشکار ہو کہ چھری پکڑے ہوئے شخص نے ہی اس کو قتل کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جمہور فقہاء نے (ثبوت جرم کے لیے) یہ جائز رکھا ہے کہ ولی مقتول کسی شخص کے بارے میں پچاس قسمیں کھائے کہ وہی اس کے عزیز کا قاتل ہے۔ پھر امام مالک اور امام احمد رحمہما کے نزدیک اس قاتل سے قصاص لیا جائے گا اور امام شافعیؒ کے نزدیک اس پر دیت عائد کی جائے گی۔ [۲]

۳۔ شہادت

اصطلاح شرع میں شہادت یا گواہی اس سچی خبر کا نام ہے جو عدالت میں حاضر ہو کر کسی حق کے اثبات کی خاطر لفظ

---

[۱] بخاری و مسلم میں عبدالرحمٰن بن عوف سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلواریں دیکھ کر فرمایا تم دونوں نے اسے قتل کیا ہے اور پھر ابوجہل کا سلب معاذ بن عمرو بن الجموح کو عطا فرمایا

[۲] الطرق الحکمیۃ، مؤلفہ ابن قیم الجوزیۃ، ص ۷، اور مابعد۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

شہادت سے بیان کی جائے۔ یا (بالفاظ دیگر) شہادت عبارت ہے کسی شخص کے ذمہ اللہ تعالیٰ کے یا بندوں کے کسی حق کی ایسی خبر سے جو ذاتی مشاہدے اور یقین پر مبنی ہو نہ کہ ظن و تخمین کی بنیاد پر جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک میں اشارہ کیا گیا ہے کہ " اذا رأیت مثل الشمس فاشھد والا فدع " یعنی اگر تو (کسی واقعہ یا معاملہ کو) سورج کی مانند دیکھے تو شہادت دے ورنہ چھوڑ دیجئے۔

وہ امور (جرائم) جن سے قصاص واجب ہوتا ہے ان کے ثبوت کے لیے دو (عادل) مردوں کی گواہی ضروری ہے۔ جرائم قصاص کے ثبوت کے لیے عورت کی گواہی کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے چنانچہ "المغنی" میں ہے۔ ایسے امور جن سے مالی تاوان واجب ہوتا ہے جیسے قتل خطاء قتل مشابہ عمد، جائفہ (وہ زخم جو بدن کے اندر تک گھس جائے)، مأمومہ (وہ زخم جو دماغ کی جھلی تک پہنچ جائے)، موضحہ (یعنی ہڈی کھول دینے والے زخم) سے کم تر زخم، اور بلا ارادہ مجرم کا شریک جرم ہونا وغیرہ، ایسے امور کے اثبات میں ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی، یا ایک عادل مرد کی شہادت اور اور یمین (حلف) مدعی کافی ہے۔ یہ امام شافعی کا مذہب ہے۔ ابوبکر کہتے ہیں۔ یہ مقدمات بھی دو قابل اعتبار مردوں کی شہادت کے بغیر پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچ سکتے لہٰذا ان مقدمات میں بھی عورتوں کی گواہی یا ایک گواہ کے ساتھ مدعی کی قسم قابل قبول نہ ہوگی کیونکہ یہ کسی انسان کے قتل یا (جسمانی) زیادتی پر گواہی ہے۔ اس (رائے) کی صحت اس امر سے عیاں ہے کہ جب قتل عمد کی قسامت (قاتل نامعلوم ہونے کی صورت میں اولیائے مقتول کے منتخب کردہ پچاس افراد کا حلفیہ بیان بریت) اور قتل خطاء و شبہ عمد موجب تاوان (دیت) کی قسامت میں عورتوں کو کوئی دخل حاصل نہیں تو اس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ خون سے متعلق مقدمات کی شہادت میں کسی بھی صورت میں ان کا اعتبار نہیں۔[1]

---

[1] دیکھیے المغنی ج ۱۰، ص ۱۴۲ نیز دیکھیے الطرق الحکمیۃ لابن قیم مطبوعہ ۱۹۶۱ء، ص ۱۷۵ وما بعد۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں: حدود اور قصاص کے علاوہ تمام معاملات میں ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی قابل قبول ہے۔ امام سفیان ثوریؒ کی رائے میں قصاص کے مقدمات میں ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں کی شہادت کافی ہے جبکہ امام مالکؒ کے نزدیک قصاص حدود اور احصان (شادی شدہ ہونا) کے مقدمات میں عورتوں کی گواہی نہ تنہا قابل قبول ہے اور نہ ایک مرد کے ساتھ۔

ایک شیعی عالم محلی "المختصر النافع" میں رقمطراز ہے: زخموں اور قتل کے بارے میں ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں کی گواہی کافی ہے (لیکن) ان کی شہادت سے صرف دیت واجب ہوگی، قصاص نہیں۔ دیون (قرضوں) میں مردوں کے ساتھ عورتوں کی گواہی مقبول ہے۔ اور اگر تنہا عورتیں ہوں اور ان کے ساتھ مدعی کی قسم بھی شامل ہو تو اغلب یہ ہے کہ ایسی گواہی قبول نہ ہوگی[1]

اسی طرح مقدمات قصاص میں نہ تو شہادت علی الشہادۃ مقبول ہے اور نہ ہی ایک قاضی کی طرف دوسرے قاضی کا مکتوب کیونکہ قصاص ایسی سزا ہے جو شبہات سے ساقط ہو جاتی ہے اور مذکورہ دونوں شہادتیں اصلی نہیں بلکہ بدلی شہادتیں ہیں اور بدل میں اجو کہ اصل کے قائم مقام ہوتا ہے (اور اس لیے ثانوی حیثیت رکھتا ہے) شبہ پایا جاتا ہے لہٰذا اس کے ذریعہ شبہات سے ساقط ہو جانے والی چیز ثابت نہیں ہو سکتی بلکہ صرف وہی شئے ثابت ہو سکتی ہے جو شبہات سے ساقط نہ ہوتی ہو اور وہ مالی تاوان ہے[2]

پس اگر دو مرد کسی آدمی کے بارے میں گواہی دیں کہ اس نے کسی شخص کو (عمداً) تلوار (یا اور کسی مہلک آلہ) سے مارا جس کے بعد مضروب صاحب فراش رہا یہاں تک کہ وفات

---

[1] دیکھئے المختصر النافع: ص ۲۸۸۔

[2] دیکھئے الزیلعی: ج ۶: ص ۱۲۳۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

پا گیا تو قاتل سے قصاص لیا جائے گا۔ ابراہیم نخعی کہتے ہیں: یہ اس لیے کہ جو چیز گواہی سے ثابت ہو وہ ایسی ہے جیسے معائنہ (آنکھوں دیکھے) سے ثابت ہو۔ [۱]

قتل خطا میں اور ہر اس قتل میں جس سے قصاص واجب نہیں ہوتا، مردوں کے ساتھ عورتوں کی گواہی بھی قبول کی جاتی ہے، اسی طرح ان مقدمات میں شہادت پر شہادت اور ایک قاضی کی طرف دوسرے قاضی کے مکتوب کی شہادت بھی قابلِ قبول ہے۔ [۲]

اگر ایک عادل گواہ کسی شخص کے بارے میں یہ گواہی دے دے کہ اس نے (عمداً) کسی کو قتل کیا ہے تو ملزم (تہمت زدہ شخص) کو احتیاطاً قید کر لیا جائے گا تا آنکہ دوسرا گواہ آجائے ورنہ اسے رہا کر دیا جائے گا، اور اگر دو گواہ کسی شخص کے بارے میں جرم قتل کی گواہی دیں تو بھی ملزم کو احتیاطاً قید میں رکھا جائے گا حتیٰ کہ گواہوں کی عدالت (نکوکاری اور مروت و شائستگی) ظاہر ہو جائے (ورنہ ملزم رہا کر دیا جائے گا) اور قتل خطا (میں شہادت) کا بھی یہی حکم ہے [۳]

قاضی کو چاہیئے کہ وہ گواہوں سے یہ دریافت کرے کہ آیا مقتول، اسی (قاتل) کی ضرب سے مرا ہے یا نہیں؟ اسی طرح اگر گواہوں نے شہادت دی کہ قاتل نے مقتول کو تلوار سے مارا، یہاں تک کہ وہ مر گیا (تو یہ شہادت قبول کی جائے گی) اگرچہ

---

[۱] دیکھیئے المبسوط: ج ۲۶: ص ۱۲۷؛ نیز دیکھیئے المغنی: ج ۱۰: ص ۳۱: ابو عبداللہ سے ایک اور روایت میں منقول ہے کہ جرم قتل کے ثبوت کیلئے چار گواہ ضروری ہیں جس کا مذہب بھی یہی ہے کیونکہ یہ ایسی شہادت ہے جس سے قتل جیسا بڑا جرم ثابت ہوتا ہے (جسکی سزا بھی شدید ترین ہے) اس لیے (ان کے نزدیک) شادی شدہ شخص کے جرم زنا کے ثبوت کی طرح یہاں بھی چار گواہ لازمی ہیں۔ [۲] دیکھیئے المبسوط: ج ۱۶: ص ۱۰۵؛ نیز دیکھیئے ابن عابدین مطبوعہ: ص ۲۸۶ ص ۵۵۹: [۳] دیکھیئے ابن عابدین: ج ۵: ص ۳۹۸:

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

گواہوں نے "عمداً" کا لفظ استعمال نہ کیا ہو کیونکہ ارادے کا تعلق قلب سے ہوتا ہے اور وہ ایک پوشیدہ امر ہے لیکن اسے دلیل سے معلوم کیا جا سکتا ہے اور وہ دلیل (یہاں) ایک ایسے آلے کا استعمال ہے جو عموماً ہلاک کر دیتا ہے البتہ اگر گواہ اپنی شہادت میں یہ کہیں کہ قاتل نے مقتول کو "عمداً" مارا ہے اور مقتول کی موت اس کی ضرب کے نتیجہ میں واقع ہوئی ہے تو کوئی حرج نہیں [1]

اگر دو گواہ مقام قتل کے بارے میں مختلف بیان دیں اور مبینہ جگہوں کے مابین کافی فاصلہ ہو تو یہ شہادت رد کر دی جائے گی لیکن اگر دونوں مقام باہم نہایت قریب ہوں مثلاً ایک گواہ کہے کہ قاتل نے اس جگہ مقتول کو قتل کیا ہے اور دوسرا گواہی دے کہ اس نے اسی مقام کی دوسری جانب یہ قتل ہوتا دیکھا ہے تو ایسی شہادت قبول کر لی جائے گی۔

اسی طرح اگر گواہ وقت قتل یا آلۂ قتل میں اختلاف کریں مثلاً ایک گواہ نے کہا کہ قاتل نے مقتول کو لاٹھی سے مارا اور دوسرا کہے تلوار سے قتل کیا، تو یہ گواہی باطل ہو جائے گی [2] کیونکہ ہر گواہ نے مختلف قتل کی شہادت دی ہے اور ایک ہی واقعہ میں قتل کا اعادہ و تکرار ممکن نہیں اس لیے کسی ایک گواہ کا کذب یقینی ہے۔

اسی طرح اگر ایک گواہ قتل عمد کی شہادت دے اور دوسرا اسے قتل خطاء بتائے تو یہ گواہی باطل ہو گی کیونکہ دونوں گواہ، امر مشہود بہ (جس چیز کی گواہی دی جا رہی ہے) کے بارے میں اختلاف کا شکار ہیں کہ قتل عمد اور قتل خطاء (کی نوعیت) میں فرق ہے

---

[1] دیکھیے ابن عابدین: ج ۵، ص ۳۹۸

[2] دیکھیے المبسوط: ج ۲۶ ص ۱۰۳

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اور ان کا حکم بھی مختلف ہے [1]

اگر گواہوں نے یہ کہا کہ ہم نہیں جانتے کس چیز سے قتل کیا ہے تو وجوب قصاص کے حق میں یہ شہادت ساقط ہو جائے گی (یعنی اس گواہی کی بنا پر قصاص ثابت نہیں ہو سکتا) تاہم علامہ سرخسی کے بقول اس صورت میں دیت واجب ہے (کیونکہ مطلق قتل ثابت ہے لیکن اس کے دونوں موجبات میں سے کم تر یعنی دیت عائد ہو گی

اگر گواہ آدمیوں کے بارے میں شہادت دیتے ہوئے کہیں کہ ان میں سے ایک نے مقتول کو تلوار سے اور دوسرے نے لاٹھی سے مار کر ہلاک کیا لیکن وہ یہ نہ جانتے ہوں کہ لاٹھی کس نے ماری تو یہ شہادت رد کر دی جائے گی کیونکہ ان کی گواہی سے کوئی ایسا سبب ثابت نہیں ہو سکا جس کی بنا پر قاضی فیصلہ کر سکے۔ یہ (فقہی) حکم اس رائے سے مشابہ ہے جس پر (شروع میں) مصر کی عدالت "نقض و ابرام" عمل پیرا رہی مگر پھر اس صورت میں اس رائے سے عدول کر لیا جب کہ پیشگی اتفاق (منصوبہ بندی) سے یا گھات لگا کر قتل کا ارتکاب کیا جائے اور یہ ثابت ہو جائے کہ متعدد ملزمان میں سے ہر ایک نے گولی چلائی مگر مقتول کی موت ان میں سے صرف ایک ہی شخص کی گولی سے واقع ہوئی، کہ اس صورت میں وہ تمام مادی افعال جن سے جرم قتل واقع ہوا، صرف اس شخص میں منحصر ہو گئے ہیں جس کی گولی موت کا سبب بنی اور وہ شخص جس کا نشانہ درست نہ لگا جرم کا مرتکب نہیں ٹھہرتا کیونکہ اس نے کوئی ایسا عمل انجام نہیں دیا جو جرم کی تکوین (ماہیت) میں داخل ہو، لہٰذا یہ شخص محض شریک ہی متصور ہو گا اور اگر یہ ثابت نہ ہو سکے کہ ملزمان میں سے کونسے شخص کی گولی سے موت واقع ہوئی تو

---

[1] دیکھئے المبسوط: ج ۲۶، ص ۱۰۴

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ان میں سے کوئی بھی فاعل اصلی (حقیقی مجرم) نہیں ہوگا بلکہ دونوں ہی شریک قرار پائیں گے [1]

اگر دو گواہ قتل عمد کی شہادت دیں (اور اس شہادت کی بنا پر نفاذ قصاص کے بعد) وہ اپنی شہادت سے رجوع کرلیں تو حنفیہ کے نزدیک ان دونوں (گواہوں) کے مال میں دیت واجب ہوگی اور امام شافعیؒ کے نزدیک ان سے قصاص لیا جائے گا۔

اگر دو گواہوں نے ایک شخص کے خلاف قتل خطا کی شہادت دی ایک کی شہادت چشم دید (مشاہدے پر مبنی) اور دوسرے کی شہادت اس کے سامنے قاتل کے اقرار پر مبنی تھی تو یہ گواہی باطل ہو جائے گی کیونکہ مشہود بہ (وہ امر جس کی شہادت دی جا رہی ہے) کے بارے میں دونوں گواہان کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ کہ ایک کی شہادت فعل پر اور دوسرے کی قول پر مبنی ہے اور قول و فعل دونوں میں فرق ہے اور ان میں سے ہر بات کا اثبات دو شہادتوں کا محتاج ہے [2]

اگر دو گواہ کسی آدمی کے بارے میں گواہی دیں کہ اس نے قتل عمد کا ارتکاب کیا ہے تو اسے گواہوں سے (متعلق) تفصیلی معلومات کے حصول تک قید رکھا جائے گا کیونکہ اس پر خون کی تہمت عائد ہوگئی ہے اور متہم کا حکم یہ ہے کہ اسے قید کر دیا جائے جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص کو تہمت (الزام) کی بنا پر قید کرنے کی روایت ملتی ہے۔ نیز روایت ہے کہ ایک شخص حضرت عمرؓ کے پاس دوڑتا

---

[1] شرح قانون العقوبات: مصنفہ ڈاکٹر سعید مصطفیٰ السعید: ص ۲۶۴

[2] المبسوط: ج ۲۶: ص ۱۰۴:

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اور یہ کہتا ہوا آیا کہ اے امیر المؤمنین! مجھے بچائیے! آپ نے پوچھا کس سے؟ کہنے لگا خون سے، تو آپ نے فرمایا اسے قید کر لو۔

اور یہ ظاہر ہے کہ عقوبات (سزاؤں کے نفاذ) میں کفیل (ضامن) بنانا درست نہیں کیونکہ اس بارے میں شدید حزم واحتیاط کی ضرورت ہے اس لیے متہم کو قید میں رکھا جاتا ہے (حتیٰ کہ) اگر ایک عادل گواہ بھی کسی کے خلاف قتل کی گواہی دے تو امام اسے قید میں رکھنے کا مجاز ہوگا کیونکہ اس پر خون کا الزام ہے۔ بعد میں اگر دوسرا گواہ ملے تو فبہا ورنہ حاکم اسے رہا کر دے گا۔ اس سلسلہ میں قتل عمد، خطاء اور شبہ عمد سب کا ایک ہی حکم ہے گویا قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ قتل خطاء اور شبہ عمد میں متہم کو قید نہ کیا جائے کہ ان میں دیت واجب ہوتی ہے [1]

۴ - قسامت

قاتل معلوم ہونے کی صورت میں جرم قتل کی نوعیت (عمد یا خطاء) کے لحاظ سے قصاص یا دیت واجب ہوتی ہے لیکن اگر قاتل معلوم نہ ہو تو جمہور فقہاء کے نزدیک (اہل محلہ پر) قسامت اور دیت عائد ہوتی ہے اور امام مالکؒ کے نزدیک قسامت کے ساتھ قصاص (دعوی عمد میں) واجب ہوتا ہے۔ یہاں ہم قسامت پر حسب ذیل پہلوؤں سے بحث کریں گے۔

(۱) قسامت کا معنی اور محل۔ (۲)۔ وجوب قسامت کے شرعی دلائل۔
(۳) وجوب قسامت کے شرائط۔ (۴) قسامت کن لوگوں پر عائد ہوتی ہے۔
(۵) قسامت سے براءت۔

---

[1] المبسوط: ج ۲۶: ص ۱۰۶

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اولاً: قسامت کا معنی

قسامت کا لفظ لغت میں حسن وجمال کے معنوں میں آتا ہے۔ کہا جاتا ہے فلان قسیم یعنی فلاں شخص حسین وجمیل ہے۔ اور قسم لینے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

اصطلاح شرع میں قسامت اس حلف کو کہتے ہیں جو اولیائے مقتول (ایسے لوگوں کے بارے میں جن پر انہیں قتل کا شبہ ہو) اپنے استحقاق قصاص کی خاطر اٹھاتے ہیں یا وہ قسم جو اس علاقہ کے پچاس مکین اپنی بریت کے اظہار کے لیے کھاتے ہیں جہاں مقتول کی لاش ملی ہو اور کہتے ہیں کہ واللہ نہ ہم نے اسے قتل کیا ہے اور نہ ہم قاتل کو جانتے ہیں۔ اہل محلہ یہ قسم کھالیں تو احناف کے نزدیک ان پر دیت عائد کی جائے گی۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں اگر وہاں لوث (یعنی کوئی ایسا قرینہ جس سے ثبوت قتل کا گمان غالب ہوتا ہو) پایا جائے تو اولیائے مقتول سے پچاس قسمیں لی جائیں گی، اگر وہ قسمیں کھالیں تو (قتل عمد کے دعویٰ کی صورت میں) مدعیٰ علیہ سے قصاص لیا جائے گا۔ "لوث" سے امام مالکؒ یہ مراد لیتے ہیں کہ کسی ایک شخص میں جرم قتل کے ارتکاب کی کوئی علامت پائی جائے یا ایسا ثبوت ملے جس سے معلوم ہو کہ (قاتل اور مقتول کے درمیان) دشمنی موجود تھی [1]

اور امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ اگر وہاں لوث یعنی عداوت ظاہری (کا قرینہ) موجود ہو اور مقتول کے اس بستی میں دخول اور قتل (کیے جانے) کے درمیان

---

[1] قسامت کی صورت ہم نے اپنی کتاب "نظریۃ الاثبات فی الفقہ الجنائی الاسلامی" ص ۲۲۷ پر بیان کی ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

وقفہ بہت مختصر ہو تو ولی سے کہا جائے گا کہ قاتل کی تعیین کرے، اگر اس نے قاتل معین کر لیا تو پھر ولی دم سے پچاس قسمیں لی جائینگی اور قسم کھا لینے پر امام شافعیؒ کے ایک قول کی رو سے، جو کہ امام مالکؒ کے قول جیسا ہے قاتل جسے ولی نے معین کیا ہے) پر قصاص لاگو ہوگا جب کہ ان کے دوسرے قول کے مطابق، اس سے دیت لی جائے گی۔

اور اگر ان دونوں شرطوں میں سے کوئی ایک شرط نہ پائی جائے تو اہل محلہ حلف اٹھائیں گے جس کے بعد ان پر (امام شافعیؒ کے نزدیک) کوئی دیت نہ ہوگی جیسا کہ باقی تمام دعاوی میں ہوتا ہے [1]

ثانیاً: وجوب قسامت کے دلائل

قاتل نامعلوم ہونے کی صورت میں جرم قتل کے ثبوت کے لیے، قسامت کا طریقہ عہد جاہلیت میں رائج تھا، شریعت اسلامیہ نے اس طریقہ کو باقی رکھا قرآن کریم، سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیہ سلطانا یعنی اور جو کوئی مظلوم مارا جائے تو ہم نے اس کے ولی کو غلبہ عطا کیا ہے۔

اس سلطان (غلبہ واستیلاء) کا بیان اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سونپا اور آپ نے اس کی وضاحت قسامت سے فرمائی۔

---

[1] دیکھیے بدائع الصنائع ج ۷، ص ۲۸۶

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

سنت سے قسامت کا ثبوت صحیحین کی اس حدیث سے ملتا ہے کہ عبداللہ بن سہل اور محیصہ ایک مہم کے سلسلہ میں (خیبر) روانہ ہوئے (اور ایک دوسرے سے جدا ہو گئے) محیصہ کو اطلاع ملی کہ عبداللہ کو کسی شخص نے قتل کر دیا اور اس کی لاش کو ایک شکستہ کنویں یا چشمے میں ڈال دیا۔ محیصہ نے یہود سے کہا، واللہ تم لوگوں نے اسے قتل کیا ہے۔ انہوں نے جواب میں قسم کھا کر کہا کہ ہم نے قتل نہیں کیا محیصہ نے اپنی قوم میں واپس آکر ان سے یہ تمام واقعہ ذکر کیا، پھر وہ خود، اس کا بڑا بھائی حویصہ اور عبدالرحمٰن بن سہل، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ محیصہ نے عرض حال کا ارادہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بڑے آدمی کا خیال کرو (یعنی اسے بتانے دو) اس پر حویصہ نے بات شروع کی اور بعد ازاں محیصہ نے تمام واقعہ عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہود یا تو تمہارے آدمی کا خونبہا ادا کر دیں ورنہ خدا سے جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کی طرف یہ قرارداد لکھ بھیجی۔ انہوں نے جواب میں تحریر کیا کہ واللہ ہم نے عبداللہ بن سہل کو قتل نہیں کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حویصہ، محیصہ اور عبدالرحمٰن سے دریافت کیا کہ کیا تم قسم کھا کر اپنے ساتھی کے خونبہا کا حق دار ہونا چاہو گے؟ انہوں نے کہا، نہیں (کیونکہ ہم نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہود تمہارے لئے حلف اٹھالیں گے؟ انہوں نے گزارش کی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ (یہود) تو مسلمان نہیں (ہم ان کی قسم کس طرح قبول کرلیں)۔ اس پر حضور رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے خون کی دیت کے طور پر ایک سو اونٹنیاں مقتول کے وارثوں کو، اپنے پاس (بیت المال) سے دیدیں (اور یہ پسند نہ فرمایا کہ مقتول کا خون رائیگاں جائے) بیت المال سے

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اس لیے کہ ان کا حق کسی پر ثابت نہ ہو سکا[1] رہی (مشروعیت قسامت پر) دلیل اجماع تو یہ ہے کہ قسامت کے وجوب کا سبب دراصل مقتول کی حمایت و نصرت

---

[1] دیکھیے المبسوط: ج ۲۶: ص ۱۰۷: نیز بدائع الصنائع: ج ۷: ص ۲۸۶: علماء کا ایک گروہ بشمول سالم بن عبداللہ، ابو قلابہ اور عمر بن عبدالعزیز کہتا ہے کہ قسامت کی بنیاد پر (جرم قتل کی سزا) کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ روایت ہے کہ ابو قلابہ کے غلام ایوب نے کہا: میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے ہاں تھا آپ کے پاس بڑے بڑے لوگ بیٹھے تھے، ایسے میں آپ کے سامنے ایک مقتول کا معاملہ پیش ہوا جو ایک محلہ میں مردہ پایا گیا تھا اور قاتل معلوم نہ تھا، ابو قلابہ بھی وہیں مجلس میں موجود تھے۔ بعض لوگوں نے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قسامت کی بنیاد پر قصاص کا فیصلہ فرمایا اور آپ کے بعد ابو بکرؓ، عمرؓ اور دیگر خلفاء نے بھی ایسا ہی کیا۔ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے ابو قلابہ کو خاموش دیکھ کر پوچھا۔ تمہاری کیا رائے ہے۔ وہ بولے۔ آپ کے پاس عرب کے اشراف بیٹھے ہیں اگر اہل دمشق میں سے دو شخص حمص کے ایک آدمی پر چوری کے جرم کی گواہی دیں حالانکہ انہوں نے اسے نہ دیکھا ہو، کیا آپ اس کا ہاتھ کاٹ دیں گے۔ حضرت عمرؓ نے کہا: نہیں۔ ابو قلابہ بولے۔ اگر اہل حمص میں سے چار اشخاص، ایک دمشقی شخص کے بارے میں بغیر دیکھنے کی گواہی دیں تو کیا آپ اسے سنگسار کر دیں گے؟ حضرت عمرؓ نے نفی میں جواب دیا ابو قلابہ نے کہا: بخدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کو بغیر قصاص کے، یا ایمان کے بعد کفر اختیار کرنے کے، یا شادی کے بعد بدکاری کے ہرگز قتل نہیں کیا۔ انہوں نے مزید کہا۔ قسامت کی بنیاد پر قصاص کا فیصلہ جاہلیت کی رسم ہے جسے اسلام میں سب سے پہلے حضرت معاویہؓ نے اپنایا۔ اسی لیے ابو قلابہ نے اسکا شدت سے انکار کیا حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے قسامت کے بارے میں لکھا کہ اگر قتل عمد کے جرم میں دو عادل گواہ شہادت دیدیں تو قصاص نافذ کر دو لیکن پچاس آدمیوں کی بنیاد پر کوئی شخص قتل نہ کیا جائے (دیکھیے بدایۃ المجتہد: ج ۲: ص ۱۳۰۸)

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اور جہاں وہ پایا اس مقام کے تحفظ و نگرانی میں ان لوگوں کی جانب سے کوتاہی برتتا ہے جن پر اس تحفظ و حمایت کی ذمہ داری (شرعاً) عائد ہوتی ہے کیونکہ جن لوگوں پر یہ حفاظت و نگرانی واجب تھی وہ قدرت ہونے کے باوجود اس میں کوتاہی کے مرتکب ہوئے لہٰذا ترک واجب پر زجر و توبیخ اور آئندہ اس فرض کی تکمیل (کا پابند بنانے) کے لیے مؤاخذہ کے مستحق ٹھہرے اور جو شخص اس حفاظت و نصرت کا جتنا زیادہ پابند تھا اتنا ہی زیادہ قسامت اور دیت (کی سزا) کا مستحق ہوگا کیونکہ تحفظ (کی ذمہ داری) میں وہ آگے تھا تو اس کی تقصیر بھی زیادہ اور شدید ہے۔

پھر یہ بھی ہے کہ کسی ایسی جگہ مقتول کا پایا جانا جو کسی فرد یا گروہ کی ملکیت یا قبضہ میں اور زیر تصرف ہو انہی لوگوں کو ارتکاب قتل کا متہم ٹھہراتا ہے اس لیے شریعت اسلامیہ نے الزام قتل کے ازالہ کے لیے ان پر قسامت اور مقتول ان کے درمیان پائے جانے کی بنا پر دیت عائد کی ہے جیسا کہ حضرت عمرؓ سے اس طرح کے فیصلہ پر جب پوچھا گیا کہ: کیا ہم قسمیں بھی اٹھائیں اور مال (دیت) بھی ادا کریں؟ تو آپؓ نے فرمایا۔ قسمیں تو تم پر اس لیے واجب ہیں تاکہ الزام قتل سے بری ہو کر تمہارا خون قصاص سے محفوظ ہو جائے اور مال (کی ادائیگی) اس لیے کہ مقتول تمہارے درمیان پایا گیا (اور اس کا خون رائیگاں نہیں جا سکتا)۔

بنا بریں ہر شہر (اور بستی) کے لوگوں کو اپنے علاقے کو اس قسم کے جرائم کے ارتکاب سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کے علم کے بغیر وہاں ان جرائم کا ارتکاب نہیں ہو سکتا۔ اور امر واقع (حقیقت) یہ ہے کہ اس (وجوب قسامت) کے سلسلہ میں اسلام کا (موقف) بالکل درست اور صحیح ہے کہ اس طرح کسی انسان کا خون قطعاً رائیگاں نہیں جاتا کیونکہ اہل محلہ اس کا تاوان ادا کرتے ہیں اور اگر قاتل کی پہچان کے لیے قسامت نہ ہو سکے تو مسلمانوں کے بیت المال

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

سے مقتول کی دیت ادا کی جائے گی۔

ثالثاً: وجوب قسامت کے شرائط

قسامت کے وجوب کے لیے مندرجہ ذیل امور کا متحقق ہونا شرط ہے۔

۱۔ یہ کہ مقتول انسان[1] ہو، خواہ عاقل ہو یا بچہ، مرد ہو یا عورت، مسلمان ہو یا ذمی اور اس پر قتل کا اثر جیسے زخم یا چوٹ (کا نشان) یا گلا گھونٹے جانے کی علامت یا زہر پلا کر ہلاک کیے جانے کا اثر ہو یعنی مرض کے علاوہ کسی ذریعے سے اس کی جان ضائع کی گئی ہو۔ اگر ان میں سے کوئی چیز (قتل کی علامت) موجود نہ ہو تو (اہل محلہ پر) قسامت اور دیت واجب نہ ہوگی۔

کہا گیا ہے کہ اگر فوت شدہ شخص کے طبعی موت مرنے اور قتل کیے جانے کا برابر احتمال پایا جاتا ہو تو اس شک و احتمال کی وجہ سے کوئی چیز واجب نہ ہوگی، (جیسا کہ اگر میدان جنگ میں کوئی لاش ملے اس پر قتل کے اثرات موجود نہ ہوں تو وہ شہید متصور نہ ہوگا (بلکہ) اسے غسل دیا جائے گا۔

امام مالک اور شافعی کی رائے یہ ہے کہ (وجوب قسامت کے لیے) مقتول (کے جسم) پر قتل کے اثرات کا پایا جانا ضروری نہیں جب کہ امام احمد، حماد، امام ابوحنیفہ اور ثوری کے نزدیک (وجوب قسامت کیلئے

---

[1] حیوان (کو ہلاک کیے جانے کی صورت) میں قسامت نہیں۔ اور غلام مقتول کے بارے میں راجح قول وجوب قسامت کا ہے دیکھئے المغنی ج ۱۰: ص ۲۳۔ امام زہری، ثوری، مالک اور اوزاعی کے نزدیک غلام (کی حیثیت) چونکہ مال (کی) ہے اس لیے اس میں قسامت نہیں

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

قتل کا اثر پایا جانا شرط ہے کیونکہ اگر فوت شدہ شخص پر قتل کی کوئی علامت موجود نہ ہو تو اس کا احتمال ہوگا کہ وہ طبعی موت مرا ہے[1]۔ لیکن میری رائے میں آج علم طب شرعی کی ترقی کے باعث یہ طے کرنا آسان ہے کہ آیا فوت شدہ شخص قتل کیا گیا یا اپنی طبعی موت مرا ہے۔

ایک شخص کسی مقام سے گزر رہا تھا کہ اسے نامعلوم جگہ (جانب) سے تلوار یا خنجر آکر لگی جس سے وہ زخمی ہوگیا اس زخمی کو وہاں سے اٹھا کر اس کے اہل وعیال میں لے جایا گیا اور (کچھ عرصہ بعد) وہ اس زخم کے اثر سے مرگیا تو اگر یہ شخص زخمی ہونے کے بعد سے موت تک صاحب فراش رہا تو امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی رائے کے مطابق اس قبیلہ پر قسامت اور دیت واجب ہوگی جہاں اسے زخمی کیا گیا تھا لیکن اگر وہ صاحب فراش نہ رہا تو قسامت عائد نہ ہوگی۔

امام ابویوسفؒ اور ابن ابی لیلیٰ کے نزدیک دونوں صورتوں میں قسامت اور تاوان کچھ واجب نہ ہوگا ان کی دلیل یہ ہے کہ زخمی چونکہ دوسرے محلے میں جاکر فوت ہوا اس لیے جس محلہ میں وہ زخمی ہوا تھا وہاں قتل نفس سے کم امر واقع ہوا اور قتل سے کم میں قسامت نہیں ہوتی جیسے اگر کسی محلہ میں کوئی ہاتھ کٹا شخص پایا جائے (تو اہل محلہ پر قسامت عائد نہ ہوگی) اور یہی وجہ ہے کہ مجروح مذکور کے صاحب فراش نہ رہنے کی صورت میں (بالاتفاق) قسامت واجب نہیں ہوتی۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ مجروح کے زخم سے صحت یاب نہ ہونے

---

[1] المغنی: ج ۱۰: ص ۱۱۲ نیز دیکھیے بدائع الصنائع: ج ۷: ص ۲۸۷:

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اور فوت ہونے تک برابر بستر پر پڑے رہنے سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اسی زخم کی وجہ (اثر) سے موت واقع ہوئی ہے اور (نتیجۃً) یہ معلوم ہوگیا کہ زخم گویا اسی وقت سے قتل میں بدل گیا جب کہ اس کا ارتکاب ہوا (یعنی جراحت ایسی تھی جس کے ساتھ موت لاحق ہوگئی) تو گویا وہ شخص اسی محلہ میں فوت ہوا۔ (چنانچہ اس جہت سے قسامت واجب ہوگی) بخلاف اس کے اگر مجروح موت تک صاحب فراش نہ رہا تو یہ طے نہ ہو سکنے کے باعث کہ موت اسی زخم کے اثر سے واقع ہوئی ہے اہل محلہ پر قسامت یا دیت لازم نہ ہوگی۔

اور وجوب قسامت کے لیے ضروری ہے کہ مقتول کے بدن کا اکثر حصہ موجود ہو کیونکہ اس صورت میں وہ قتیل متصور ہوگا چنانچہ اگر مقتول کا کوئی عضو جیسے ہاتھ، پیر وغیرہ یا نصف بدن سے کم حصہ ملے تو اہل محلہ پر قسامت عائد نہ ہوگی کیونکہ جسم کے آدھے حصے سے کم کو مقتول نہیں کہا جاتا پھر یہ بھی ہے کہ اگر ہم جسم کے اس آدھے سے کم حصے پر قسامت عائد کر دیں تو جسم کے بقیہ حصے پر بھی ایک الگ قسامت عائد کرنا ہوگی اور یوں ایک جان کے عوض دو قسامتیں اور دو دیتیں واجب کرنا لازم آئے گا۔ جو کہ جائز نہیں۔

اگر مقتول کے بدن کا آدھا حصہ سر کے ساتھ ملے تو قسامت ہوگی اور اگر نصف بدن بغیر سر کے ملے تو قسامت نہ ہوگی۔

۲۔ (وجوب قسامت کے لیے دوسری شرط یہ ہے کہ) قاتل معلوم نہ ہو (کیونکہ) اگر قاتل معلوم ہو تو پھر قسامت واجب نہ ہوگی بلکہ قتل عمد میں قصاص اور موجب دیت قتل میں دیت لازم ہوگی۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

۳ - مقتول کے اولیاء کی طرف سے دعویٰ (قتل) کیا جائے کیونکہ قسامت میں (حلف برادری) ہے اور یمین بغیر دعویٰ کے واجب نہیں ہوتی پس وجوب قسامت کے لیے قتل کا دعویٰ (کیا جانا) شرط ہے۔ اور دعویٰ بجز اس کے قابل سماعت نہ ہوگا کہ مدعی تحریری طور پر یہ کہے کہ میں دعویٰ کرتا ہوں، اس شخص نے میرے ولی فلاں بن فلاں کو بالارادہ یا خطاء سے یا شبہ عمد کے طور پر قتل کیا ہے اور قتل کی کیفیت بیان کرے پس اگر قتل عمد کا دعویٰ ہو تو یوں کہے اس (مدعی علیہ) نے تلوار یا اس کی مانند مہلک آلہ سے مقتول کو (بالارادہ) ہلاک کیا ہے۔

اگر دعوی ایک (معین) شخص کے خلاف ہو اور مدعیٰ علیہ اقرار کر لے تو جرم قتل ثابت ہو جائے گا اور انکار کی صورت میں اگر گواہی موجود ہو تو اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔ ورنہ معاملہ حلف برادری پر آپڑے گا۔

اور اگر دعویٰ ایک سے زائد اشخاص کے خلاف ہو تو چار حالتوں سے خالی نہ ہوگا۔

ا - (پہلی صورت یہ ہے کہ) مدعی یہ کہے۔ اس شخص نے مقتول کو قتل کیا اور اس (دوسرے) نے اس کے قتل کا ارادہ کیا اور ارادہ قتل کی کیفیت بیان کرے۔ اس صورت میں مدعی سے کہا جائے گا کہ ان میں سے کسی ایک شخص کو (بطور ملزم) معین کرلے کیونکہ موجب قصاص قسامت ایک سے زیادہ اشخاص پر عائد نہیں ہوتی۔

ب (دوسری حالت یہ ہے کہ) مدعی کہے: اس شخص نے عمداً قتل کیا اور یہ (دوسرا شخص) خطاء کار (قتل خطاء کا مرتکب) تھا۔ اس صورت میں مدعی چونکہ ایسے قتل

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کا دعویٰ کر رہا ہے جو موجب قصاص نہیں اس لیے قسم اٹھا کر نصف دیت عامد کے مال میں سے اور نصف دیت خاطئی کے مال میں سے وصول کرے گا۔

ج - (تیسری یہ کہ) مدعی یوں کہے: اس شخص نے تو عمداً قتل کیا اور دوسرے (ملزم) کے بارے میں مجھے علم نہیں کہ آیا اس نے عمداً قتل کیا یا خطاء۔ (مدعی سے) کہا جائے گا کہ اس صورت میں قسامت عائد نہیں ہو سکتی کیونکہ ممکن ہے دوسرا (ملزم) خطاکار ہو جس سے دونوں پر دیت واجب ہوتی ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ بالارادہ قتل کا مرتکب ہو جس سے کسی ایک ملزم کا تعین کر کے اس پر قسامت جائز ہو اور قصاص لازم آئے، لہٰذا موجودہ (شک و احتمال کی) صورت میں قسامت جائز نہیں۔ پھر اگر مدعی دوبارہ آکر یہ کہے کہ مجھے معلوم ہوا ہے دوسرا ملزم بھی قتل عمد کا مرتکب ہے تو اب اسے کہا جائیگا کہ ان دونوں میں سے ایک کا تعین کر کے حلف لے، اور اگر (مدعی) یہ کہے کہ دوسرے شخص نے خطاء قتل کیا تو اس صورت میں قسامت ثابت ہو جائے گی پس دوسرے ملزم سے پوچھا جائے گا اگر اس نے انکار کیا تو قسامت عائد ہوگی اور اگر اقرار کر لیا تو (جرم) قتل ثابت ہو جائیگا اور اسکے مال میں نصف دیت واجب ہوگی کیونکہ یہ دیت اس کے اقرار سے ثابت ہوئی ہے نہ کہ قسامت کی بناء پر۔ اور بعض فقہاء کہتے ہیں دیت اس کی مددگار برادری پر عائد ہوگی اور راجح قول پہلا ہے کیونکہ عاقلہ اعتراف جرم کی بناء پر واجب ہونے والے تاوان کی ذمہ دار نہیں ہوتی۔

د - (چوتھی صورت یہ ہے کہ) مدعی کہے: ان دونوں نے (میرے ولی کو) خطاء سے، یا شبہ عمد کے طور پر قتل کیا ہے یا یہ کہے کہ ایک نے خطاً اور دوسرے نے شبہ عمد کے طور سے قتل کیا تو (اس صورت میں) اس کے لیے جائز

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ ان دونوں پر قسم اٹھائے اگر اس نے دعویٰ کیا کہ اس کے ولی کو عمداً قتل کیا گیا ہے تو اس سے عمد کی تفسیر (وضاحت) پوچھی جائے گی اور عمد سے مراد عمد خطاء (یعنی عمد مشابہ خطا) بتانے پر اس کی وضاحت قبول کر لی جائے گی اور اس تفسیر پر اس سے قسم لی جائے گی کیونکہ قتل کو بالارادہ قرار دینے میں اس سے غلطی سرزد ہوئی تھی۔ مزنی امام شافعی سے نقل کرتے ہیں کہ اس صورت میں مدعی سے قسم نہیں لی جائے گی کیونکہ اس نے قتل عمد کا دعویٰ کر کے (مدعی علیہ کی) عاقلہ کو (ادائیگی دیت سے) بری کر دیا ہے اور (اس ابراء) کے بعد عاقلہ پر وجوب مال کے سلسلہ میں اس کا دعویٰ قابل سماعت نہ ہوگا۔

۴۔ (وجوب قسامت کے لیے چوتھی شرط) مدعی علیہ کا قتل سے انکار کرنا ہے کیونکہ (قسامت حلف برادری ہے اور) قسم اسی پر عائد ہوتی ہے جو انکار کرے۔

امام شافعیؒ اور حنابلہ کا موقف یہ ہے کہ کسی غیر معین (فرد یا گروہ) کے خلاف دعویٰ (قتل) قابل سماعت نہ ہوگا پس اگر اہل شہر یا اہل محلہ یا کسی غیر معین فرد یا غیر معین افراد کی جماعت کے خلاف قتل کا دعویٰ کیا جائے تو یہ دعویٰ نہ سنا جائے گا۔ اور اصحاب رائے کہتے ہیں ایسا دعویٰ (جو غیر معین افراد کے خلاف ہو) قابل سماعت ہے اور ان کے پچاس مردوں سے قسمیں لی جائیں گی کیونکہ انصار نے (بلا تعیین) یہود خیبر پر قتل کا دعویٰ کیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا دعویٰ سنا (اور فیصلہ فرمایا)

۵۔ مقتول کی لاش جہاں پائی جائے وہ جگہ کسی شخص کی ملکیت ہو اگر وہ مقام کسی

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کی ملکیت نہ ہو تو قسامت لازم نہ ہوگی۔
اگر وہ مقام جہاں مقتول کی لاش پائی گئی ریاست کی ملکیت ہے تو اس صورت میں قسامت نہ ہوگی بلکہ مقتول کی دیت ادا کی جائے گی، یہ اسلئے کہ وجوب قسامت کی اساس، جس جگہ مقتول پایا گیا اس کے مالک کی جانب سے تحفظ اور قیام امن میں کوتاہی یا وہاں وقوع پذیر ہونے والے حادثے سے لاعلمی کے قصور پر ہے، اس لیے ریاست کی مملوکہ زمین میں پائے جانے والے مقتول کی دیت بیت المال سے ادا کی جائے گی[1] (لیکن اس میں قسامت نہ ہوگی)۔
امام احمدؒ ایسے شخص کے بارے میں جو لوگوں کے ہجوم (کے نتیجے) میں ہلاک ہو جائے کہتے ہیں کہ یہ لوث نہیں ہے اور اس کی دیت بیت المال سے ادا کی جائے گی۔ یہی اسحاق کا قول ہے اور حضرت عمرؓ و حضرت علی سے بھی ایسا ہی مروی ہے چنانچہ سعید نے اپنی سنن میں ابراہیم سے روایت کی ہے کہ عرفہ میں لوگوں کے ازدحام میں ایک شخص ہلاک ہو گیا اس کے وارث حضرت عمرؓ کے پاس مقدمہ لے کر آئے۔ آپؓ نے پوچھا قاتل کے بارے میں تمہارے پاس کوئی شہادت موجود ہے! اس پر حضرت علیؓ نے کہا۔ اے امیر المومنینؓ! کسی مسلمان کا خون رائگاں نہیں جانا چاہیئے، اگر آپ کو اس شخص کا قاتل معلوم ہو جائے تو فبہا ورنہ بیت المال سے اس کی دیت ادا کیجیے۔ مسجد حرام میں پائے جانے والے مقتول کے بارے میں امام احمدؒ کہتے ہیں کہ دیکھا جائے گا اگر اس

---

[1] یوں اسلامی ریاست میں کسی شخص کا خون رائگاں نہیں جاتا کیونکہ اگر قاتل معلوم نہ ہو سکے تو بیت المال سے اس کی دیت ادا کی جاتی ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

مقتول اور کسی شخص (یا اشخاص) کے درمیان زندگی میں کوئی عداوت موجود تھی تو ان کا مواخذہ کیا جائے گا پس امام احمد محض (مقام قتل میں) موجودگی کو قرینۂ قتل قرار نہیں دیتے بلکہ لوث سے مراد عداوت لیتے ہیں۔ ہجوم میں ہلاک ہو جانے والے شخص کے بارے میں حسن اور زہری کی رائے یہ ہے کہ اس کی دیت تمام حاضر لوگوں پر عائد ہوگی کیونکہ انہی کے اندر قتل واقع ہوا ہے اور امام مالکؒ کے نزدیک اس کا خون رائگاں ہے کیونکہ اس کا قاتل معلوم نہیں اور کوئی ایسا قرینہ نہیں پایا جاتا جس کی بناء پر قسامت کا فیصلہ کیا جائے۔[1]

رابعاً: قسامت میں کون لوگ داخل ہوں گے

بچہ اور مجنون پر قسامت نہیں

ہے خواہ مقتول ان کی مملوکہ زمین میں یا کہیں اور پایا جائے کیونکہ قسامت (کی حیثیت) حلف برداری (یمین کی) ہے اور یہ دونوں حلف برداری کے اہل نہیں یہی وجہ ہے کہ تمام دعاوی میں ان سے قسم نہیں لی جاتی نیز قسامت ان لوگوں پر عائد ہوتی ہے جو (لوگوں کی) حفاظت اور مدد کر سکتے ہوں اور یہ دونوں ایسا نہیں کر سکتے البتہ اگر مقتول ان کی مملوکہ (زمین) میں پایا جائے تو ان کی مددگار برادری پر قسامت واجب ہوگی کیونکہ عاقلہ نے نصرت اور حفاظت (کے فریضہ) میں کوتاہی برتی ہے مجنون اور بچے کے علاوہ (سب لوگ) قسامت میں داخل ہوں گے چنانچہ اندھا بہرا، محدود فی القذف (جرم تہمت تراشی میں سزا یافتہ شخص) ذمی، اور کافر قسامت میں داخل ہوں گے کیونکہ یہ سب حلف برداری اور نصرت و محافظت کی اہلیت رکھتے ہیں

---

[1] المغنی: ج ۱۰، ص ۱۰

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

عورتوں پر قسامت

عورتیں اگر وارثان مقتول (مدعیان قتل) میں سے ہوں تو ان سے قسم نہیں لی جائے گی یہ ربیعہ، ثوری، لیث اور اوزاعی کی رائے ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک عورتیں قتل خطاء کی قسامت میں داخل ہوں گی اور قتل عمد کی قسامت میں نہیں جب کہ امام شافعیؒ کہتے ہیں ہر بالغ وارث سے قسم لی جائے گی کیونکہ یہ دعوی سے (متعلق) یمین ہے اس لیے دیگر انواع یمین کی طرح عورتوں پر عائد ہوگی۔

المغنی میں ہے: چونکہ قسامت ایسی حجت (دلیل) ہے جس سے قتل عمد ثابت ہوتا ہے اس لیے شہادت کی طرح یہ بھی عورتوں سے قبول نہ ہوگی، پھر یہ ہے کہ قسامت جس جرم پر واجب ہوتی ہے وہ جرم قتل ہے جس کے اثبات میں عورتوں کو کوئی دخل نہیں اور مال (دیت) تو ضمناً ہی ثابت ہوتا ہے اور خنثیٰ مشکل پر وجوب قسامت کا احتمال بھی پایا جاتا ہے کہ اس کے حق میں قسامت کا سبب یعنی مستحق خون ہونا موجود ہے اور اس کی یمین (کے قبول) سے مانع متحقق نہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس پر قسامت عائد نہ ہو کیونکہ وہ اس معاملہ میں عورت سے مشابہ ہے کہ (عاقلہ کے طور سے) ادائیگی دیت کا (پابند) نہیں اور اس کی گواہی سے جرم قتل ثابت نہیں ہوتا[1]

خامساً قسامت سے براءت

قسامت سے بری کرنا صراحتاً ہو گا یا دلالتہً پس ابراء صریح یہ ہے کہ ابراء یا اس کے ہم معنی الفاظ کی تصریح کی جائے جیسے (مدعی) یہ کہے کہ میں نے (قسامت سے) بری کیا، میں نے (حق قسامت) ساقط کر دیا یا میں نے معاف کر دیا اور اس جیسے دیگر الفاظ۔

---

[1] المغنی ج ۱۰ ص ۲۵

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اور ابراء ضمنی اس سے عبارت ہے کہ ولی مقتول اہل محلہ کے علاوہ (سوا) کسی اور شخص پر قتل کا دعوی کرے اور یوں (ضمناً) اہل محلہ کو قسامت سے بری قرار دے دے کیونکہ محلہ میں مقتول کا پایا جانا (بظاہر) اس مدعی علیہ کے قاتل ہونے پر دلالت نہیں کرتا اس لیے ولی مقتول کا اس شخص کے خلاف دعوٰی کرنا اہل محلہ سے (جرم) قتل کی نفی کرتا ہے اور یوں قسامت سے ان کی برارت کو متضمن ہے۔

قسامت کے احکام

۱۔ اہل محلہ میں سے پچاس افراد (جنہیں ولیٔ مقتول منتخب کرے) یہ حلف اُٹھائیں گے کہ واللہ! ہم نے اس شخص کو قتل نہیں کیا اور نہ ہمیں اس کا قاتل معلوم ہے۔ اگر وہ قسمیں کھالیں تو ان پر دیت عائد کی جائے گی یہ حنفیہ کا قول ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ مال کے استحقاق میں قسم تاثیر رکھتی ہے اور ابن ابی لیلی سے امام مالکؒ کی روایت کردہ حدیث ضعیف ہے جب کہ حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ قسامت سے قصاص (واجب وثابت) نہیں ہوتا لیکن اس کے ذریعہ دیت کا استحقاق حاصل ہو جاتا ہے۔

۲۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں اگر مقتول اور اہل محلہ کے درمیان عداوت ظاہری کا قرینہ موجود ہو تو اولیائے مقتول سے پچاس قسمیں لی جائے گی اور وہ قسم کھالیں تو مدعی علیہ سے قصاص لیا جائے گا (بشرطیکہ دعوٰی قتل عمد کا ہو)۔ امام شافعیؒ کی دو روایتوں میں سے ایک روایت یہ ہے کہ ولی سے قاتل کی تعیین کرنے کو کہا جائے گا اور اس تعیین کے بعد اس سے پچاس قسمیں لی جائیں گی اگر وہ قسم کھالے تو اس کے معین کردہ قاتل سے قصاص لیا جائے گا، ان کا دوسرا

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

قول یہ ہے کہ (قصاص عائد نہ ہوگا بلکہ) قاتل پر دیت واجب ہوگی، اور اگر ایسا نہ ہو (یعنی مدعی قسم نہ کھائے) تو اہل محلہ سے قسمیں لی جائیں گی اور ان پر حلف برداری کے بعد کچھ واجب نہ ہوگا۔ امام مالک اور ان کے ہم خیال فقہاء کی دلیل ابن ابی لیلیٰ سے مروی سہل ابن ابی حثمہ کی روایت ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مقتول خیبر کے ورثاء سے) فرمایا: اتحلفون وتستحقون دم صاحبکم یعنی کیا تم قسم کھا کر اپنے ساتھی کے خون کا حقدار ہونا چاہو گے۔ اسی طرح بشیر بن بشار کی روایت کردہ مرسل حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی وارد ہوا ہے کہ "اتحلفون خمسین یمینا وتستحقون دم صاحبکم او قاتلکم لہ" یعنی کیا تم پچاس قسمیں کھا کر اپنے ساتھی یا قاتل کے خون کے حقدار ہونا چاہو گے۔

قسامت کی بناء پر وجوب قصاص کے قائلین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا اس کے ذریعہ ایک سے زیادہ اشخاص کو قصاص میں قتل کیا جا سکتا ہے امام مالکؒ کے نزدیک (قتل عمد میں) قسامت صرف ایک ہی شخص کے خلاف ہو سکتی ہے امام احمد کی رائے بھی یہی ہے۔ اشہب کہتے ہیں۔ جماعت کے خلاف قسامت تو (ممکن) ہے لیکن ان میں سے صرف اُس ایک شخص کو قتل کیا جائے گا۔ جسے اولیائے مقتول معین کریں، یہ ضعیف رائے ہے۔ مغیرہ المخزومی کی رائے ہے کہ ہر وہ شخص جس کے خلاف (قتل عمد کی) قسم اٹھائی جائے (قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ امام مالکؒ اور لیثؒ کہتے ہیں: اگر دو عادل گواہوں نے شہادت دی کہ ایک شخص نے دوسرے کو چوٹ لگائی ہے، چوٹ لگنے کے بعد مضروب کچھ دن زندہ رہا اور

لے المبسوط: ج ۲۶: ص ۶۰؛ بدایۃ المجتہد: ج ۲: ص ۳۰۹؛ نیز دیکھئے المغنی: ج ۱۰: ص ۳۳۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

پھر مر گیا تو مضروب کے سرپرستوں سے قسم لی جائے گی کہ وہ اس چوٹ کے اثر سے مرا ہے اور (ان کے قسم کھانے پر) چوٹ لگانے والے سے قصاص لیا جائے گا۔

۳۔ اگر (اہل محلہ میں سے قسامت کے لیے منتخب افراد کی) تعداد پچاس تک نہ پہنچی بلکہ وہ انچاس نکلے تو ان میں سے ایک شخص کو مکرر قسم کے لیے چنا جائے گا (تاکہ پچاس قسمیں پوری ہو جائیں) یہ اس لیے کہ قسامت میں یمین کی تعداد شرعاً منصوص ہے جس کی خلاف ورزی جائز نہیں البتہ ایک ہی شخص سے مکرر قسم لی جا سکتی ہے جیسا کہ لعان میں (ہوتا) ہے۔

۴۔ اہل محلہ میں سے جن لوگوں پر قسامت عائد ہو گی ان کا انتخاب اولیائے مقتول کا حق ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتول کے بھائی سے فرمایا تھا کہ ان میں سے (قسامت کے لیے) پچاس افراد چن لے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اختیار ولی مقتول کا حق ہے جو اس کے مطالبہ پر پورا کیا جاتا ہے اور وہی ان لوگوں کو معین کرے گا جن سے یہ حق (قسامت) وصول کیا جائے گا اور اسے یہ اختیار ہے کہ قسامت کے لیے جو ان پرہیزگاروں یا فاسقوں میں سے جنہیں چاہے منتخب کر لے۔

اگر اولیائے مقتول نے قسم کھانے کے لیے کسی نابینا یا تہمت تراشی کے الزام میں سزا یافتہ شخص کو اختیار کیا تو یہ ان کے لیے (روا) ہے اس سلسلہ میں قسامت اور لعان میں یہ فرق ہے کہ لعان (کی حیثیت) گواہی (کی) ہے اور محدود فی القذف یا نابینا شخص ادائیگی شہادت کا اہل نہیں جب کہ قسامت محض حلف برداری ہے (جو ہر شخص کر سکتا ہے)۔

۵۔ اگر مقتول کی لاش دو بستیوں کے درمیان (بیچ میں) پائی گئی تو دونوں گاؤں

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

سے اس کا فاصلہ نا پایا جائیگا اور جس گاؤں سے مقتول زیادہ قریب ہو اس پر قسامت واجب ہو گی۔

۶۔ اگر شہر یا محلے والے قسم کھانے سے گریز کریں تو انہیں قید کیا جائے گا تا آنکہ قسم کھالیں کیونکہ قسم (لینا) بذات خود احترام خون کے حقوق میں سے ہے اور جس (شخص) پر کوئی حق خاص لازم آئے وہ اگر اس کی ادائیگی سے انکار کرے تو قید کیا جائے گا کیونکہ ایسے حق کی ادائیگی میں نیابت جاری نہیں ہوتی۔

۷۔ اگر قسامت (کی تکمیل) کے بعد ولیٔ مقتول یہ کہے کہ میں نے (دعویٰ میں) غلطی کی، قاتل یہ شخص نہیں ہے، یا یہ کہے کہ میں نے اس پر قتل کا دعویٰ کر کے زیادتی کی، یا یہ کہے کہ مدعی علیہ (جس) نے میرے ولی کو قتل کیا (وقوعہ کے روز) دوسرے شہر میں تھا اور ان دونوں شہروں کے درمیان اتنا فاصلہ ہو کہ وہاں ہوتے ہوئے وہ اس کے ولی کو قتل نہ کر سکتا ہو، تو (ان تمام صورتوں میں) قسامت باطل ہو جائے گی اور جو کچھ (مال دیت) اس نے لیا ہے واپس لوٹانا (واجب) ہو گا کیونکہ وہ (مدعی) اپنے بارے میں اقرار کر رہا ہے لہٰذا اس کا اقرار قبول کیا جائے گا۔ اگر مدعی یہ کہے کہ جو کچھ میں نے لیا وہ حرام ہے اور وضاحت طلب کرنے پر کہے کہ میں نے اس شخص پر اپنے دعویٰ میں جھوٹ بولا تھا تو بھی قسامت باطل ہو جائے گی۔

اگر مدعی علیہ نے اس امر کا ثبوت مہیا کر دیا کہ وقوعہ کے روز وہ مقتول سے دور ایک ایسے شہر میں تھا جہاں سے ایک دن میں جائے وقوع پر پہنچنا ممکن نہیں تو دعوئے قتل باطل ہو جائے گا۔

اگر مدعی علیہ کے) گواہوں نے یہ کہا کہ ہم شہادت دیتے ہیں فلاں نے اس

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

(مقتول) کو قتل نہیں کیا تو صرف (مجرد) نفی ہونے کی بناء پر ان کی یہ شہادت مقبول نہ ہو گی البتہ اگر وہ یوں گواہی دیں کہ مقتول کو فلاں نے قتل نہیں کیا بلکہ فلاں نے قتل کیا ہے تو اس صورت میں ان کی گواہی مقبول ہو گی کیونکہ یہ (دراصل) اثبات کی شہادت ہے جو نفی کی بھی متضمن ہے۔ اسی طرح اگر وہ یہ کہیں کہ فلاں نے اسے قتل نہیں کیا کیونکہ وہ (مدعی علیہ) وقوع قتل کے روز ایک ایسے شہر میں تھا جو جائے حادثہ سے دور ہے (تو یہ شہادت مقبول ہو گی۔) [1]

---

[1] المغنی، ج ۱۰ صفحہ ۱۷۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

خاتمہ

اس کتاب کا خلاصہ یہ ہے کہ :

(جرم قتل کے بارے میں) اللہ تعالےٰ کی شریعت کا حکم قصاص ہے فرمایا:

ولکم فی القصاص حیاۃ یا اولی الالباب لعلکم تتقون۔ یعنی اے ارباب دانش! تمہارے لئے قصاص میں زندگانی ہے۔

محققین (و ماہرین قانون) نے شخصی انتقام کے مسئلہ کا حل تلاش کرنے کی بے پناہ کوششیں کیں اور اس سلسلہ میں مصر کے قومی مرکز برائے تحقیقات معاشرتی و تعزیراتی کے زیر اہتمام ۱۹۶۱ء میں منعقد ہونے والی کانفرنس اس نتیجہ پر پہنچی کہ: "انتقام شخصی کی بناء پر قتل کی سزا اس قدر (سنگین اور) عبرت انگیز ہونی چاہیئے جس سے ورثائے مقتول کے انتقامی جذبات ٹھنڈے پڑ جائیں تاکہ وہ ذاتی طور پر بدلہ لینے کی کوشش سے باز رہیں اور رائے عامہ بھی مطمئن ہو جائے۔

یوں یہ (لوگ) شریعت اسلامیہ کے حکم قصاص کی طرف لوٹ رہے ہیں۔

ہم نے اس بحث میں دیکھا کہ قصاص کا نفاذ حاکم یا اس کے مقرر کردہ شخص کا کام ہے اور ولی مقتول کے قصاص معاف کر دینے سے بھی ریاست کا حق (تعزیر) ساقط نہیں ہوتا بلکہ مجرم کو کوڑوں اور قید کی سزا دی جائیگی۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ارشاد خداوندی ہے: من اجل ذٰلك كتبنا على بنى اسرائيل انه من قتل نفسا بغير نفس او فساد فى الارض فكانما قتل الناس جميعا ومن احياها فكانما احيا الناس جميعا ولقد جاءتهم رسلنا بالبينت ثم ان كثيرا منهم بعد ذٰلك فى الارض لمسرفون [1] یعنی اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ حکم لکھ دیا کہ جس کسی نے بجز اس کے کہ قصاص لینا ہو یا زمین میں فساد پھیلانے والوں کو سزا دینی ہو، کسی جان کو قتل کر ڈالا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو تہ تیغ کر دیا اور جس نے کسی انسان کی زندگی بچائی تو گویا اس نے تمام انسانوں کو زندگی دیدی۔ پھر ان کے پاس ہمارے رسول (حق و صداقت کی) روشن دلیلوں کے ساتھ آتے رہے لیکن اس پر بھی ان میں سے اکثر آدمی ملک میں زیادتیاں کرنے والے ہوتے ہیں ہم نے اس آیت کے مفہوم میں علماء کا وسیع اختلاف پیش کیا اور اس رائے پر پہنچے کہ یہاں (دراصل) اس حقیقت کا فہم مطلوب ہے کہ ایک انسان کو قتل کرنے والا شخص بایں طور تمام انسانوں کا قاتل قرار پاتا ہے کہ وہ اس بری رسم کا از سر نو احیاء کرتا ہے اور کسی کی جان بچانے سے مراد یہ ہے کہ قاتل کو ارتکاب جرم سے باز رکھنے کے لئے وعظ و ارشاد یا قوت کا ہر وسیلہ اختیار کیا جائے اور کسی انسان کو پیش آمدہ یا متوقع ہلاکت سے بچا لیا جائے۔

(اسی پہلی فصل میں) قاتل کی توبہ کے بارے میں ائمہ اربعہ کا یہ متفق علیہ موقف بھی سامنے آیا کہ دیگر گناہگاروں کی طرح قاتل (عمد) کی توبہ بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہے۔

---

[1] سورۃ المائدہ ۳۲

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کتاب کی فصل دوم میں ہم نے وجوب قصاص کے لیے قاتل، مقتول اور جرم قتل سے متعلق جو شرائط بالتفصیل بیان کیں اور اس ضمن میں جو (بنیادی) حقیقت اجاگر کی کہ شریعت اسلامیہ نے ذمیوں پر خصوصی رعایت وعنایت کرتے ہوئے انہیں حقوق وواجبات میں مسلمانوں کے مساوی ٹھہرایا ہے۔

فصل سوم میں قتل کی مختلف انواع مثلاً واجب، مباح اور حرام وغیرہ پر روشنی ڈالتے ہوئے قتل عمد کے موجبات اور احکام بالتفصیل بیان کیے گئے۔

بقیہ فصول کتاب کیفیت استیفاء قصاص اور حقدار قصاص، نیز اسباب سقوط قصاص اور اثبات جرائم قصاص کے مختلف طرق و ذرائع پر روشنی ڈالتی ہیں۔

آخر میں ہم علامہ ابن القیم کی کتاب "اعلام الموقعین" کی یہ (بصیرت افروز) سطور نقل کرنا ضروری سمجھتے ہیں، وہ فرماتے ہیں: اگر قصاص (واجب) نہ ہو تو دنیا فساد واضطراب کا شکار ہو جائے اور لوگ ایک دوسرے کا ابتداءً اور انتقاماً (بے دریغ) خون بہانے لگ جائیں (بناء بریں) گویا قصاص بطور جرم اور بطور انتقام خونریزی کے مفسدے کے ازالہ کے لیے واجب کیا گیا ہے۔

عرب عہد جاہلیت میں کہا کرتے تھے کہ قتل ہی قتل کو مٹانے والا ہے اور خون بہانے سے ہی خون کی حفاظت ہوتی ہے۔ (حقیقت یہ ہے کہ) نجاست کو نجاست کے ذریعہ زائل نہیں کیا جا سکتا بلکہ جرم قتل ایک نجاست ہے اور (اس کے ازالہ کے لیے) حکم قصاص ایک (ذریعہ) طہارت ہے۔ اگر قاتل اور مستحق قتل کی ہلاکت ناگزیر ہو تو تلوار کے ذریعہ گردن مار دینا اس کے لیے دنیا اور آخرت میں سود مند ہے کیونکہ تلوار کے ذریعہ موت جلد، سہل اور کم تکلیف دہ ہوتی ہے۔ بناء بریں تلوار کے ذریعہ قاتل کو قتل کرنا، خود اس کے لیے، اولیائے مقتول کے لیے اور عام لوگوں کے لیے مصلحت ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے انسان کے فائدے کے لیے حیوان کو ذبح کیا جائے

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کہ حیوان کو ذبح کرنا خود اس کے لیے تو (بظاہر) ضرر رساں ہے لیکن اس پر مرتب ہونے والے (انسان کے لیے) فائدے حیوان کے اتلاف سے کئی گنا زیادہ ہیں۔
پس قصاص میں قتل کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے زندہ اور فوت شدہ (مقتول) بندوں پر اتنی بڑی نعمت ہے جس کا احصاء ممکن نہیں کہ یہ (قصاص) مقتول کے لیے (جرم قتل سے) طہارت و پاکیزگی (کا ذریعہ) نوع انسانی کے لیے (بالعموم) زندگی بخش، مظلوم (کے پسماندگان) کے لیے سامان تسکین اور قاتل و مقتول کے مابین (پورا پورا) انصاف ہے اور اول و آخر تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں۔
وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ محمد و آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

فرہنگ مصطلحات

Aborticide	اتلاف جنین
Incapacitation of a part of human body.	اتلاف صلاحیت عضو
Mulct Unprescribed damages	ارش
Apostasy	ارتداد
Abetment	اعانت جرم
Confession	اقرار
Coersion, compulsion	اکراہ
Blood Relatives	اولیاء الدم
The People seeking blood revange.	اہل الدم
the People of protection.	اہل الذمہ
Dissection which clears the flash slightly and brings blood but does not make it flow.	باضعہ
Vengeance. Blood feud	ثار
Belly wound	جائفہ
Accidental injury	جراحت خطاء
Intentional injury	جراحت عمد
Foetus	جنین
Scratch	حارصہ
Judicial decision	حکومت عدل

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

Separation from wives for compensation.	خلع
Blood will Blood money	دیت
Tearer	دامعہ
The wound which reached the brain	دامغہ
Bleeding	دامیہ
Hard Blood money	دیت مغلظ
Relation of cause and effect	رابطہ سببیت
Deterrant	زاجر
Fornication, Rape, Adultry	زنا
Sorcerer	ساحر
Sorcery	سحر
Debarment from Inheritence & will.	سزائے حرمان
Drunkard (Person)	سکران
Deadly weapon	سلاح مہلک
Periosleun	سمحاق
Head and face wounds	شجاج
Evidence of Testimony	شہادت علی الشہادۃ
Bodily injuries	ضربات جسمانی
Damages	ضمان
Pardon	عفو
Unvolition Murder, Accidental killing	قتل خطا
Similitude of Volitional murder	قتل شبہ عمد

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

Intentional murder	قتل عمد
volitional murder	
Deleberate murder	
Killing sedetly by Trickery	قتل غیلہ
Slander	قذف
Circumstancial evidence	قرائن
Swearing	قسامۃ
Retaliation	قصاص
Retalition in injury	قصاص جراحت
Amputation of hand	قطع ید
Expiation	کفارہ
Find Property	لقیط
Lost Property	
Sodomy	لواطت
Malice	لوث
Wound to Brain	مامومہ/آمہ
Valuable	متقوم
Accused	متہم
Blunt weapon	مثقلہ (آلہ)
Mutilation, Molestation of Corps	مثلہ کرنا
Injured	مجروح
Insane	

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

Victim	مجنی علیہ
Defendant	مدعی علیہ
Prompt	معجل
Head wound with splinters	منقلہ
The wound which lays bare	موضحہ
Deferred	مؤجل
Dower	مہر
Inheritance	میراث
Adolescent	نابالغ
Descent	نسب
Will Admonition	وصیت
Guardianship	ولایت
Guardian of Deceased	ولی الدم
The wound which break the bone.	ہاشمہ

11940

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

آٹھویں صدی ہجری کے عظیم نابغہ ابو اسحاق ابراہیم الشاطبی کی

شہرۂ آفاق تصنیف

الموافقات فی اصول الاحکام

کا

اردو ترجمہ زیر تکمیل ہے، اشاعت محدود ہوگی اس لیے خریدار حضرات ابھی سے مندرجہ ذیل پتہ پر اپنی فرمائش سے مطلع فرمادیں

مرکز تحقیق (ریسرچ سیل)

دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری نسبت روڈ ـــــ لاہور

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

فقہی، علمی، تحقیقی مجلہ

سہ ماہی

منہاج

لاہور

جنوری ۱۹۸۳ء سے یہ مجلہ مرکزِ تحقیق دیال سنگھ لائبریری سے شائع ہو رہا ہے۔ اب تک اس کے مندرجہ ذیل نمبر شائع ہو چکے ہیں اور اہل علم کا خیال ہے کہ اس معیار کا علمی و تحقیقی مجلہ آج تک برِصغیر پاک و ہند میں اردو زبان میں شائع نہیں ہوا ہے۔

۱ پہلا	اجتہاد نمبر	قیمت ۲۰ روپے
۲ دوسرا	عشر نمبر	قیمت ۱۰۰ روپے
۳ تیسرا	عظمت محنت نمبر	قیمت ۱۰۰ روپے
۴ چوتھا	اسلامی نظامِ عدل نمبر (جلد اوّل)	قیمت ۳۶ روپے
۵ پانچواں	اسلامی نظامِ عدل نمبر (جلد دوم)	قیمت ۳۶ روپے
۶ چھٹا	حیثیت نسواں نمبر (جلد اول)	قیمت ۳۶ روپے
۷ ساتواں	حیثیت نسواں نمبر (جلد دوم)	قیمت ۳۶ روپے
۸ آٹھواں	حیثیت نسواں نمبر (جلد سوم)	قیمت ۳۶ روپے
۹ نواں	مصادر شریعت نمبر	قیمت ۱۰۸ روپے
۱۰ دسواں	اسلامی معیشت نمبر	قیمت ۱۶۰/- روپے
۱۱ گیارھواں	نفاذ شریعت نمبر	قیمت ۱۶۰/- روپے

پوری فائل طلب کرنے پر خصوصی رعایت۔ علماء۔ وکلاء اور طلبہ کیلئے مزید رعایت ہوگی۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

فقہ حنفی کی شہرۂ آفاق کتاب

بدائع الصنائع

فی ترتیب الشرائع

تالیف: علامہ علاؤ الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی المتوفی ۵۸۷ھ

جلد ششم
ترجمہ
مولانا ڈاکٹر عبد الواحد

جلد ہفتم
ترجمہ
پروفیسر خان محمد چاولہ

وکلاء قضاۃ اور قانون سے متعلق حضرات کے لیے ایک ناگزیر ضرورت
نفاذِ شریعت کے عمل میں ممد و معاون۔ اسلامی مدارس اور فقہ اسلامی سے دلچسپی
رکھنے والے حضرات کے لیے ایک اہم کتاب۔

- دیدہ زیب پنج رنگہ ڈسٹ کور، عمدہ ڈائی دار جلد
- بہترین آفسٹ طباعت، ضخامت: ۹۰۰ صفحات

قیمت: جلد ششم ۲۸۰ روپے

دس کتب سے زیادہ منگوانے پر کمیشن ۵۰٪

قیمت: جلد ہفتم ۲۲۰ روپے

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com
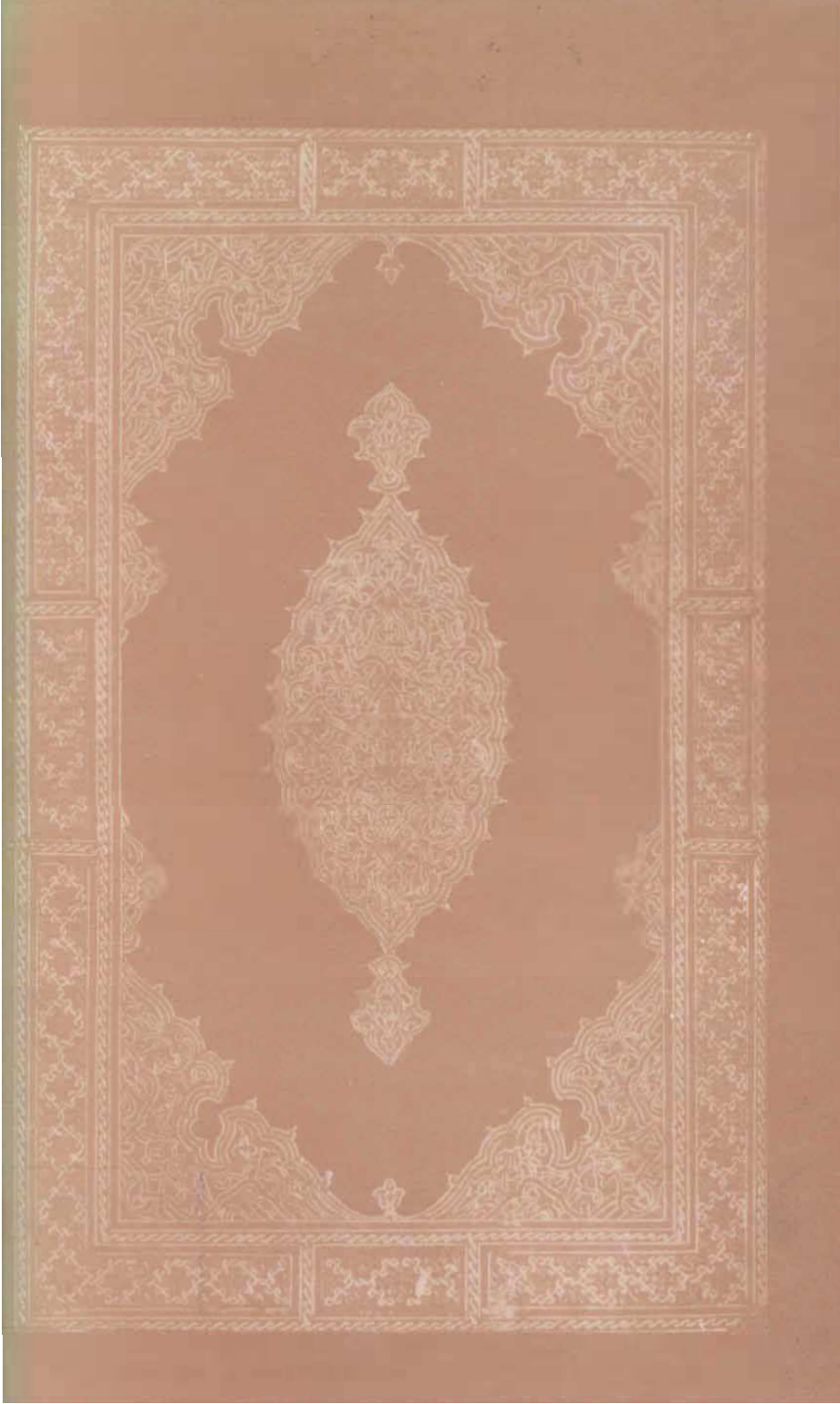
کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز